

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

ماہنامہ حنا

جلد: 41 شماره: 4

اپریل: 2019

قیمت: 70 روپے

مدیر اعلیٰ: سردار طاہر محمود
مدیرہ: تسنیم طاہر
نائب مدیران: ارم طارق
تحریر محمود
مدیرہ خصوصی: فوزیہ شفیق
قانونی مشیر: سردار طارق محمود (ایڈوکیٹ)
کاشف گوریجہ
خالدہ جیلانی
افراز علی نازش



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



نگہ نگار
ابن انشاء
اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

اردو کی آخری کتاب	خمار گندم	دنیا گوشت
آوارہ گرد کی ڈائری	ابن بطوطہ کے تعاقب میں	چلتے ہو تو چین کو چلیے
نگری نگری پھر اسافر	دخل در معقولات	بقلم غرور
ہر اچھے بک شال سے یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں		

لاہور اکیڈمی

چوک اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 3710797

4-A: MONTHLY HINA APRIL 2019



مکمل ناول



اسلامیات

حمد
نعت
پیغمبرؐ کی پیدائش
میر تقی میر 7
میر عالم 7
سید اختر 8

ناولٹ



انشاء نامہ

چھپے پہر کے سنائے
ابن انشاء 10

انسان



سردار محمود

بس یادیں ساتھ ہیں
فوزی شفیق 12

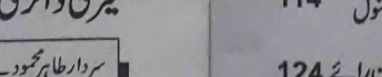
انسان



دل گزیدہ

دل گزیدہ
امیر عشق
امیریم 14
سدرۃ البتہ 158

انسان



قرۃ العین رائے 124

مستقل

231 عین غمین
237 حنا کا دسترخوان
240 کس قیامت کے یہ نامے
226 تحریک محمود
228 تنہیم طاہر
233 بلقیس بھٹی
235 صائرہ محمود
226 حنا کی محفل
228 حنا کا دسترخوان
233 کس قیامت کے یہ نامے

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرگرم روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ: **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرگرم روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس:
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

انتخابہ نامہ ہمارے حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پیش کردہ تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی،
ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جاسکتا ہے، اور نہ کسی ٹی وی چینل پر ڈراما، ڈرامائی تشکیل
اور اسے دارقسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جاسکتا ہے، خلاف روزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔



قارئین کرام! اپریل 2019ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔
گزشتہ دنوں نیوزی لینڈ کے شہر کرائسٹ چرچ میں دو مساجد میں نماز جمعہ کی ادائیگی کے دوران معصوم نمازیوں پر ایک مذہبی جنونی سنی نوجوان کی فائرنگ سے پچاس نمازی شہید ہو گئے۔

اس دلخراش واقعہ کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے مغربی میڈیا اس واقعہ کو ایک ذہنی مریض کی ترست فرائی دے رہا ہے۔ اگر خدا خواستہ ایسی ہی کوئی حرکت کسی مسلمان ذہنی مریض سے سرزد ہوئی تو اسلامو فوبیا کا شکار مغربی میڈیا اس کو اسلامی دہشت گردی قرار نہیں دیتا۔ جبکہ اس کے برعکس اسلامی دنیا میں کسی نے بھی اس واقعہ کو عیسائی دہشت گردی قرار نہیں دیا۔ یہ واقعہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اچھے برے لوگ ہر جگہ موجود ہیں کسی بھی شخص کی حرکت کو اس کے مذہب کے ساتھ منسوب کرنا درست نہیں۔ اس واقعہ کے بعد نیوزی لینڈ کی حکومت اور عوام کے رد عمل نے دنیا بھر کے غمزدہ مسلمانوں کے دل جیت لئے ہیں۔ جس طرح انہوں نے اس المناک سانحے کے بعد غمزدہ مسلمانوں سے اظہارِ محبت کیا ہے اس پر سب مسلمان ان کے شکر گزار ہیں۔ نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم اس سانحے کے بعد ایک مشفق اور ہمدردانہما کے طور پر سامنے آئی ہیں جس طرح انہوں نے غمزدہ خاندانوں سے ملاقات کے دوران اظہارِ ہمدردی کیا ہے واقعی لگتا ہے کہ وہ ان کے دکھ میں برابر کی شریک ہیں۔ یہی ایک حقیقی لیڈر کا طریقہ ہے۔ ہم سب اس اظہارِ ہمدردی پر نیوزی لینڈ کی مشفق وزیر اعظم، حکومت اور عوام کے شکر گزار ہیں۔

برسی:- ماہ رواں کی 12 تاریخ کو میرے والد اور ماہنامہ حنا کے بانی سردار محمود چوہدری کی تیسری برسی ہے اس موقع پر قارئین سے التماس ہے کہ ان کے ایصالِ ثواب کے لئے فاتحہ خوانی فرمائیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ درجہ عطا فرمائے آمین۔
اس شمارے میں:- امہ مریم اور سدرۃ الحسنیٰ کے سلسلے وار ناول، حنا شرعی، وجیہ بخاری اور سیدہ فرزانہ حبیب کے مکمل ناول، بشری سیال اور تحمین اختر کے ناول، سویرا فلک، رابعہ افتخار اور ثناء کنول کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی متعلق سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



ہے تیری ذات میں اسوۂ سب کے لئے
تو وہ اسوۂ حسن تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے ختم الرسل تو ہے خیر البشر
تو ہے نور البشر تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شفیع الامم تو ہے بحر کرم
تو ہے ابر کرم تجھ پہ لاکھوں سلام

تو امام الرسل ہر دوا راض و ساء
تو حبیب خدا تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شہر علم تو ہے فخر البشر
تو ہے بحر ساء تجھ پہ لاکھوں سلام

کیوں نے تجھ پہ فدا ہو دل و جان مری
تو ہے جان منیر تجھ پہ لاکھوں سلام

اس ذوالجلال کا
صفات و کمال کا

ادارک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور ساتھ ہے یاں اپنوں کے حال و حال کا

ہے قسمت کریمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ و کرم سب میں ہے اس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر گر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

میر تقی میر

منیر عالم



ادارہ

اہل و عیال کے لئے دوڑ دھوپ کرنا کار

ثواب

حضرت کعبہ بن عمیرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، فرماتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے ایک شخص گزرا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اس کی توانائی، چستی اور سرگرمی دیکھی تو عرض کیا۔

”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کاش اس کی سرگرمی اللہ کی راہ میں ہوتی؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”اگر یہ اپنے پھوٹے بچوں کے لئے دوڑ دھوپ کر رہا ہے تو وہ اللہ کی راہ میں ہے اور اگر ریا کاری اور نام و نمود کے لئے بھاگ دوڑ کر رہا ہے تو وہ شیطان کے لئے ہے۔“

ملازمین سے حسن سلوک

حضرت معروڑ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مقام ربذہ میں ملاقات ہوئی، وہ اور ان کا غلام ایک ہی لباس پہنے ہوئے تھے، میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا۔

”کہ کیا بات ہے، آپ کے اور غلام کے کپڑوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔“

اس پر انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو برا بھلا کہا اور اس سلسلے میں اس کو ماں کی غیرت دلائی، یہ خبر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

”ابوذر! کیا تم نے اس کو ماں کی غیرت دلائی ہے؟ تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے، تمہارے ماتحت (لوگ) تمہارے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارا ماتحت بنایا ہے، تمہارے ماتحت اس کا بھائی ہو، اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے اور وہی پہنائے جو پہنوں

سے وہ کام نہ لو جو ان پر بوجھ بن جائے اور اگر وہ کوئی ایسا کام لو تو ان کا ہاتھ ٹاؤ“ (بخاری)

قیامت کے دن

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا، ”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا، آدم کے بیٹے! میں بیمار ہوا تم نے میری عیادت نہیں کی“

بنده عرض کرے گا۔

”اے میرے رب! میں لیے آپ کی عیادت کرتا، آپ تو رب العالمین ہیں؟“ (بخاری)

ہونے کے عیب سے پاک ہیں) اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

”کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرا ملاں بنده بنار تھا، تم نے اس کی عیادت نہ کی، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم اگر اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے؟ آدم کے بیٹے! میں نے تم سے کھانا مانگا، تم نے مجھے نہیں کھلایا؟“

بنده عرض کرے گا۔

”کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ میرے قلائ بندے نے تم سے کھانا مانگا تھا، تم نے اس کو کھانا نہیں کھلایا، کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ تم اگر اس کو کھانا کھلاتے تو تم اس کا ثواب میرے پاس پاتے؟ آدم کے بیٹے! میں نے تم سے پانی مانگا، تم نے مجھے پانی نہیں پلایا۔“

بنده عرض کرے گا۔

”اے میرے رب! میں آپ کو کیسے پانی پلاتا، آپ تو رب العالمین ہیں؟“

اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

بنده عرض کرے گا۔

”اے میرے رب! میں آپ کو پانی پلاتے تو تم اس کا ثواب میرے پاس پاتے۔“ (مسلم)

اسلام اور ایمان کیا ہے

بنده عرض کرے گا۔

”اے میرے رب! میں ایک شخص آیا اور بولا۔

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایمان کیا ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”ایمان یہ ہے کہ تم یقین کرے دل سے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس سے ملنے پر اور اس کے پیغمبروں پر اور یقین کرے قیامت میں زندہ ہونے پر۔“

بنده عرض کرے گا۔

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اسلام کیا ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

فرض ہے اور روزے رکھے رمضان کے۔“

بنده عرض کرے گا۔

”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! احسان کے کئے کئے ہیں؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”تو عبادت کرے اللہ کی جیسے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اس کو نہیں دیکھتا (یعنی توجہ کا یہ درجہ نہ ہو سکے) تو اتنا تو ہو کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔“

بنده عرض کرے گا۔

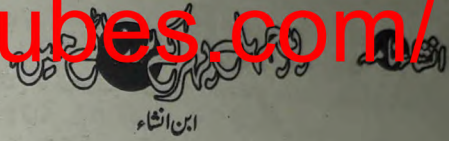
”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قیامت کب ہوگی؟“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”جس سے پوچھتے ہو قیامت کو، وہ پوچھنے والے سے زیادہ جانتا، لیکن اس کی نشانیاں میں

تجھ سے بیان کرتا ہوں کہ جب لونڈی اپنے مالک کو بنے تو یہ قیامت کی نشانی ہے اور جب ننگے بدن، ننگے پاؤں پھرنے والے لوگ سردار بنیں تو یہ بھی قیامت کی نشانی ہے اور جب بکریاں یا بھیڑیں چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنائیں تو یہ بھی قیامت کی نشانی ہے، قیامت ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کو کوئی نہیں جانتا سوا اللہ تعالیٰ کے۔“

☆☆☆



پانی بھتا تم ہمارے جان سکیں گے؟
کیسے مانیں تم کو ہمارے
جی لینے کی مر لینے کی
خوشی ہوئی، افسوس ہوا ہے
تم کیا جانو
کس کے ہاتھ کا تکیہ
کس کے گرم انگٹوں سے بیگ رہا ہے
کھلے درپچے کی جالی سے چٹنی آنکھوں
اک لمحے کو کوندے میں تم
کن کن اجنبی چیزوں کو پہچان سکو گی
جیون کھیل میں ہمارے لوگو
بچھڑے لوگو! پیارے لوگو!
برکھا کی لمبی راتوں میں
کمرے کی خاموش فضا میں
پچھلے پہر کے سناٹے میں
روتے روتے جاگنے والے
ہم لوگوں کو سولینے دو
اور سویرا ہو لینے دو

ماضی کی ڈیوڑھی کی چلن
کھلے درپچے کی جالی سے
چمن چمن آئیں
روپ کی جوت، حنا کی لالی، گل کی یادیں

سونہری خوشبو، ٹھنڈی بوندیں
گل کے باہی آنسو جن سے
خودا کے بالیں کا پردا بھیگ رہا ہے
کمزورہ مجبوس حسینہ

سینوں کے شیلاٹ کی رانی
سینوں میں حسن شکستہ دیکھ رہی ہے
کتنے پہرے ٹوٹے ٹوٹے
بچانے آن پہچانے سے
آگے پیچھے آگے پیچھے بھاگ رہے ہیں
قلعے کے آسیب کی صورت
لمسی کی سسکی، کس کا نالہ
کمرے کی خاموش فضا میں در آیا ہے

بچھڑے لوگو! پیارے لوگو!

کس کے رخساروں کی لرزش دیکھ رہا ہوں
کس کی زلفوں کی کشتوں سے کھیل رہا ہوں
چپکے چپکے لینے لینے سوچ رہا ہوں
پچھلے پہر کا سناٹا ہے
کس کی سسکی، کس کا نالہ
کمرے کی خاموش فضا میں در آیا ہے

گھنے درختوں میں پروا کی سیٹی گونجی
دودکشوں میں قیدی رو میں جج رہی ہیں
کونوں میں دبکے ہوئے جھینگر چلاتے ہیں
مخراہوں سے بھوتوں کے سر ٹکراتے ہیں
قلعے کے اک برجن کے اندر
ایک پری (شیلاٹ کی رانی)

خندق کے ان دیکھے پانی کی گہرائی
اندیشے کے بالشتوں سے ماپ رہی ہے

پچھلے پہر کے سناٹے میں
کس کی سسکی، کس کا نالہ
کمرے کی خاموش فضا میں در آیا ہے
زور ہوا کا ٹوٹ چکا ہے
کھلے درپچے کی جالی سے
نغمی نغمی بوندیں چمن کر
سب کرون میں پھیل گئی ہیں
اور مرے انگٹوں سے
ان کے ہاتھ کا تکیہ بیگ گیا ہے
کتنی ظالم
کتنی کمری تاریک ہے
کھلا درپچہ قہر قہر کانپ رہا ہے
بیکسی مٹی سونہری خوشبو چھوڑ رہی ہے
اودے ہاول

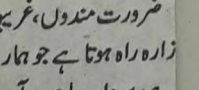
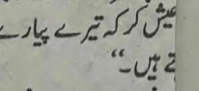
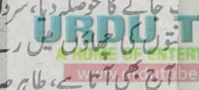
کالے انبر کی جھیلیوں میں ڈوب گئے ہیں

زندگی ایک خوبصورت احساس ہے اور اس کا انعام ایک صحیح حقیقت ہے جسے انسان کا دل تسلیم نہیں کر پاتا، کہ اپنوں سے جدا ہی بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔

موت زندگی کی ایسی حقیقت ہے جس سے نہ فرار حاصل کیا جاسکے اور نہ ہی انکار ممکن ہے، ہم جو ماضی کر گئیں وقت کا کوئی لمحہ جو گزر جائے، پلٹنا نہیں ہے بس کچھ یادوں کا خزانہ ہمارے دامن میں ڈال کر وقت آگے بڑھتا جاتا ہے، یادیں ان غموں اور خوشیوں کی، جن سے ہم گزرتے ہیں، ان محبت کرنے والے لوگوں کی جو ہم سے چھڑ جاتے ہیں، دوبارہ بھی نہ ملنے کے لئے، مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی شخصیت سے کئی لوگوں کی امیدوں کے چراغ جلنے ہیں جو دوسروں کی تکلیف، دکھ درد میں غیر محسوس انداز میں ان کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کی زندگی صرف ان سالوں پر محیط نہیں ہوتی، جب تک وہ دنیا میں سانس لیتے ہیں، بلکہ اس کا سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ان کے روشن کیے چراغ جلا بخشنے رہیں گے۔ دینی رفعتی ہیں، ہمارے دل کا ایک مخصوص کونہ ہوتا ہے جہاں ایسی ہستیاں بڑی شان سے براجمان رہتی ہیں زندگی کی راہ گزر پر مسافر آتے جاتے رہتے ہیں، کہ یہاں مستقل ٹھکانہ نہ ممکن ہی نہیں، لیکن بہت کم خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں جو زندگی کو ہر پورا انداز میں جیتے ہیں اور امر ہو

ایسی اہتمام کے ساتھ وہ کونہ ٹاول کے لیے جس ہے اگر کسی کی ضرورت نہیں ہے تو اسے اپنی یاد سے وابستہ رہنے کا ایک بہانہ ہے، بظاہر صاحب کبھی غیر ارادی طور پر اس سے مصافحہ کرتے ہیں تو ایک پل کو آپ کی یاد ان دل کو ضرور مہکائی ہوگی، آج بھی بہت سے بچے جو آپ کے پاس آتے تھے یا کسی نہ کسی طرح آپ کے رابطے میں تھے، وہ جب آتے تو آپ کا ذکر انتہائی محبت و عقیدت سے کرتے ہیں۔

تاریخ کو سردار صاحب کو ہم کے پیچھے غنیمت برسر بیت جائیں گے وہیں تھے اس عشق جتنی کے لئے چند الفاظ لکھنے کے لئے بھی میں برس کا عرصہ لگا جب بھی قلم اٹھا اسی لفظ ہم جانتے ہیں کبھی احساسات ساتھ نہ دے پاتے، ہوتا ہے کہ کبھی بھی ایسا کہ کوئی ایسی شخصیت جس کا ہم دل سے عزت و احترام کرتے ہیں ان کے لئے لفظ ”ہے“ سے ”تھا“ لکھنے کا سفر، بڑا ذرا ناک ہوتا ہے، اگرچہ سردار صاحب آج اس دنیا میں نہیں ہیں مگر روحانی طور پر وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ سردار صاحب ہم آپ کو کبھی نہیں بھولے، کبھی بھی، اور نہ بھولیں گے، آج بھی ان میں داخل ہوتے وقت سب سے پہلی نظر اس جگہ پڑتی ہے جہاں آپ بیٹھے تھے، آج بھی بہت سی ایسی چیزیں آپ کے روم میں پڑی ہیں جو آپ کے استعمال میں تھیں اور بظاہر آپ ان کی ضرورت نہیں رہی، لیکن سر طاہر صاحب نے ان کو بڑی محبت سے سنجال کر رکھا ہوا ہے، یہ کہتے ہوئے کہ ان کی ضرورت ہے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ ان چیزوں میں آپ کی یاد بڑی ہے، آپ کے آفس کا وہ ایک مخصوص کونہ جہاں ایک ٹاول ہمیشہ صاف ستھری حالت میں لٹکا رہتا تھا، آج



سے جانتے تھے، ہمیشہ سی باتیں ہمیں آپ کے جاننے سے پہلے ہی سمجھ جاتی تھیں۔ ایک مرتبہ چند ماہ پہلے آیا ہے، جب بہار ہو سو خوش کن نظارے دکھائی ہے، لیکن 2016ء کا اپریل ہمارے لئے تو خزاں کا مہینہ ہی ثابت ہوا اور آپ 12 اپریل کو ابدی سفر پر روانہ ہو گئے۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی تسلیم بھائی آپ کی برسی والے دن قرآن خوانی کا اہتمام کریں گی، آپ کی پسند کے کھانے بنا کر نیاز دلائیں گی، آپ کے سب بچے اکٹھے ہوں گے غم آنکھوں اور اداس مسکراہٹ کے ساتھ آپ کا ذکر کریں گے جہاں آپ کی بیٹی ربیعہ شہزاد اور عاصمہ راشد میں ہمیشہ کی طرح یہ ٹوک جھوٹک چلے گی کہ ”ابو مجھ سے زیادہ پیار کرتے ہیں، ہمیں ابو مجھ سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔“

اور میرا دل ایسے میں شدت سے یہ چاہتا ہے کہ میں ان سے کہوں کہ نہیں سردار صاحب سب سے زیادہ اپنے بچوں میں طاہر صاحب سے پیار کرتے تھے، اور یہ بات سردار صاحب کے ساتھ بارہ سال کام کر کے میں نے جانی ہے۔ سردار صاحب ہم آپ کو کبھی نہیں بھولیں گے آپ ہمیشہ ہماری باتوں میں، ہماری یادوں میں زندہ رہیں گے اور کہتے ہیں نہ جب تک اولاد زندہ رہے والدین زندہ رہتے ہیں، آپ اور آپ بھی زندہ ہیں محبت و عقیدت کی صورت ہمارے دلوں میں زندہ ہیں اور رہیں گے مجھے یقین ہے آپ جنت الفردوس میں بہت اعلیٰ مقام پر بہت خوش و خرم ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی کزوروں رحمتیں نازل کرے اور روز قیامت اپنے پیارے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب کرے، آمین یا رب العالمین۔☆☆☆

ضرورت مندوں، غریبوں کی دعائیں ایک زاہد راہ ہوتا ہے جو ہمارے آخرت میں کام ہے، سردار صاحب آپ یہ راز بہت اچھے

چورتالیوں قسط کا خلاصہ

قدر بالا خیر کے بجائے جال میں جا پھنسی ہے، مگر حمدان قدر کو علی شیری کی سازش کا نشانہ بنے دیتا، اس گراؤ اور تصادم میں علی شیر حمدان کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، قدر اس شاک و خفقان سے تھکتی ہے۔

قدر حمدان کے رویے کی تاب نہ لاتے ہوئے مایوسی کا شکار ہے اور بائیس کے انی ملانے کی گزارش کرتی ہے جو سلیمان قبول کر لیتے ہیں۔

ماں کا سامنا قدر کو مزید دکھ مزید ذہنی انتشار میں مبتلا کر ڈالتا ہے۔

قدر ماں کے منہ سے اپنے بھائی ایزد کی موت کی خبر سن کر ملال اور یاس کی کھلی میں مبتلا ہے۔

یہ خبر سلیمان کو بھی شاک میں ڈال دیتی ہے، خولہ، قدر کو خود اپنی کہانی سناتی ہے۔

اس کا خیال ہے اس جدائی کا باعث صرف وہ اکیلی نہیں اس کا ذمہ دار سلیمان خان کی ہے۔

پینتالیسویں قسط

URDU TUBE

ابجد



تھا، سلیمان مجھے نظری الغور بھیج گیا۔

ہوئی۔ ”گڈ مارنگ۔“ سلیمان نے مارے بندھے انداز میں جواب دیا۔

”مجھے بالکل بھی خطرہ تھا کہ تم مجھ ہی بھاگو گے بنا اطلاع کیے، جیسی ادھر پہرہ دارے رہی تھی۔“

وہ بڑے فخر سے بتا رہی تھی اپنا کارنامہ، سلیمان کو تپ سی چڑھ گئی۔

”مگر کیوں دے رہی تھی؟“ وہ جتنا چڑا اتنی ہی تڑپ سے سوال کیا۔

”اس لئے کہ تم مجھے بہت اچھے لگے، اس لئے بھی کہ میں تمہیں کھانا نہیں چاہتی۔“ سلیمان کے چہرے پر غلٹن پڑ گئیں، ناگواری کی بہت واضح نشانیں۔

”مجھے بے باک لڑکیاں بھی پسند نہیں آسکتی ہیں۔“

جیسے یہ سادگی

پتلی لگا ہیں

بات میں نرمی

مخاطب کو نکر سکتا ہے

تجھ کو لفظ قائل سے

اس کے ہونٹوں پہ مسکان تھی، اک انوکھا نرم تھا، وہ اس کے سامنے چمکتی ڈال جیسی گھڑی تھی۔

”مجھ سے شادی کرو گے صاحب؟“ سلیمان کے آگے بڑھتے قدم ٹھک گئے۔

”کیا تم ہر راہ چلے کوا لیے ہی شادی کا پیغام دیتی ہو؟“ عادت کے خلاف وہ چونک کر رہ گیا تھا۔

کھراٹن کارنگ بدل گیا، یہ طعنہ نہ بھی تھا، انوکھا بھی، اس نے تو بھی سنا ہی نہ تھا، غلطی کی اس کی تھی، اس کا تو ماحول ہی جیسی تھا، گجری جیسی تھا، سلیمان سمجھتا بھی تھا پھر بھی جانے کیوں خار کاٹھا تھا۔

”نہیں..... لیکن تم الگ ہو، مجھے پسند آئے ہو۔“ وہ روپا نہی ہو گئی، زندگی میں پہلی بار روپا نہی ہو گئی، اجنبی نوجوان کیا جانتا اس کا ٹھاٹ کیا تھا، اس نے تو یہی اس کا رنگ دیکھا تھا، جہاں وہ بے

رنگی ہو کر بیٹھتی تھی، اب کے اس مغرور نے جواب بھی نہیں دیا، چلا گیا، وہ کچھ اور بے رنگ ہو گیا، وہ کچھ اور بے بس ہو گئی، شاید ہمیشہ کو۔

☆☆☆

محبت میں جنہیں

سرکار کہتے ہیں وگرنہ ہم

لگا ہیں ڈال دیں جس پر

وہی سرکار ہو جائے

لگا ہیں چار کر کے وہ لگا ہیں جھکانا بھول گئی تھی، اب بحر سیاہ میں نیند خانہ بدوش بنی خواب چشم کو اکھاڑ بیٹھنے پر کمر بستہ رہتی، تم یہ کہہ دو بارہ اسے نظر بھی نہیں آیا تھا، ظلم یہ کہ اسے خود سے سوا

”بکھی اس طرح کے معاملوں میں دلچسپی نہیں لی۔“ وہ سنگدل ہر طرح سے مایوس کرتا تھا۔

سجائے ادھر سے گزرا تو انہیں کھلی دعوت دی، کیتی آس مندانہ نظروں سے یار کو دیکھنے لگی۔
 ”کھائیں پلیز۔“

”میں یہ شام کبھی نہیں بھلاؤں گی۔“ اس کی الوداعی منکان ماتم کناں سی تھی، وہ کچھ نہ بولا۔

”چلو ہوں، گڈ بائے۔“

”اگر میں مسلم ہو جاؤں، تو دوبارہ ملنا پسند کرو گے؟“

☆☆☆

پھر وہ حلا گیا، اس کی کوئی بھی فریاد نہ بغیر حلا گیا، وکٹورین طرز کے

ماہنامہ **منار** 27 اپریل 2019

[illegible]

”لیس، آف کورس۔“ اس نے پیار کو دیکھا تو نگاہ میں التجا در آئی، چند لمحوں کی ہرس کی اجلاہ کی۔

بہارِ پاکستان کے لیے

مکہ مکرمہ کے لئے روانہ ہوئے۔

اس کا لہجہ داندازِ قطیعت بھرا تھا، لیکن حد سے زیا

”میں دوبارہ آپ سے مل سکتی ہوں؟“

”مشکل ہے۔“

اب کے انداز رکھائی آمیز تھا، کیتھی کو جب لگ گئے، ان کا گنڈا اگر

کراک چھوٹی سی نہر میں داخل ہو گیا، حالانکہ مکمل طور پر کھجور کے گڑ والے کئی مہوڑے اس کے

ہے ہر واقعہ پر ان کے مکانوں کی اطلاع کھینچ کر دیا کرتے تھے۔

تدریس کم ہو جاتی، تو قرآن و فرائض کی تعلیم بھی تھمتھوٹ ہو جاتی ہے۔

تاج محل کا محراب کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے، وہاں اپنا کنبہاں سی میں لگا کر

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو اپنی مرضی کے مطابق بنایا ہے۔

اس کے بغیر اس کے لباس میں اس کی دودھیا

ہندو لاکھ گنا، دونوں باہر آئے،

کے لیے ایسی ہی بوسہا رہے کی ضرورت تھی، سامنے کھڑا محبوب مگر مہزگار تھا،

جدا اب سامنے ڈٹ کر تن کر کھڑی تھی، کیتھ اب لچر شمر دہ رہتی جاتی تھی،

نہ جانی، ایسے جیسے ہم سے روح نکل جائے، آہ، کہ آنکھوں میں غم سے سرخ ہو

۱۰۰۰ میں صدے ۱۰۰۰

ہم پھر مل سکتے؟“ وہ پھر دیکھی، سے لے کر

وہ اس جدائی کے سہم نہ سہا سہا کہ تیرے ہنسنا نہ ہوتا تو اس کے چہرے پہ بہت

کچھ سنادوں پر لکھتا ہے: "اس کی آواز کے ساتھ تھوڑے سے آگے بڑھ کر دیکھیں تو یہی ہے۔"

یہ کتاب اور اس کی کاپی

میں نے اس کی وجہ سے مضطرب تھے، جگہ جگہ اس کو ہمراہ لئے پھرتے، کبھی ڈاکٹر کے پاس کبھی کسی
سائنس دان کے پاس، اس روز بھی وہ ان کے ہمراہ ہی ڈاکٹر کے کلینک سے نکل رہی تھی کہ یار کی
ماتوں کا آواز نے مجھے اس کے پورے وجود کو دھڑکن بنا دیا، خوشی و انبساط اور بے قراری کے ساتھ
میں نے منہ کر دیکھا، وہ وہی تھا، سو فیصد دل کا کلین ہی تھا، اپنی شہزادوں والی آن بان شان کے
ساتھ ساتھ اس کے علاوہ سب بھول گئی، باگلوں کی طرح دوڑتی اس کے رو برو جا کھڑی ہوئی۔
”آپ کہاں چلے گئے تھے صاحب؟“ وہ رو کر ہنسی اور ہنستے ہوئے رونے لگ جاتی،
سلیمان خان کے اعصاب کو دھچکا لگا، یہ سچ تھا وہ اسے فی الفور نہیں پہچان سکا تھا، محبت کسی کا ایسے
بھی بیزار غرق کر سکتی ہے یہ وہ اپنی آنکھوں سے پہلے یاد رکھ رہا تھا۔

ہماری جان لو گے کیا.....؟

”یہ کیا انداز مخاطب ہے، اک دو نکلے کا شیٹن، تم اسے صاحب پکارو گی؟“ اس کی سرزنش پر
جمال نے حرائق نے کان دھرا ہو۔
”میں نے آپ سے پوچھا ڈیڈ کہ آپ نے صاحب سے کیا کہا تھا؟ کیا کہا تھا ایسا کہ وہ مجھے
خو کر مار کر چلے گئے۔“
”کتھنی.....؟“

ڈیڈ کو اس کے اپنے لئے فحش کیے گئے الفاظ ذرا نہ بھائے تو چلائے، انداز برہم تھا۔
”آر یو میڈ.....؟ کبھی بیکلی بیکلی باتیں کرتی ہو۔“ ان کا اشتعال بڑھنے لگا۔
”آپ کو کیا خبر ڈیڈ، وہ شخص کیا تھا اور میرے لئے کیا تھا، آپ نے میرا کیا نقصان کر ڈالا،
میں آپ کو کیسے بتاؤں۔“ وہ ہلکنے لگی تھی۔

”تمیں وہ شادی نہ کر چکا ہو، اس خیال سے وہ روئے لگتی، اس خیال نے اس پر بولا تھا کہ یہ
خیال بھی اس کے ذمہ کاری کا باعث تھا کہ وہ یار کو یاد نہیں تھی، اس یقین نے اسے اتنا نرم خود کو
کہ اندھیری راتوں میں اسے دن کے جالے کی تمنا نہ رہتی۔

کھانا کھاتے وہ نوالہ منہ تک لے جاتا بھول جاتی، کئی کئی دن تک اسے کپڑے بدلنے کا خیال
نہ رہتا، وہ راتیں جاگ کر گزار دیتی، ڈیڈ اس کی حالت سے پریشان تھا، اس کی باتیں اس کے لئے
چرچا جا کر دعائیں مانگتی اور رو رہی تھی، یار کیا روٹھا اس کے لئے ہر خوشی ہر احساس روٹھ گیا، اس
کے لئے موسم خزاں ٹھہر گیا، مسکرائیں خوابیدہ رہیں، دھوپ کی قوس و قزح کا ہر رنگ بے رنگ تھا،
بھول پتے خزاں کی فرمانبرداری میں مصروف تھے، ہرگز رتا دن اس کے رہے سہے رنگ روپ کو بھی
لے اڑتا اور پھر جب وہ بالکل بے رنگ ہو گئی، بالکل مایوس ہو گئی یار بنا اطلاع اچانک پھر آن ملا
تھا۔

☆☆☆

تمہیں اک بات کہنی ہے
مگر ناراض مت ہونا

”آپ ہمیں چھوڑ کر کیوں چلے گئے صاحب؟“ آنسو اس کی سنہری آنکھوں سے پھسل پھسل
جاتے تھے، سلیمان نے جان فراسٹ کی جانب دیکھا، جو گہرا سانس بھرتے وہاں سے ہٹ گئے
تھے۔
”آپ نظر نہیں آئے تو ہماری بیٹی چلی گئی صاحب، کیا بتائیں کیا کیا نہیں گزری، اگر یہ محبت
ہے تو پھر یہ یک طرفہ کیوں ہے؟ میں ہی بے سکونی اور بے قراری کی آگ میں کیوں جلتی رہی۔“
دکھ بھرا شاکی انداز، سلیمان شرمسار تھا۔
”آپ نے ہمیں ٹھکرا دیا صاحب، حالانکہ ہم میں کوئی کمی نہ تھی، یا پھر آپ ہی ضرورت سے
زیادہ چار منگ اور شاندار تھے، آخر آپ کیوں ہیں اتنے وجہ اور خوب صورت؟ رنگت جیسے دودھ
اور ملائی ہو، آنکھیں اتنی جان لیوا کیوں ہیں؟ آواز اتنی گنیر کہ جکڑ لیتی ہے، بتائیں آپ کیوں ہیں
ایسے کہ آپ سے عشق ہو جائے؟“ کیسا بچکانہ سوال تھا، سلیمان کی خفت بڑھ گئی۔
(جاری ہے)

پہلے اس نے اندر جھانکا تو
سے فاصلے لے کر سانس کرنے لگا، اس کا چہرہ اداوی
کا نماں تھا۔ اس نے کہا کہ اس سے تھکاؤ نہیں
ہی احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

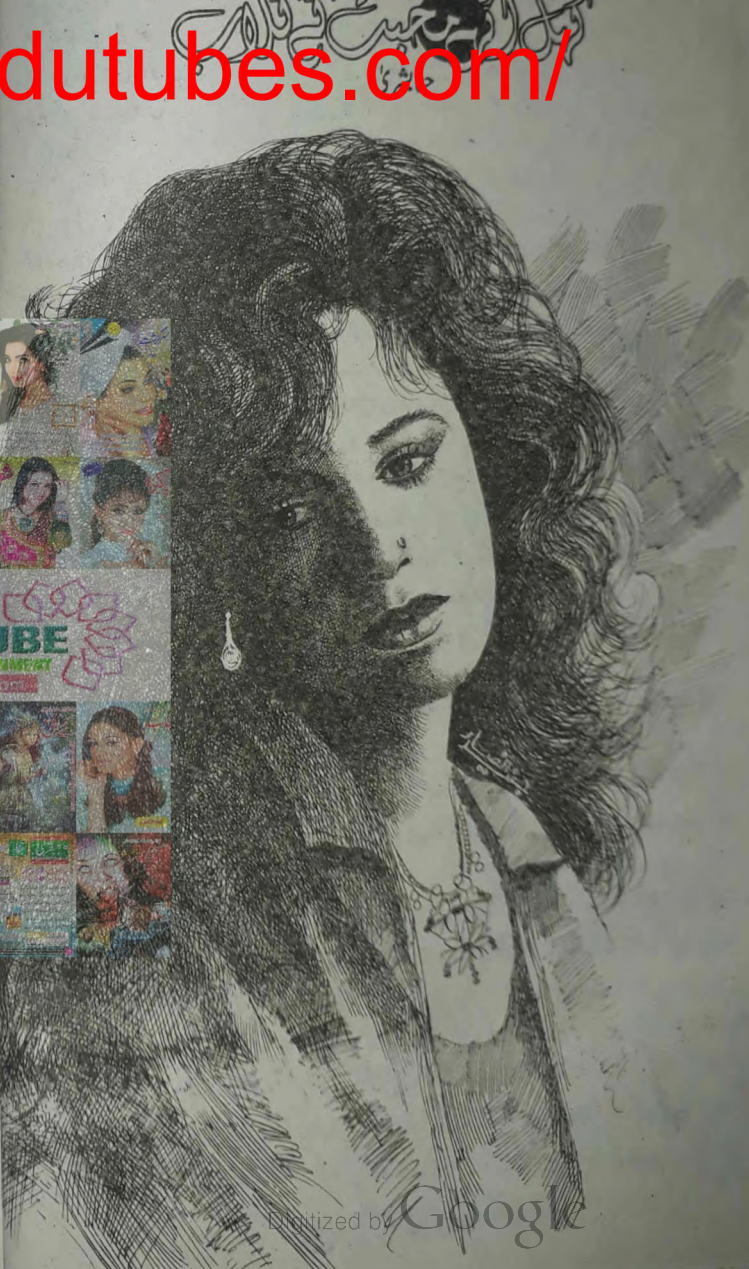
”عاطر صاحب! آپ گھر جا کر آرام کر
سکتے ہیں، مریضہ کی حالت اب خطرے سے باہر
ہے ڈاکٹروں نے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔“
نرس نے یہ نوید سنا کر اس کے مردہ جسم میں گویا نئی
روح پھونک دی تھی ورنہ وہ تو خود کو آپریشن ٹیبل
میں پڑے وجود کی طرح بے جان محسوس کرنے لگا
تھا۔

”مگر وہ ابھی تک ہوش میں کیوں نہیں
آئی؟“ فکر انتہا کو چھو رہی تھی۔

”دواؤں کا اثر ہے، صبح تک ہوش میں آ
جائیں گی۔“ نرس کی تسلی نے اس کی رگوں میں
دوڑنے والے خون کی گردش کو تیز کیا تو دل کی دھڑکنیں

پھوٹنے سے ششے سے اس نے اندر جھانکا تو
خاموشی کی سیل چادر اس کی آنکھوں
کے سامنے تھا، غم صدمہ مگر یہ سفید چادر پیرے کو
ڈھاننے نہیں تھی، چہرے پر لگا آئینہ ماسک
علامت تھی کہ زندگی ابھی باقی ہے، سانس ابھی
چل رہی ہیں، موت کے ظالم پنجے سے زندگی بچ
نکلی ہے، دل کے گنبد سے خاموشی سے گلہ شکر بلند
ہوا تو دیکھنے والے نے آنکھوں کو بے اختیار بند
کر کے گہرا سانس خارج کیا، سفید موتی جیسا پانی
گلے سے ٹپکنے لگا، پتہ نہ تھا کہ اس سے گر پڑا تو وہ
خیر سے دیکھا رہے یا یہ صرف شکر کی وجہ سے
نکلا تھا یا پھر... ابھی وہ مزید کچھ سوچتا کہ عقب
سے ہوائی آواز نے اس کا نام پکارا۔

”عاطر صاحب! لباس نے فائل پر آپ کے
خط چاہیے، آؤ سو کو تیزی سے اٹھوٹھے سے



URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

مکمل ناول



ہسپتال سے باہر آ گیا، باہر کا کیا گہما گہما رات میں دن کا سماں تھا۔ رات گیارہ بج رہی تھی، سڑکوں کی چٹائی پہلے غیر متعلقہ سیٹھوں کی تھوڑا ہوا۔

عید، شبِ بارات، یا پھر کوئی خاص دن وہ سوچے گیا، فضا میں خنکی بڑھنے لگی تو اس نے دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈال لئے اس کا گھر جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا تھا، دھیان کا پیچھی تو بے اختیار پیچھے تو ذکر بار بار ہسپتال کے اس روم کے گرد مضطرب سا پھڑ پھڑانے لگتا تھا جہاں وہ وجود خاموشی کی چادر اوڑھے دنیا و مافیہ سے بیگانہ حالت بے ہوشی میں تھا جوں جوں رات گہری ہونے لگی ٹھنڈ بھی بڑھنے لگی تھی، وہ ساری رات یونہی تو نہیں گزار سکتا تھا، دل دو کیفیتوں میں گھرا ہوا تھا، ابھی اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ قریب سے ایک چھوٹے بچے کی آواز ابھری۔

”صاحب! پھول لے لیں۔“ اس کے ہاتھ میں سرخ گلابوں کا گلدستہ تھا۔
”پھول.....!“ عاطر مسکراتے ہوئے بڑبڑایا۔

”یہ میرے کس کام کے۔“ سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے وہ دوبارہ سے قدم بڑھانے لگا۔
”صاحب لے لو نا، کسی بڑی دکان سے بھی تو لو گے نا، تو مجھ سے ہی لے لو..... مجھ غریب کی مدد بھی ہو جائے گی۔“ اس التجا میں بے شمار تھکاؤ تھیں اس کے قدم بے اختیار رک سے گئے۔

”ارے بھئی کیوں پیچھے پڑ گئے ہو، آخر میں کس کے لئے پھول خریدو! رات کے اس پہرے کس کے لئے پھول دوں گا۔“ بچے کا اصرار اب اسے

پہلے سے اس کا دل میں قہار سے پھول خریدیں۔“ بچے کا انداز خاص تھا۔

”محبت!“ عاطر کے دل میں قہار سے پھڑ پھڑانے لگا اور پیچھے کی سڑکوں سے سرنگرانے لگا، دل کی دھڑکنیں بے قابو ہونے لگیں، انھیں بڑھنے کی بجائے دل کے سمندر میں ٹوٹاں پر مارنے لگا۔
”آپ بچوں کا دل نہیں سمجھتے۔“ اس بچے نے زوردار پتھر مار کر کہا۔ اتنے زور کا طوفان اٹھا کہ بالکل موجیں عاطر کو بھی اپنے ساتھ ہارنے کے درپے ہو گئیں، جیسوں سے ہاتھ بے قراری سے ملنے لگا، آنکھوں کی سی ابھرنے لگی۔

”محبت!“
سرخ پھولوں سے جی و کانٹا، غبارے، دکانوں اور سڑکوں پر گہما گہما ذہن کے پردے پر محبت کا سحر اگیز حسن اور دو زبانہ وار ٹول کرنے لگا، اسے یاد آیا کہ بچوں کا دل 14 فروری جسے وہ پریشانی میں بالکل گیا تھا، اسے رات کے وقت یہ چہل چل روتی کچھ عجیب لگ رہی تھی، اس کے پیچھے تھی۔

”لے لو نا صاحب!“ بچے نے مزید کہا تو عاطر نے والٹ سے پیسے نکال کر تمھارے اور سرخ گلابوں کا وہ تازہ خباہ

وہ اس کی زندگی میں ایسے ۱۰۰ حادثہ رونما کر دے گا، محبت سکرانے ہوئے اس کے چودہ طبق روشن کر دے گی۔

اسے محبت تو ایسی کیوں ہے

بکھی بکھی کبھی شبنمی سب کو کھال کرے تیری ہنسی تیرے رخ پہ غارِ رشک کا تیرے اندر نور ہے کروں سا تیرا رنگ ہے رنگیں دھانی سا تجھے اوڑھ لے کوئی مجھ جیسا تو ہر جانی وہ بھی تجھ جیسا

تیرا روپ ہے سندر پر یوں سا تیرے اندر حل تھل ندیوں سا۔ تیری بولی بولی کوئل سی تو چاہے چلتی جھرنوں سی تو دور کہیں سے آتی ہے۔ اور آتے ہی چھا جاتی ہے

تیرا رہن بسیرا پر بت پر تیرا جلوہ ہر اک انگ انگ پر تو ہر اک آنکھ میں دیکھتی ہے تو ہر اک دل میں چھاتی ہے تو ہر اک روح کو دیکھتی ہے اور اندر تک چھو لیتی ہے تیری ہیبت سب سے جدا جدا کوئی کیا جانے تو کیسی ہے؟

☆☆☆

”کون ہو لڑکی!“ طوفانی بارش اور بجلی کے شور میں اس نے متعدد بار مین گیٹ پہ دستک سی تو وہ نظر انداز نہ کر پایا، اس طوفانی بارش میں کوئی ذی روح تو گھر سے نکل نہیں سکتا تھا اور پھرتی جان یوا محض کہ بستر سے نکلنے ہوئے خوف کی لہر ریڑھ کی ہڈی میں سنناٹا پیدا کرنے لگی تھی،

بکے تمام لڑا اسے غم سا کہنے کوئے غم ہاتھ کے ایک سائینڈ پر پڑے بیچ پر دم سا بیٹھ گیا، سرخ گلابوں کی تھوڑی کن مہک اسے اپنے حصار میں لینے لگی تھی، کچھ دیر پہلے موسم کی خنکی اور اداسی اسے جمد کرنے کے درپے تھی اب محبت کے احساس کی پیش اس کے وجود کو گرمانے لگی، اسے لگنے لگا تھا کہ اس کے ارد گرد ان پھولوں کے سوا کچھ نہیں ہے، ان کی بھینی بھینی خوشبو محبت کا طعم دھار رہی تھی، وہ محبت جس کو اس نے زندگی میں پہلی بار محبت نہیں دی تھی، اس کے مطابق تو باقی جلدیوں کی طرح محبت بھی ایک عام سا جذبہ تھا، وہ حیران ہوتا تھا کہ اس میں ایسا کیا خاص ہے جن کے لئے لوگ یوں ہلکان ہوتے ہیں، یہ فرما دیتے ہیں، زہر مریا جاتا ہے، نفی کاٹ لی جاتی ہیں، زہر مریا لیاں کھا کر اپنی جان اپنے ہاتھوں ہی لے لی جاتی ہے، اسے ہی آتی تھی، سب تاشا لگتا تھا۔

Just wasting a thee time
URDU TUBE
thee time

محبت کا نام تھا محبت اس کی نظر میں۔
”نہ آج زندگی سن ہوڑ پر کھڑی ہوئی تھی، آج محبت نے اس سے سب اگلے پچھلے بدلے لئے تھے، اپنی شان میں گستاخی پر اسے محبت نے محبت کی سزا دے ڈالی تھی، اسے زندان محبت میں قید کر دیا گیا تھا، وہ پھرائی ہوئی آنکھوں سے ان گلابوں کو دیکھتا ہوا رہا تھا، دماغ میں کچھ یادوں کے درتے ہوئے ہوئے دھیرے دھیرے کھلنے لگے تھے، سرد برقانی بھیگی ہوئی رات اس کے خیالوں کو پھل پھل کرنے لگی تھی، رعد کی کڑک کانوں کے پردے پھاڑنے لگی تو پھل کا طوفان سراٹھانے لگا، ایسی ہی تورات تھی جب وہ اس کی زندگی میں آئی تھی، پہلی بار جب وہ دونوں ملے تھے، اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ نیا

کرنا، اس کی خواہش یہ تھی کہ بچی جلد از جلد ہوش میں آجائے تاکہ اس کے بارے میں معلوم کر سکے۔ وہ بولنے لگا کہ خیر دھرم دھرم بھیک رہی تھی، آخر اس کے والدین کہاں تھے۔

آخر عاطر کی کوششیں رنگ لائیں پورے چار دن کے بعد وہ بچی مکمل ہوش میں آگئی، ڈری سبھی نجیف و زار سی بچی اس ابلیسی ماحول میں خود کو غیر محفوظ سمجھ کر رہی تھی، عاطر اور بوا اس کے کچھ بھی پوچھتے، تو وہ خاموش رہتی یا پھر رونے لگ جاتی اور بوا اس کے رونے پر سخت باہو جاتی۔

”ایک تو اس منحوس نے رو رو کر گھر میں نحوست ڈال دی ہے۔“ بوا کو اس پر ذرا رحم نہ آتا، گھر میں تو اس کو جگہ دے ہی دی تھی مگر دل کے دروازے بوائے سختی سے بند کر رکھے تھے، وہ اس بچی کے ساتھ کسی مہربانی کے موڈ میں نہ تھیں، وہ آتے جاتے بچی کو جھڑپتی تو بچی زار و قطار رونے لگتی، عاطر مضطرب و بے چین سا ہو جاتا۔

”بوا..... کیا ہو جاتا ہے آپ کو..... بچی ہے اور بچوں سے ذرا نرمی سے بات کی جانی ہے۔“

”عاطر بیٹا! یہ نرمی اور بھلائی کے سبق مجھے نہ پڑھاؤ، میری آنٹھ اولادیں نہیں مگر دیکھ لو اس سے بھی میری نہیں بنی، بس چھوڑ دیا انہیں، تنہا زندگی بسر کروں گی مگر ان کے بیکار کے نازخروے اور جو نچلے برداشت نہیں ہوئے، اپنی اولاد کے لئے کوئی اتنا بامعنی اصول رہا ہو تو پھر یہ چھو کر ی۔“ بچی کو نحوست سے گھورتے ہوئے بوائے دل کی کیفیت اور جذبات کا برملا اظہار کیا تو وہ بچی بوا کی مولی مولی آنکھوں کو دیکھ کر سہم سی گئی۔

☆☆☆

بوا عاطر کی دور پرے کی رشتے دار تھیں، ان کے آٹھ بچے تھے سب جوان جہان اور اپنے گھر

نہ پاس تو جسے کا اظہار کرتے ہوئے ظالمانہ مشورہ دے ڈالا۔

”بوا! آپ کی باتیں کرنا نہیں چاہیے یہ بولی جاو رہی ہیں ہے بس کو میں باہر پھینک آؤں، جیسی جاگتی انسان ہے بے چاری مصیبت کی ماری نا جانے کیسے یہاں تک آگئی ہے، انسانیت بھی کوئی چیز ہوتی ہے، میں کیسے اسے بے یار و مددگار چھوڑ دوں۔“ عاطر پشیمان کر رہ گیا۔

اسے اس بیماری بچی سے ہمدردی ہونے لگی تھی، اس کی معصوم صورت نے دل میں نرمی کو ڈھکیا تھا اور کچھ عاطر کو بزرگوں کے سکھائے ہوئے سبق یاد آئے تو اسے بوا کی بات انتہائی نامعقول لگی، وہ اسے گدی میں اٹھائے اندر لے آیا تھا اس کے پیچھے بوا بھی بڑبڑاتی ہوئی آئیں۔

☆☆☆

بارش میں بیٹھنے کی وجہ سے وہ تینوں ہی بیمار ہو گئے، چھینٹوں نے بوا کو ادھ موا کر کے رکھ دیا، ٹوٹی پھوٹی بڑبڑوں اور کپکپاتے وجود کے ساتھ وہ گھر کے کونے کونے میں گھومنے لگے تاکہ اس بچی کے حوالے سے بھڑاس نکالنا نہ

پڑے۔ بچہ نہیں کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے کون اپنی مصیبت ہمارے سر پر لگ گیا ہے آگے اس عمر میں اپنا کام نہیں ہوتا اب اس مہربانی نے آکر ایک نیا بابا ڈال دیا ہے۔“

بوا تو عاطر بھی تھا مگر جوان جہان ہونے کی وجہ سے وہ ہمت دکھانے پر مجبور تھا، وہ پریشان اس اجنبی بچی کی وجہ سے تھا جو مکمل بے ہوش تھی، اس کی دلی حالت بوا جیسی نہیں تھی بوا کو اس بچی کا وجود نرمی مصیبت لگ رہا تھا، عاطر دن رات اس کی تیمارداری پر مامور تھا، راتوں کو اٹھ کر میسوں

لگی جہاں ”ایک مشکوک بچی“ تاگہانی آفت بن گئی تھی، اس نے اپنے اندر ایسی بلیوں کی عمارتیں بنائیں جن میں جھوٹی دس سالہ بچی کو دیکھ کر بوا کی آنکھیں پھیل کر کانوں کی کوڑوں تک جا پہنچی۔

”بوا مجھے کیا پتہ کہ کون ہے؟“ پریشانی نے عاطر کے اعصاب کی ریت کی طرح پوچھل کر دیئے تھے، انجان بچی کا وجود اس پوچھل پن کو مزید بڑھا رہا تھا۔

”عاطر بیٹا، یہ کوئی بھوت یا جھڑپ نہیں جو رات کے وقت بچی کا روپ دھار کر ان کی بچی پرانے وقتوں اور پرانے خیالات کی بوا نے اپنی عقل و فہم کے مطابق نہایت بھونٹا اندازہ لگایا۔

”عجیب باتیں کرتی ہیں بوا، اگر یہ بولی ہے تو یہاں کیا بے ہوش ہونے کے لئے آئی، اس چڑیل تو بے ہوش کرنے کی ماہر ہوتی ہیں، اس مشکل گھڑی کے وقت بوا کی بے وقت مداخلت اس تپاگی تو چڑچڑاہٹ کا اظہار کیے بغیر نہ ہو سکتی۔“

”بوا! مجھے بتائیں میں اس کا کیا کروں، آپ عجیب باتیں کرنے لگ گئی ہیں۔“ عاطر کا انداز مشورہ طلب تھا۔

اپنے مونے عدسوں والی ٹھیک کو درست کرتی ہوئی شہادت کی انگلی ہونٹوں پر رکھتے ہوئے بوائے کسی ماہر گیانی کی طرح بچی کا جائزہ لیا۔

”بیٹا! میری بات مانو تو اس مصیبت کو باہر پھینک آؤ، پتہ نہیں کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے کون اس طوفانی رات کو اپنی مصیبت ہمارے سر منڈھ گیا ہے۔“ بچی نے اپنے ساتھ ساتھ عاطر اور بوا کو بھی رات کے اس پہر بارش میں نہلا ڈالا

دھیر دھیر کسی رات میں وہ سب کا حال بدل گیا۔ بوا کو کون ہو؟ عاطر کو؟ سب کو؟

پھر ایک انجان بچی کی موجودگی سے پریشان ہو گیا تھا۔

وہ اس کے بارے میں جاننا چاہتا تھا مگر بچی سردی سے مسلسل کانپ رہی تھی اور کچھ بول نہ پاتی۔

”کون ہو بھئی، کہاں سے آئی ہو؟ کیا راستہ بھول گئی ہو؟ یا پھر کسی کے ہاں مہمان آئی ہو؟“ سرخ و سفید بچی جو رنگ و روپ سے کسی پہاڑی علاقے کی لگ رہی تھی، عاطر نے ڈپٹ کر ایک ساتھ ہی کئی سوال پوچھ ڈالے مگر جواب نہادار، وہ دھان پان سی بچی ٹھنڈ کے مارے زرد پڑی جا رہی تھی، عاطر کو اس کی حالت دیکھ کر جہاں پریشانی نے گہرے میں لیا وہاں غصہ بھی آنے لگا۔

”کوئی ہو، بولتی کیوں نہیں؟“ عاطر شدت کے ساتھ دھاڑا تو اس لیے ہادلوں کی گھن گرج بھی گھر کے درہم کو دہلائی، وہ ڈری سبھی بچی خوف کے مارے بے ہوش ہو کر عاطر کے بازوؤں میں جمول گئی، اس اچانک صورتحال نے اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے تھے، ایک اجنبی بچی جو اندھیری رات میں اس کے گھر آئی اور اب یوں بے ہوش کراس کی فکر کو دو چند کر گئی۔

”بوا..... بوا! عاطر نے گلا پھاڑ کر اپنے ساتھ رہنے والی واحد کلین کو پکارا جو اس سخت سردی کے موسم میں لافوں تلے دبی سو رہی تھیں، کچھ عیر کا تقاضا بھی تھا کہ بوا کو سردی زیادہ محسوس ہوتی تھی۔

”آ رہی ہوں عاطر بیٹا۔“ ٹھنڈ کے پیڑوں کو پچھاڑتی اس اچانک افتاد پر گہرائی بوا

والے تھے، ہوائے کمال، ہوائے کمال، ان کی شادیاں کیں، ان کی بیویاں پر لڑکیاں، اولاد بالکل بے فیض اور بے مروت تھی، خود غرض اولاد جسے ماں سے صرف لینے سے غرض تھی، جب ماں کو دینے کی بات آئی اور خدمت کی بات ہوئی تو وہ خود غرض اولاد دصاف آنکھیں پھیر لیتی، ہوانے ایک حد تک برداشت کی ان کی خود غرضی مگر پھر انگ ہو گئیں، ان کے مطابق جو خون کے رشتے جو تک بن کر چوتے لگیں انہیں چھوڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے، انسان تنہائی کا تم سہہ لیتا ہے مگر اپنی کی خود غرضی مار ڈالتی ہے، ایسے حالات کے بعد انسان کا پتھر ہونا لازمی امر تھا۔

”کون ہو تم؟ کہاں سے آئی ہو؟ مجھے کچھ تو بتاؤ اپنے بارے میں تاکہ میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں۔“ وہ کئی بار اس سے پوچھتا مگر بچی نے تو جیسے چپ کا روزہ رکھا ہوا تھا اور روزہ بھی ایسا کہ نظار کی نوعیت ہی نہیں آ رہی تھی، عاطر وقتاً فوقتاً اسے بہلاتے ہوئے ان سوالوں کے جوابات کی طرف لانے کی سعی کرتا رہتا، مگر بچی کی مسلسل چپ اسے مڑھال سا کرتی، وہ ایک لفظ منہ سے نہ نکالتی بس روتی رہتی۔

”عاطریاں، دھچکڑیاں، دیکھنا پھر کیسے بچ اگلے گی۔“ ہوا اپنے قدیم تھی کے اصول کو بروئے کار لانے کا مشورہ فراہم کرتی اور اسے کپا چچا جانے والی آنکھوں سے گھورتی۔

”مجھے تو لگتا ہے کہ ڈاکوؤں اور لیروں نے اس بچی کو بھیجا ہے تاکہ اس کی مدد سے واردات کر دانی جائے۔“ ہوا معاملے کو ضرورت سے زیادہ خطرناک رنگ دینے کی کوشش کرتی تو عاطر زچ سا ہوجاتا، ایک تو بچی کی خاموشی کا قفل کھلنے پہ نہیں آ رہا تھا، ہر چاہی بیکار جی اسی اوپر سے ہوا کے بیکار کے انداز سے۔

”ہوا! اتنے دنوں سے تو یہ ہمارے گھر میں بیٹھ رہی ہے، اس کی ہڈیوں پر روتی ہے، اس چوتے سے ایسا میں کیا کر سکتا ہوں؟“ چور پلاننگ کر کے اسے بھیجیں گے۔“

عاطر کے گھر والے حیدر آباد میں رہتے تھے، اس کی پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے باں تھیں، باپ کی موت نے گھر کی ذمہ داری عاطر کے کندھوں پہ ڈال دی، اپنی تعلیم جاری رکھنے کی غرض سے وہ لاہور آیا اور مقامی یونیورسٹی میں ایم بی اے کے ساتھ کسی ایسی فیلش کمپنی میں شام کے اوقات میں جاب بھی شروع کر دی، اس میں ہوا بھی آئی جن کے فیلش میں اس کو سر چھاننے کی جگہ کی ورنہ تنخواہ میں سے کرائے کے مکان کے لئے بھی رقم مختص کرنا پڑتی، اس کی تعلیم کا آخری سال تھا، اس خواہش تھی کہ اعلیٰ سی جات حاصل کر کے اپنی بیوہ ماں اور بہنوں کا سہارا بنے اور ان سب کی دھوم دھام سے شادیاں بھی کروائے، وقت گزرنے کے ساتھ یہ خواہش مقصد حیات تبدیل ہو گئی تھی۔

آخر کار عاطر کی کوششوں نے اس بچی کے منہ پہ لگا خاموشی کا تالا کھولا تو اس نے اپنی مائی سنا کر عاطر کی پریشانی کو سوا دینے سے پہنچا دیا، وہ بچی شمالی علاقہ جات کے انتہائی غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، جہاں کھانے والے کھانے اور افلاس و دندانی تھی، جہاں فاقے بین ڈالتے تھے، جہاں ایک وقت کے کھانے کے بعد امید بھل ہوئی تھی کہ اگلے وقت بھی پیٹ بھرے کے لئے سوکھی روٹی ہی نصیب ہو جائے گی، غریب باپ کمانے کی غرض سے اپنے کنبہ سمیت لاہور آیا تو یہاں بھی نہ حالات سدھرے اور نہ ہی غربت نے جان چھوڑی، غربت کے ہاتھوں سے مجبور

کریں سے اس نے بچوں کو فروخت کیا یا نہیں، اس کے لئے میں آنا دوں گا، ہاں میں انسان تھا، وہ اس سے گھر کے کام کروانے کے ساتھ مار پیٹ بھی کرتا، اس کی مار پیٹ سے تنگ آ کر یہ بچی موقع پا کر گھر سے بھاگ نکلی، یہ تھی اس کی کل رام تھا۔

”تمہارا نام؟“ عاطر نے اس کی کہانی سن کر اس کا نام پوچھا۔

”میں؟“ سرخ و سفید بھورے بالوں والی ہوا نے عورت کی مالک بچی جس کی آنکھوں میں غلامی نے دو سر کئے اور وہ بھی بے حد چمکدار لگا کر اس کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیئے تھے، عاطر کو اس سے بلی طور پہ ہمدردی ہونے لگی تھی، مگر وہ موت تو لگا رہا تھا اور اپنی زیادہ تر کمانی ماں بہنوں کو بچ دیا کرتا تھا، ایسے حالات میں کئی بچی کا روزہ دیکھ کر سوچا کہ عاطر کی پریشانی دیکھتے ہوانے بھی مشورہ دیا کہ اسے دار

”اب اس کا باپ بے یار و مددگار چھوڑ گیا ہے تو تم بیکار میں اس کا بوجھ اٹھا کر اپنی زندگیوں کو بچو عاطر! میں ڈاؤن اس کے ساتھ رہنے دین، میں گھر کے کام کروا کر دے گی، مگر مجھے کہیں اور چھوڑ کر نہ آئیں۔“ تا جانے کیوں اس بچی کو اس چھت کے نیچے اپنا آپ محفوظ سا لگتا تھا، اجنبی تو اس کے لئے عاطر بھی تھا مگر وہ اس مانوس اجنبی کی طرح محسوس ہونے لگا تھا، جودل کو اپنا اپنا سا لگتا تھا، عاطر کو اس صورتحال نے پریشان سا کر کے رکھ دیا تھا، وہ زبردستی کرتا تو وہ بچی رونا دھونا

شرع کی تھی، صاحب! میں آپ کا مالک تنگ نہیں کروں گی، میں بدل شرارتی نہیں ہوں، میں بھوک کی بھی بالکل بچی نہیں ہوں، آپ مجھے ایک وقت کی روٹی دے دیا کرتا، میں آپ لوگوں کو بالکل نہیں ستاؤں گی، بس مجھے یہاں سے نہ ڈالو۔“ اس بچی نے منت ساجت کی حد کر دی تھی، عاطر کی ماں بہنوں کو اس بچی کے بارے میں پتہ چلا تو ان کا مشورہ بھی یہی تھا جو بوا کا تھا، لیکن اگر ان کی تعمیر حالات میں اس بے سہارا بچی کے بارے میں کوئی آواز حمایت میں آجھی تو وہ صرف رل کی تھی، عاطر کی خالہ زاد اور اس کی بچپن کی معیت جو، جو یونیورسٹی میں بھی اس کے ساتھ پڑھتی تھی۔

”میرا خیال ہے عاطر تم اس بچی کو اپنے ساتھ ہی رکھ لو، چھوٹی سی بچی کتنا کا بوجھ بن سکتی ہے۔“

”مگر رل! یہ اتنا آسان نہیں ہے، میں پہلے ہی اپنے خرچے پتہ نہیں کس مشکل سے پورے کر رہا ہوں اور اب یہ بچی۔“ عاطر ذہنی طور پہ دباؤ کا فکار سا تھا اسے رل کا مشورہ اطمینان بخش نہ لگا تھا۔

”لیکن عاطر! وہ کون سا تم سے تنخواہ مانگ رہی ہے جو تم پہ بوجھ ہوگا وہ تو بیچاری حالات کی ماری خود کو ملازمہ کے طور پہ پیش کر رہی ہے یعنی مفت کی ملازمہ اور مطالبے میں تمہارے گھر کا ایک کونا، چاہیے وہ کباڑ خانہ ہو یا پھر گھر کا اسٹور روم۔“ نرم طبیعت کی مالک رل نے سب سے ہٹ کر بات کی تھی اس کی ہر بات وزن دار تھی، مگر عاطر کے دل کی حالت یہ تھی کہ وہ جلد از جلد اس بچی سے چھٹکارا چاہتا تھا اور جبکہ یہ بچی تھی کہ اس کے گلے کا ہار بنتی جا رہی تھی، اسے اس لڑکی

میں نے کبھی ادا دیا یا نہیں میں نے آج یہ بات
بھول کر ہی بتائی ہے۔ میں نے غلطی کی یا نہیں اس نے بھی
یاد کی آنکھوں کا نہ سیلاب رک رہا تھا اور نہ ہی
بہتی ہوئی ناک کنٹرول میں آ رہی تھی، بہت بار
عاطف دونوں کی صلہ صفائی کروانا، انگلیں کو سمجھانا
کہ بزرگوں کے سامنے بدتمیزی نہیں کرتے، مگر
یاد کی کڑوی سی باتیں اسے پھر سے بدتمیزی پر
مجبور کر دیتی۔

”بہت سرحال ہے عاطف میاں آپ نے
اس شوق غمگینی کو، بھی اس کی زبان چھٹی کی طرح
چلتی ہے، پتہ نہیں کون سی محسوس گھڑی تھی جو اس
پہچان بھیری نے ہمارے گھر میں قبضہ کیا تھا۔“
مشکل سے دو تین دن بوا اور اناجین کے درمیان
امن کا جھنڈا لہرا تا مگر ٹھیک مقررہ وقت کے بعد
دونوں فریقین جھنڈا ہٹا کر اپنے اپنے مورچے
سنسپال لیتے، دونوں طرف سے شدید گولہ باری
ہوتی، بندوقیں تانی جانی، تاک تاک کر نشانے
لے جاتے، مگر پھر بھی دونوں ہار نہ مانتے۔

”عاطف بیٹا اس چیل کو باز کر لے ورنہ میں
کسی روز زہر کھا کر اپنی جان دے دوں گی اور
وصیت میں لکھ دوں گی کہ میری قاتل یہ چھل
چیری ہے پولیس اسے گرفتار کرے اور سرعام
پھانسی دے۔“ بوا اناجین سے بیٹھے ہوئے لال کر رہی
تھی عاطف بے شکل اپنی ہی چھپا کر دکھائے کے طور پر
انگلیں کو ڈانٹتا تو اس بات کو بھی وہ دل پہ لے لیتی،
گھٹنوں روٹی رہتی، بھوک ہڑتال کر دیتی اور کئی
کئی دن عاطف سے بات نہ کرتی، ایک عجیب سا
اپنائیت بھرا رشتہ دونوں کے درمیان قائم ہو چکا
تھا، وہ جی بھر کر خڑے دکھائی اور عاطف بھی خڑے
اٹھتا ہوا سرشاری محسوس کرتا تھا، عاطف اپنی
بانجوں بہنوں سے چھوٹا تھا، خود کسی چھوٹے سے
جلی بار پالا پڑا تھا، روٹھنا مٹانا، ناخردے دکھانا،

”؟“ وہ بولے۔ ”میں نے کبھی ادا دیا یا نہیں میں نے آج یہ بات
بھول کر ہی بتائی ہے۔ میں نے غلطی کی یا نہیں اس نے بھی
یاد کی آنکھوں کا نہ سیلاب رک رہا تھا اور نہ ہی
بہتی ہوئی ناک کنٹرول میں آ رہی تھی، بہت بار
عاطف دونوں کی صلہ صفائی کروانا، انگلیں کو سمجھانا
کہ بزرگوں کے سامنے بدتمیزی نہیں کرتے، مگر
یاد کی کڑوی سی باتیں اسے پھر سے بدتمیزی پر
مجبور کر دیتی۔“

”بہت سرحال ہے عاطف میاں آپ نے
اس شوق غمگینی کو، بھی اس کی زبان چھٹی کی طرح
چلتی ہے، پتہ نہیں کون سی محسوس گھڑی تھی جو اس
پہچان بھیری نے ہمارے گھر میں قبضہ کیا تھا۔“
مشکل سے دو تین دن بوا اور اناجین کے درمیان
امن کا جھنڈا لہرا تا مگر ٹھیک مقررہ وقت کے بعد
دونوں فریقین جھنڈا ہٹا کر اپنے اپنے مورچے
سنسپال لیتے، دونوں طرف سے شدید گولہ باری
ہوتی، بندوقیں تانی جانی، تاک تاک کر نشانے
لے جاتے، مگر پھر بھی دونوں ہار نہ مانتے۔

”عاطف بیٹا اس چیل کو باز کر لے ورنہ میں
کسی روز زہر کھا کر اپنی جان دے دوں گی اور
وصیت میں لکھ دوں گی کہ میری قاتل یہ چھل
چیری ہے پولیس اسے گرفتار کرے اور سرعام
پھانسی دے۔“ بوا اناجین سے بیٹھے ہوئے لال کر رہی
تھی عاطف بے شکل اپنی ہی چھپا کر دکھائے کے طور پر
انگلیں کو ڈانٹتا تو اس بات کو بھی وہ دل پہ لے لیتی،
گھٹنوں روٹی رہتی، بھوک ہڑتال کر دیتی اور کئی
کئی دن عاطف سے بات نہ کرتی، ایک عجیب سا
اپنائیت بھرا رشتہ دونوں کے درمیان قائم ہو چکا
تھا، وہ جی بھر کر خڑے دکھائی اور عاطف بھی خڑے
اٹھتا ہوا سرشاری محسوس کرتا تھا، عاطف اپنی
بانجوں بہنوں سے چھوٹا تھا، خود کسی چھوٹے سے
جلی بار پالا پڑا تھا، روٹھنا مٹانا، ناخردے دکھانا،

کے وجود سے محبت اپنی بھئی وں کے لئے، اس کا
روتا دھوتا اور پیروں سے لپٹ جانا عاطف کو غصہ
دلانے لگا تھا، وہ اکثر چڑچڑاہٹ کے عالم میں
اس سے ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتے لگا تھا، عاطف کے
مطابق وہ کسی عفریت کی طرح اس کے ساتھ
چٹ گئی تھی۔
”اچھا، تم پریشان نہ ہو عاطف میں اس بچی
کے لئے چھپیں سپورٹ کر دیا کروں گی، اس کی
ساری ضرورت کی چیزیں میرے ذمے اور محبت
تم اپنے ذمے لے لو، تم سمجھ لو کہ اللہ تم سے یہ نیکی
کا کام لینا چاہتا ہے، تم اس بات کو تسلیم کر لو کہ اس
کا تمہاری زندگی میں آنا صرف اللہ کی مرضی سے
ہے، تمہارا اور اس کا ساتھ لکھ دیا گیا ہے، ورنہ
اندھیری طوفانی رات میں وہ کسی اور کا در بھی تو مدد
کے لئے ٹھکھٹا سکتی تھی، اب تو ہونا تمہارا دماغ
محسوس اور بوجھ ہلاک۔“ مسکراتے ہوئے رل نے
اس کا نصف بوجھ بانٹا تو عاطف کے دل میں اس کا
مقام دمرتہ اور بلند ہو گیا، یہی تو تھا رل کی ذات
کا خاص پن جو اسے زمانے بھر کی لڑکیوں سے
منفرد کرتا تھا، خوبصورت ہونے کے ساتھ وہ
سونے کا دل بھی رکھتی تھی، مشکل کشائی، تنگی
آسانوں میں بدلنا، غم کو خوشی میں ڈھال دینے کی
وہ ماہر تھی، زندگی کی بہت سی مشکلات میں اس
نے عاطف کا یونہی بوجھ بانٹا تھا، رل نے عاطف کی
انجمن کو اس طرح سے سلجھایا کہ دماغ کا الجھاؤ
خود بخود دور ہونے لگا، تو اس نے انگلیں کے وجود
کو اپنی چھت تلے دلی اور اپنی طور پر قبول کر کے
خدا نے لم یزل کی مصلحت کے سامنے سر کو جھکا
لیا۔

☆☆☆
انگلیں نے چند ہی روز میں عاطف کے دل
میں جگہ بنا لی تھی، وہ بے حد خدمت گزار اور بھلا
بھلا کیسے اور کس حساب سے ہوئی میں دشمن اناج
شروع میں تو انگلیں سے سب ڈرتے ڈرتے
روتے دھوتے برداشت کرتی مگر وقت گزرنے
کے ساتھ عاطف کے مہربان رویے نے اس کے
اندر اعتماد کی روح پھولی تو اس کا ہاتھوں بدلنے
مضبوط ہوتا ہوا گیا، اس نے چھوٹی موٹی باتوں پر
روتا اور گھبرانا چھوڑ دیا اور کسی حد تک بوا کے ساتھ
زبان بھی لڑنا شروع کر دی۔
”کام کی نہ کاج کی دشمن اناج کی۔“ اٹھتے
بیٹھتے بوا اسے اپنی موٹی آنکھوں کے ساتھ گھورتی
اور طعنوں سے نوازتی تو وہ بھی اینٹ کا جواب
پتھر سے دیتی۔
”سارے گھر کا کام تو کرتی ہوئی بوا، پھر
بھلا کیسے اور کس حساب سے ہوئی میں دشمن اناج

بھلا کیسے اور کس حساب سے ہوئی میں دشمن اناج

کے وجود سے محبت اپنی بھئی وں کے لئے، اس کا
روتا دھوتا اور پیروں سے لپٹ جانا عاطف کو غصہ
دلانے لگا تھا، وہ اکثر چڑچڑاہٹ کے عالم میں
اس سے ڈانٹ ڈپٹ بھی کرتے لگا تھا، عاطف کے
مطابق وہ کسی عفریت کی طرح اس کے ساتھ
چٹ گئی تھی۔
”اچھا، تم پریشان نہ ہو عاطف میں اس بچی
کے لئے چھپیں سپورٹ کر دیا کروں گی، اس کی
ساری ضرورت کی چیزیں میرے ذمے اور محبت
تم اپنے ذمے لے لو، تم سمجھ لو کہ اللہ تم سے یہ نیکی
کا کام لینا چاہتا ہے، تم اس بات کو تسلیم کر لو کہ اس
کا تمہاری زندگی میں آنا صرف اللہ کی مرضی سے
ہے، تمہارا اور اس کا ساتھ لکھ دیا گیا ہے، ورنہ
اندھیری طوفانی رات میں وہ کسی اور کا در بھی تو مدد
کے لئے ٹھکھٹا سکتی تھی، اب تو ہونا تمہارا دماغ
محسوس اور بوجھ ہلاک۔“ مسکراتے ہوئے رل نے
اس کا نصف بوجھ بانٹا تو عاطف کے دل میں اس کا
مقام دمرتہ اور بلند ہو گیا، یہی تو تھا رل کی ذات
کا خاص پن جو اسے زمانے بھر کی لڑکیوں سے
منفرد کرتا تھا، خوبصورت ہونے کے ساتھ وہ
سونے کا دل بھی رکھتی تھی، مشکل کشائی، تنگی
آسانوں میں بدلنا، غم کو خوشی میں ڈھال دینے کی
وہ ماہر تھی، زندگی کی بہت سی مشکلات میں اس
نے عاطف کا یونہی بوجھ بانٹا تھا، رل نے عاطف کی
انجمن کو اس طرح سے سلجھایا کہ دماغ کا الجھاؤ
خود بخود دور ہونے لگا، تو اس نے انگلیں کے وجود
کو اپنی چھت تلے دلی اور اپنی طور پر قبول کر کے
خدا نے لم یزل کی مصلحت کے سامنے سر کو جھکا
لیا۔

☆☆☆
انگلیں نے چند ہی روز میں عاطف کے دل
میں جگہ بنا لی تھی، وہ بے حد خدمت گزار اور بھلا
بھلا کیسے اور کس حساب سے ہوئی میں دشمن اناج

بھلا کیسے اور کس حساب سے ہوئی میں دشمن اناج

چند ہی روزوں میں آپ کی شادی ہو جائے گی۔ آپ کی شادی کے دن آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی شادی کس سے ہوئی ہے۔ آپ کی شادی کے دن آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی شادی کس سے ہوئی ہے۔ آپ کی شادی کے دن آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی شادی کس سے ہوئی ہے۔

”میری بہن! ترجیح میری نہیں ہیں، جب تک وہ اپنے گھر میں آباد نہیں ہو جائیں میں اپنی شادی کے بارے میں سوچوں گا بھی نہیں۔“ عاطر نے مضبوط فیصلہ کیا تو رمل نے بھی بھرپور تعاون کیا۔

”عاطر، مجھے شادی کی کوئی جلدی نہیں، میں تو ساری عمر بھی تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔“ وفا و محبت کی دیوی نے اس موقع پر بھی محبت کی انتہا کو چھو لیا تھا، وہ تو عاطر کی ذاتی بھی جو سدا دیوتا کے چروں میں زندگی گزارنے کی منت مان بھی تھی، اس معاملے میں اسے دیوتا سے نہ کوئی گلہ تھا اور نہ ہی کوئی شکایت، وہ تو ہر حال میں راضی تھی، جس حال میں اس کا دیوتا رہے، اس کی محبت تو شفاف و جمیل کے پانی جیسی تھی جس پر نہ بھی بدگمانی کی کافی تھی اور نہ وہ اس پر شک کا گہرا سایہ لہرایا تھا، محبت کا یہ صاف پانی تو ہمیشہ سنہری سورج کی کرنوں کو ایسے اندر جذب کیے چمکدار اور روشن سا دکھائی دیتا تھا اور شفافیت کی انتہا تھی کہ پانی اندر اور باہر دونوں طرف سے ایک جیسا ہی شہرہ دکھائی دیتا تھا، نہ بھی سورج کی شفافیت میں گرم کرنیں اس میں نمازت پیدا کرتیں اور نہ ہی چندا کی خٹک اس کے اعتدال کو متاثر کرتی۔

رمل اور عاطر کی شادی ہی باتیں گھر میں گردش کرنے لگیں تو عجیب سی بے چینی نفیانی اضطحال، انتشار و اضطراب انہیں کی ذات میں پیدا ہونے لگا، وہ ضرورت ہے زیادہ خاموش سی

کے ساتھ تھیں۔ آپ کی شادی کے دن آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی شادی کس سے ہوئی ہے۔ آپ کی شادی کے دن آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی شادی کس سے ہوئی ہے۔ آپ کی شادی کے دن آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی شادی کس سے ہوئی ہے۔

”ای، بچوں کی طرح بالاسے میں نے اسے اپنے ہاتھوں، آپ لوگ ایسی باتیں کر کے اسے غیریت کا احساس دلاتے ہیں تو وہ خود کو بالکل دنیا میں تنہا سمجھنے لگتی ہے۔“ عاطر ایسے ہوشیار، انہیں کے دل کی جذبات اور احساسات کا ترجمان بنائیں کہ وہ پورے دل سے کہتا تو رمل بھی لکڑی کی طرح اس کی سب سے بڑی سپورٹر ہوتی۔

”وہ بہت لگاؤ رکھتی ہے عاطر کے ساتھ، اس کا ہر کام دل و جان سے کرتی ہے اپنے ہاتھوں سے جو باتیں عاطر کو پہناتی ہے، ایسے پاکیزہ دھندلے رشتے میں بیکار سے دوسوں کو ڈال کر خرابی پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ عاطر اور رمل ایک ساتھ دوسروں کو اپنے اعتراضات سے روکتے رہتے تھے۔

”اے بی بی، اب اتنی فیاضی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے کہیں کو یہ آفت کی پڑیا کوئی اور ہی عطر لگا کر دیکھ جائے، دقت یہ سمجھ جاؤ گے تو ٹھیک ہے ورنہ سننے کے ہرانا۔“ نا جانے ایسا کون سا خطرہ تھا جس کی طرف ایسا وقت سے پہلے اشارہ کرنے کی گنجائش نہیں کوئی ابہام ہونے لگا تھا کہ کوئی مشکل آنے والی ہے جو رمل اور عاطر کے رشتے کو کسی مصیبت میں ڈال دے گی۔

”میں تو کہتی ہوں کہ اب ہو گیا سب بہنوں کا فرض ادا، اب اپنی فکر کرو، اپنے گھر رہانے کی فکر، رمل کو دو چار بہنوں میں دہن بنا کر لے آؤ۔“ عاطر اپنی بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا اور سب سے

گزنہ کے گھر میں وہ سب کی جگہ پر تھے۔ ان کی شادی کے دن آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی شادی کس سے ہوئی ہے۔ آپ کی شادی کے دن آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی شادی کس سے ہوئی ہے۔ آپ کی شادی کے دن آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ کی شادی کس سے ہوئی ہے۔

کچھ باتوں کی گہرائی کو وہ محسوس کر رہا تھا مگر مطلب سمجھ نہ پاتا، انہیں شادی کا اہتمام کرتے بھی دیوانہ وار عاطر کے ساتھ تھیں۔

”جوان ہو گئی ہے اب تو اب کچھ عمل کر لیا کرو۔“ کڑے تیروں سے بولا جھکے ہوئے لفظوں میں انہیں کو اس کی حرا اور جوانی کی نزاکتیں سمجھانے کی کوشش کرتیں تو وہ بڑا کی گئی بات کو سنجیدہ نہ لیتی عاطر کی مال اور کس چیز آباد سے کچھ روز کے لئے یہاں رہنے آئیں تو وہ بھی انہیں کھل کھلا کر اعراض کرنے لگیں۔

”عاطر جوان ہو گئی ہے انہیں، اب کچھ فاصلہ اپنے اور اس کے درمیان میں لے آؤ، تمہاری بات کو وہ بہتر طریقے سے سمجھ لے گی بجائے کہ ہم میں سے کوئی روکے ٹوکے اور اس

اس نے خود سنا ہے۔ یہ سب کچھ آپ کی دیکھا رہا تھا۔“ دیکھو گڑیا، بڑا ہماری بزرگ ہیں، بزرگوں کو تو راضی رکھنا چاہیے، ان سے ہمیں دعائیں ملتی ہیں اور انہی دعاؤں کی وجہ سے تو انسان کامیاب ہوتا ہے۔“ وہ انہیں کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتا ہوا اسے سمجھاتا۔

”یہاں تو مجھ سے اللہ واسطے کا پھر پال لیا ہے، میں کوئی اپنی مرضی سے تو آپ کے گھر نہیں آئی، آپ مجھے کسی خیم خانے میں چھوڑ آئیں، مجھ لاوارث کو تو میرے انہوں نے چھوڑ دیا تو پھر آپ پر کیوں بوجھ بنوں، آخر میرا رشتہ ہی کیا ہے آپ سے۔“ وہ بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں کو رگڑتی تو آنکھوں کی سرخی کے ساتھ چہرے کی لالی اسے شل سرخ گلاب کی طرح دکھانے لگتی، مکمل کھلا ہوا سرخ گلاب جس پر شبنم کے قطرے اسے چمن میں سب سے حسین اور نمایاں کر رہے ہوتے ہیں۔

”تمہیں کس نے کہا کہ تم لاوارث ہو اور دنیا میں اکیلی ہو، میں ہوں تمہارا ہر رشتہ، تمہارا دوست، ہر وہ رشتہ جو دلی طور پر تم سے میرے ساتھ بنایا ہوا ہے۔“ عاطر محبت بھرے انداز میں اس بھولی صورت والی گڑیا کو پچکاتا تو اس کی آنکھوں کے بڑ بڑکنے چمکتے تھے، ایک خوشی اور اپنائیت کے طے جلتے جذبات جو وہ کم سن کی وجہ سے جملوں اور لفظوں میں بیان کرنے سے قاصر تھی، وہ اس کی آنکھوں سے عیاں ہونے لگتے، رونا بھول کر شدت سے عاطر کے ساتھ لپٹ جایا کرتی تو عاطر بھی محبت سے اس بھی گڑیا کے بالوں کو سہلانے لگا۔

☆☆☆

موسموں کے آگے پیچھے دوڑتے ماہ و سال

کی تیر تیر رہی تھی۔
 ”اسے میری پیاری گڑبڑ، اتنی ہی باتیں
 میں نے سنا ہی تھیں۔“ وہ اور بولنے لگا،
 ”جس سے میں ایسا سا ہوا ہوں ہے جو کم کے
 میں آنے لگا ہے۔“ ہنسی کو روکتے ہوئے
 نے اس کے دہکتے گال پہ چپ لگانا چاہی
 وہ بچی کی تیزی سے پیچھے ہی کر جیسے کزن کا
 ”یہی سب کچھ تمہاری میسر آتے ہی اپنی
 لاڈلی کے ساتھ بھی کرتے ہوں گے، یونہی
 گال سہلاتے ہوتے ہوں گے یونہی اپنی
 اپنی ہاتھوں میں لیتے ہوں گے اور
 شاید ابھی اور بھی بہت کھانا چاہ رہی تھی
 پانی اور ریخ دوسری طرف پھیر کر دوبارہ
 رونے لگی تھی، عاطر اب اسے سنجیدہ لگا ہوا
 دیکھ رہا تھا، بات اتنی معنوی نہیں تھی جتنا
 تھا، انگلیں کا رویہ مبہم ضرور تھا مگر بات کو
 نہیں سمجھتی، یہ رونا ہے جو تو بڑی بڑی باتیں
 انگلیں اب بچی نہیں بلکہ ایک لڑکی دکھائی
 تھی، کتنے ہی پل چپ چاپ کر رہے تھے،
 مزید کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا
 مسلسل کسی انہونی کا اشارہ کرتے ہوئے
 رہنے کی ہدایت کر رہا تھا۔

”آپ کی اور دل کی شادی کا عذاب، یہ
 سب برداشت کرنے کا میرے اندر حوصلہ نہیں
 ہے اس لئے میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں،
 آپ کی بیگم صاحبہ اس گھر میں آجائیں گی تو میری
 کیا حیثیت ہوگی، کوئے میں بڑی ڈسٹ بن،
 سائینڈ پڑا گلہان، باغچہ دیوار ہے لگی اس پینٹنگ
 جیسی، جسے جب چاہے آپ کی بیگم صاحبہ اتار کر یا
 اٹھا کر باہر پھینک دیں گی۔“ آنسوؤں کو بمشکل
 روکتے ہوئے اس نے دل کی بجز اس نکالی تو
 عاطر نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی اور پھر اگلے
 ہی لمحے اس کا زوردار قبضہ کرے میں گونگ اٹھا،
 وہ تپتی دیر تو اسے نہتا چلا گیا۔

”اف..... پاگل لڑکی یہ پر اہم ہے۔“
 عاطر نے اپنی سمجھ و عقل کے مطابق اس کی باتوں
 سے یہ مفہم کشید کیا تھا کہ اکثر بچے جن سے بہت
 زیادہ اٹھتے ہو جاتے ہیں، جب وہ بڑے کو کسی
 اور طرف مٹن یا مصروف دیکھتے ہیں تو لاڈ پیار میں
 لپٹے بچے اپنی الجھاؤ کا شکار ہو کر مضطرب سے ہو
 جاتے ہیں، انہیں خوف لاحق ہونے لگتا ہے کہ
 آپ ان کو پہلے کی طرح تو جھپٹیں لے لی، ان
 کے وقت میں ہی کر دی جائے گی، ان کے جھکے کا

”اے میری پیاری گڑبڑ، اتنی ہی باتیں
 میں نے سنا ہی تھیں۔“ وہ اور بولنے لگا،
 ”جس سے میں ایسا سا ہوا ہوں ہے جو کم کے
 میں آنے لگا ہے۔“ ہنسی کو روکتے ہوئے
 نے اس کے دہکتے گال پہ چپ لگانا چاہی
 وہ بچی کی تیزی سے پیچھے ہی کر جیسے کزن کا
 ”یہی سب کچھ تمہاری میسر آتے ہی اپنی
 لاڈلی کے ساتھ بھی کرتے ہوں گے، یونہی
 گال سہلاتے ہوتے ہوں گے یونہی اپنی
 اپنی ہاتھوں میں لیتے ہوں گے اور
 شاید ابھی اور بھی بہت کھانا چاہ رہی تھی
 پانی اور ریخ دوسری طرف پھیر کر دوبارہ
 رونے لگی تھی، عاطر اب اسے سنجیدہ لگا ہوا
 دیکھ رہا تھا، بات اتنی معنوی نہیں تھی جتنا
 تھا، انگلیں کا رویہ مبہم ضرور تھا مگر بات کو
 نہیں سمجھتی، یہ رونا ہے جو تو بڑی بڑی باتیں
 انگلیں اب بچی نہیں بلکہ ایک لڑکی دکھائی
 تھی، کتنے ہی پل چپ چاپ کر رہے تھے،
 مزید کچھ بولنے کی پوزیشن میں نہیں رہا تھا
 مسلسل کسی انہونی کا اشارہ کرتے ہوئے
 رہنے کی ہدایت کر رہا تھا۔

”نہیں کیوں میری پریشانیوں میں اضافہ
 کرتی چلی جا رہی ہو، میں تمہاری حالت بالکل
 سمجھ نہیں پا رہا، دل ٹھیک کہتی ہے تمہیں کسی
 سائیکالٹرسٹ کی ضرورت ہے۔“ عاطر نے عاجز
 آتے ہوئے دل کا خیال انگلیں کے سامنے رکھا تو
 وہ آتش فشاں بنی پھٹ پڑی۔

”نہیں مانگوں گی معافی اور نہیں ہیں یہ
 میری بھابھی۔“ پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے
 اس نے خود کو عاطر کی گرفت سے چھڑایا اور
 بھاگ کر خود کو کمرے میں بند کر لیا، دل اور عاطر
 حیرانی کے عالم میں بند دروازے کو دیکھتے رہ
 گئے، بند دروازے کے پیچھے کون سا راز آشکار
 ہونے جا رہا تھا وہ اس سے بے خبر تھے۔

”نہیں جانا مجھے آپ کے ساتھ، اور کیوں آ
 جاتی ہیں روز روز منہ اٹھا کر، کیا آپ کو اپنے گھر
 میں چین نہیں، آخر کس بات کی بے صبری ہے،
 دہن بن کر یہیں تو آتا ہے تو پھر یہ ملاقاتوں کا
 بہانہ کیوں؟“ بدلتی جاتی اور بدزبانی آخری حدوں کو
 چھونے لگی، انگلیں نے تو سب کو حیران کر دیا تھا،

”معاذی اللہ! اتنی بدتمیز ہو گئی ہے کہ اسے تمہارا
 بھی لگا نہیں، ہر معاملے میں تم نے اسے سپورٹ
 کیا اور آج یہ تمہارے ساتھ بھی بدتمیزی کر رہی
 ہے۔“ عاطر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا آج
 پہلی بار اس نے انگلیں پر ہاتھ اٹھایا تھا۔
 ”معاذی اللہ! اتنی بدتمیز ہو گئی ہے کہ اسے تمہارا
 بھی لگا نہیں، ہر معاملے میں تم نے اسے سپورٹ
 کیا اور آج یہ تمہارے ساتھ بھی بدتمیزی کر رہی
 ہے۔“ عاطر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا آج
 پہلی بار اس نے انگلیں پر ہاتھ اٹھایا تھا۔

”نہیں مانگوں گی معافی اور نہیں ہیں یہ
 میری بھابھی۔“ پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے
 اس نے خود کو عاطر کی گرفت سے چھڑایا اور
 بھاگ کر خود کو کمرے میں بند کر لیا، دل اور عاطر
 حیرانی کے عالم میں بند دروازے کو دیکھتے رہ
 گئے، بند دروازے کے پیچھے کون سا راز آشکار
 ہونے جا رہا تھا وہ اس سے بے خبر تھے۔

”نہیں مانگوں گی معافی اور نہیں ہیں یہ
 میری بھابھی۔“ پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے
 اس نے خود کو عاطر کی گرفت سے چھڑایا اور
 بھاگ کر خود کو کمرے میں بند کر لیا، دل اور عاطر
 حیرانی کے عالم میں بند دروازے کو دیکھتے رہ
 گئے، بند دروازے کے پیچھے کون سا راز آشکار
 ہونے جا رہا تھا وہ اس سے بے خبر تھے۔

”نہیں مانگوں گی معافی اور نہیں ہیں یہ
 میری بھابھی۔“ پاگلوں کی طرح چلاتے ہوئے
 اس نے خود کو عاطر کی گرفت سے چھڑایا اور
 بھاگ کر خود کو کمرے میں بند کر لیا، دل اور عاطر
 حیرانی کے عالم میں بند دروازے کو دیکھتے رہ
 گئے، بند دروازے کے پیچھے کون سا راز آشکار
 ہونے جا رہا تھا وہ اس سے بے خبر تھے۔

میرے لئے بچوں کی طرح ہو۔“ اس نے بازو
کیا آپ کا اور میرا خون کا رشتہ ہے آپ سے میرا
باپ اور بھائی والا رشتہ تو نہیں ہے کہ ہماری
شادی نہ ہو سکے۔“ انکین نے عاطر کے
اعتراضات کا کامیابی سے جواب دیتے ہوئے
اسے لاجواب کر ڈالا، ایک بل کے لئے وہ گنگ
رہ گیا، زبان پر ہزاروں قفل لگ گئے۔
”خاموش کیوں ہیں عاطر، کیا ہم دونوں کا
خون کا رشتہ ہے کہ ہماری شادی نہیں ہو سکتی،
جائیں شہر کے کما لیا مفتی سے فتویٰ لے آئیں
اگر وہ میرا آپ سے نکاح حرام قرار دیتے ہیں تو
میں مان لوں گی کہ میں غلط ہوں۔“ انکین کی
باتیں سن کر اس کا دل بیٹھے لگ تھا، بھی سوچا بھی
نہ تھا کہ وقت اس موڑ پر لے آئے گا۔
”یہ نہیں ہو سکتا، کبھی نہیں۔“ وہ قطعیت
سے فیصلہ سنا تے ہوئے گرجا۔
”تو ٹھیک ہے اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر وہ بھی
نہیں ہونے دوں گی جو آپ کرنا چاہتے ہیں۔“
انکین نے نیپل پر سے چھری اٹھائی اور پھر وہ کر
دکھایا جو عاطر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا،
سرخ ابلتا ہو خون اس کی کلائی سے نکلا اور وہ بے
دم ہو کر فرش پر گر پڑی۔

☆☆☆

موبائل کی گنگناہٹ اسے ماضی سے کھینچ کر
حال میں لے آئی ورنہ وہ شاید پوری رات پونہی
ٹھنڈے سٹی بیچ پر گزار دیتا، کال ہاسٹل سے بھی
”پینشنٹ کو ہوش آ گیا ہے وہ بار بار آپ کو پکار رہا
ہے آپ جہاں بھی ہیں فوراً آ جائیں“ اطلاع
ملنے کی دیر بھی کہ عاطر کا رکنا محال ہو گیا، عالم
دیوانگی میں روڈ کر اس کرتے ہوئے بانیک سے

دنیا میں نہیں ہو سکتی تھی، ہر سوریگ کے بکولے اور
دھڑکنے کے جھکڑوں میں کبھی نہ آ سکتا تھا
اور اس نے پونہی کی کھانسی میں کبھی نہیں گرجا
کر زمین پر آ گریں اور ان کی کرچیاں یوں انسانی
وجود میں چھپے لگیں کہ حواس متل ہونے لگے تھے،
انکین کے سر پر سے ہاتھ ہٹا وہ چند قدم دور ہٹ
گیا تھا بے یقینی سی بے یقینی تھی، لڑکھڑائے قدم
وجود کے بوجھ کو اٹھانے سے انکاری تھے،
سنناتے دماغ میں ہزاروں خوف رقص کر رہے
تھے۔

یہ کیا بکواس کر رہی ہو؟ اتنا بے ہودہ
مناظر کرتے ہوئے شرم آئی چاہیے۔“ اسے ابھی
بھی اسے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، اسے لگا جو
بہت بڑا ہوشیار ہے، وہ دیکھ رہا ہے وہ خواب ہے
ایک، بھائیاب خواب۔“

”آپ مجھ سے شادی کر لیں عاطر، میں
صرف آپ سے محبت کرتی ہوں، میرے دل کے
مناظر کرتے ہوئے شرم آئی چاہیے۔“ اسے ابھی
بھی اسے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا، اسے لگا جو
بہت بڑا ہوشیار ہے، وہ دیکھ رہا ہے وہ خواب ہے
ایک، بھائیاب خواب۔“

”انکین دماغ ٹھیک ہے تمہارا، ہوش میں
ہو تم، اپنے ہاتھوں سے پالا ہے تمہیں بچوں کی
طرح تمہارے ناز اٹھائے ہیں، یہ بات کرتے
ہوئے تمہیں میری ادوا اپنی عمروں کا بھی خیال نہیں
آ رہا۔“ عاطر نے غصے سے کہتے ہوئے اسے
پرے دھکیلا۔

”کیوں عاطر..... آخر کیوں..... ایسا ہوتا
کیوں ناممکن ہے؟“ وہ اب گڑگڑانے لگی تھی، وہ
انتہائی مجبور اور بے بس دکھائی دے رہی تھی۔
”میں نے تمہیں اولاد کی طرح پالا ہے، تم

آپ نے میرے ساتھ زبردستی کی تو میں اپنی
جان بچاؤں گا۔“ عاطر نے انکین کو
بند کر کے منہ سے لے کر باہر نکال دیا
”انکین میں خود بھی تمہارے ساتھ شادی
کے معاملے میں زبردستی نہیں کرنا چاہتا میں تو چاہتا
ہوں کہ تمہیں دھوم دھام سے رخصت کروں گا،
بلکہ میں نے تو سوچ رکھا تھا کہ اس معاملے میں تم
سے تمہاری پسند پوچھوں گا اور بخوشی تمہاری اس
سے شادی کرواؤں گا۔“ عاطر نے غڈ حال ہوتے
ہوئے دلی جذبات کا اظہار کیا تو اس کی آنکھوں
میں نمی تیرنے لگی۔

”مگر تمہاری ذہنی حالت نے مجھے سب کے
سارے رسوا کر دیا ہے، میں دل کے ساتھ تمہاری
دشمنی کی وجہ میں بالکل سمجھ نہیں پا رہا، انکین ابھی
بھی تم مجھے بتا سکتی ہوں کہ جہاں چاہتی ہو وہاں
تمہاری شادی کر دوں، میں تمہاری پسند کا بھی
خیال رکھوں گا، میں تمہیں بوجھ مجھ کر نہیں آتا
چاہتا سرے۔“ عاطر نے دلیسٹائی کا اظہار کر رکھا
ہوئے مشقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا

انکین نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
”تو پھر کھائیں قسم، میں جس کا نام لوں گی
آپ اسی سے میری شادی کروائیں گے۔“ انکین
کا لہجہ اور انداز انکین نوعیت کے تھکے
اس کی آنکھوں کی سرخی اس کی جلی ہوئی آنکھوں کا
منظر بنی ہوئی تھی، چند لمحوں کے لئے وہ جبراً ان
گیا اور تھوڑا الجھ بھی گیا کہ واقعی انکین کسی کو پسند
کرتی تھی۔

”ہاں بالکل، تم جس کا بھی نام لو گی مجھے
کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“ عاطر نے یقین دہانی
کروائی۔

”میں آپ سے شادی کرنا چاہتی ہوں
عاطر۔“ ایک زوردار دھماکہ ہوا تھا کہ جیسے ساری

”دور کرو اس احسان فراموش کے ساتھ
بھائیاب۔“ یہ اتنی منہ زور کہ انکین نے اسے
بھی سوچا بھی نہ تھا، ایسے بے کرم سر میں سیار
ڈالتے ہوئے ہے جیسے یہ اس کا اٹنا گھر ہو، صبح
کہتے ہیں سیانے کہ ”جس پر احسان کرو اس کے
شرے بچ۔“ ہوائے گل کر انکین کے خلاف زہر
انگکان کے ساتھ عاطر کی ماں اور بہنیں بھی شامل
تھیں۔
”کتنا سمجھایا تھا تمہیں کہ ایک غیر لڑکی کو
یوں گھر میں نہ رکھو، اب دیکھو ذرا اس نے گھر
کے کیا حالات بنا دیئے ہیں، اسے کسی کی کوئی
بھلائی یاد نہیں، ہر مہربانی وہ تمہاری اور دل کی
فراموش کر کے احسان فراموش بنی جا رہی ہے۔“
یہ عاطر کی امی کے خیالات تھے۔

جب حالات کی سنگینی قابو سے باہر ہونے لگی
تو سب نے اپنی عقل و دماغ کے مطابق عاطر کو
مشورہ دیا کہ انکین کا اچھا سا رشتہ دیکھ کر فوراً اس
لڑکی کو رخصت کرو، بہت کر لی مہربانیاں اور بہت
دکھادیں ستاؤں اس فریب نیم پر۔

عاطر کو بھی ہی مشورہ منظور لگا تو اس نے
اس پر عمل کرنے کی غرض سے اپنے آفس میں اچھا
سالن کا تلاش کیا اور انکین کی شادی کا فیصلہ کر لیا وہ
چاہتا تھا کہ اپنی اور دل کی شادی سے پہلے ہی
انکین کو رخصت کر دے اب ذمہ داری اٹھانی تھی
تو اس کو حسن طریقے سے نبھایا جائے، مگر انسان
سوچنا کچھ اور ہوتا کچھ ہے، تقدیر کے چھپے فیصلے
انسانی آنکھ سے اوجھل ہوتے ہیں، وہ جان ہی
نہیں پاتا کہ وقت اور حالات کس طرف جارہے
ہیں۔

انکین کو اس فیصلے کی خبر ہونے کی دیر تھی کہ
اس نے طوفان مچا دیا۔
”نہیں کرنی مجھے کسی سے شادی اور اگر

سے نکل دجس سے میں خود نہیں کھل پا رہا۔
 ”خون کا رنگ نہیں ہے، وہ دھیرے دھیرے
 میں یوں سوچنا ممنوع تھا، آپ نے سزا کو سزا
 کہہ رہے تھی، نہیں تھا میرے لئے اتنا آسان کہ
 آگ کے قریب رہ کر خود کو جلنے سے بچا سکتی،
 آپ کی محبت نے تو مجھے ہیسم کر ڈالا ہے۔“
 خاموش دیواروں کے درمیان اس کی کچلیاں پھر
 سے گونجن گئیں، مگر عاطر کے اندراب اطمینان
 پہلنے لگا تھا اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا،
 اپنی روتے روتے پھر سے بے ہوش ہو چکی تھی،
 نس نے اسے باہر جانے کا کہہ دیا۔

☆ ☆ ☆
گزشتہ رات وہ انجین کے حوالے سے زہر
آلود مٹکو بوا سمیت سب گھر والوں سے سنتا رہا
تھا، دل سے اس موضوع پہ بات کرنے کی کوشش
میں عاطر کو خاصا بارحاندہ دینے کو ملا تھا، دل تو
انجین کا نام بھی سننے کی بردوار نہیں تھی، اس
صورتحال نے عاطر کو وہی انجین میں گرفتار کر دیا
تھا، دل اگر انجین کی حمایت کرتا تو عقل باقی تمام
رشتے ناموں سے دست بردار ہونے کا حکم دینے
لگتی تھی، وہ بوجھل سر لئے بیڈ پہ لیٹ ہوا تھا کہ
لاؤنج سے بھانت بھانت کی بولیاں سامعوں کے
آر پار ہونے لگی تھیں۔
”دیکھو کتنی بے شرم لڑکی نکلی، جس کے
تھوں میں پٹی ایسی پہ ڈورے ڈال لئے۔“ یہ بوا
زہر تھا۔

”شادی سر پر ہے اور منوں نے نئی مصیبت
 دی ہے مجھے تو شروع سے ایک آنکھ نہ بھائی
 بھولی بھالی صورت والیاں اکثر ایسی ہی
 لتی ہیں۔“ یہ عاطر کی امی کا غبار تھا اگلین کے
 اپنے رشتے دار کیا کم تھے جو عاطر کو پرانی
 نکالے

لوگوں نے اپنی دولت لٹا کر اس کو سونپ چکا تھا۔ ہم
بہتیں اور جادو اسرار میں نظر آتا ہے عاقل کو خدا
تبارک و تعالیٰ نے جو کچھ چاہا ہے۔ یہاں
بہتیں ہیں جو احتجاج میں نہیں ہیں۔
جو ساری بھلائیوں کا فروغ کر کے بس اسی
فکر میں مبتلا ہیں کہ بھائی کی کمائی پر زیادہ سے
زیادہ حق ہمارا اور ہمارے بچوں کا ہے۔
”مجھے تو یہ سمجھ نہیں آتی کہ رمل کو ایسی کیا
سوچ ہو جو شادی سے ہی انکار کر دیا۔“ بو کی فکر
مندی میں ڈوبی اور آواز ابھری تو عاقل جو آنکھیں
موندے لیٹا تھا یکدم آنکھیں کھول کر دیکھ کر
”رمل نے شادی سے انکار کر دیا۔“ وہ

لب بڑھایا۔
اسے رمل سے اتنے محبت کی امید تھی، وہ بیڈ سے تیزی سے اتر کر باہر حقیقت معلوم کرنے کے لئے جانے ہی لگا تھا کہ خود کو روک لیا، رات بھر تو وہ ان سب کی کڑی تفریہ تیں سنتا رہا تھا، کوئی بھی صفائی میں کچھ کہنے کا موقع نہیں دے رہا تھا، اب اگر باہر جاتا تو سر سے اس کے پیچھے پڑ جاتے، وہ دونوں باتوں کا سہرا تھا مگر بیٹھ گیا، کنپئیاں درد سے تھرنے لگی ہیں، ذہنی تشکیش کا سلسلہ تھما نہیں تھا کہ دروازہ لٹنے کی آواز پہ وہ چونکا، دھبی سی مسکراہٹ بول بٹائے رمل کھڑی تھی۔

اندر آگئی ہوں؟“ وہ اجازت طلب کر کے اٹھ کھڑی ہوئی، عطر اس کے لمبے خوشبو دار کپڑوں میں بھرتا رہ سکا، اثبات میں سر ہلا کر آنے کا اشارہ دے پھرے سر جھکا لیا، دل آ کر اس کے برابر بیٹھ گئی۔

”انہیں کیسی ہے؟“ وہ تامل انداز میں بولی تو سمجھ رہا تھا کہ دل آ کر اگلی پچھلی کمرے آگئی۔

دے کر وہ بلا مقصد دیوار کو دیکھنے لگا تھا، شادی
انکار کرنے ہوئی والہاں میں بھی رہے
تہہ رہیں بلا ہوا۔
”مکمل.....“ تو اچھا ہوا، مبارک ہو تمہیں
آئینہ کی نئی زندگی۔“ دل کی خوش اخلاقی اسے
غیر ان کیے جاری تھی، خاطر اسے خاموش لگا ہوں
سے دیکر رہا تھا، مگر پھر خاموش نہ رہ پایا۔
”تمہیں آئینہ پر غصہ نہیں آ رہا؟“
”آیا تھا۔“ مدھم سا مسکراتے ہوئے دل
نے انکشاف کیا۔

میں نے اسے دیکھا تو دل چاہتا تھا کہ جان لے لوں، یہ سچ نہیں بلکہ جھوٹا دل، اپنا حق چھیننے والا ہے مجھے سخت نفرت ہو گئی تھی، کہ اس نے میری شہریت ہاروا۔

اس کے بعد وہ لوگوں کو دل کا چہرہ کرب کا رنگ دکھاتا رہا تھا۔

ان دنوں کروڑوں میں اس قصبے سے مکمل بے گرفتہ ہو گیاں کیوں کہ اور کسی؟“ عاطر کے لہجے میں تھکا ویش تھی، اسے دل اور اپنے گھر والوں سے دور کرنے کے لیے اس طرح روایات رکھ رہا تھا۔

سب کی طرح تم کو اس لیے خوش ہے مگر ایک دم اس کے ہاتھ ٹسنا آگیا۔ اس نے کہا: ”اب چلتے ہوئے دل نے خود کو روکنے سے دھکا اور انگلی میں پھنی لگ اتارنے چھوڑنے لگی جو عطر نے بہت محبت سے چھائی تھی۔“

ایک نئے گھر کے لئے مجھے لاکھوں گھر بھی انوالو
 ہو، بلکہ مجھے تو یہ شک بھی ہوا کہ تم دونوں شادی کر
 چکے ہو پس یہ سارا ڈرامہ اناؤں کرنے کے لئے
 تھا، مجھے تمہارے اوپر بھی بہت غصہ آیا کہ ایک
 بے سہارا لڑکی کو خود ہی پال کر اب اس سے شادی

”جس کا دل کر ڈالا ہو گا۔“ دل نے کہتے ہوئے
اپنی انگلی سے نگاہیں ڈالیں۔
”میں نے تو بھل کر دیا ہے۔“ عاطر
اس کی حالت پر مضطرب سا ہو گیا۔
”میں تو سچ منہ ہار میں پھنس کر رہ گیا
ہوں، تمہیں دیکھتا ہوں تو دل شرمندگی کے پوچھ
تے دینے لگتا ہے اور اس پاگل دیوانی کی لڑکی کو
دیکھتا ہوں تو دل کٹنے لگتا ہے جسے بہت محبت سے
پالا ہو جس کے ناز و خیرے اٹھائے ہو اس کی
تکلیف اور اذیت کی وجہ بھی میں ہوں۔“ عاطر
بے حد پوچھل آواز میں اپنے جذبات کا اظہار کر
رہا تھا۔

”کوئی کسی کی محبت میں اپنی جان بھی
سکتا ہے، زندگی میں پہلی بار محبت کی شدت سے
واقف ہو رہا ہوں۔“ عاطر یوں بولا کہ اگر مرد
ہوتا تو اس لئے رو پڑتا، رمل خاموشی سے اس
چہرے کے اتار چڑھاؤ ملاحظہ کر رہی تھی، ا
اندر کی تبدیلی جو ابھی تک عاطر نہیں سمجھ
رمل جان گئی تھی، ائین کی محبت نے اسے تو
رکھ دیا تھا۔

”آج ہونی ہے عاطر تمہیں بھی محبت
آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے وہ خوشدلی سے بولی
”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ جناب کہ جذبات کا یہ طوفان
میں نے کبھی اپنے لئے نہیں دیکھا جو آج دیکھ
ہوں، میں تو ترستی تھی کہ دو پیار کے بوجھ
میرے ساتھ بھی لو لو مگر، اس وقت تو تم مجھ
میں سے بھی ناواقف تھے۔“ وہ طوطی سے مسکراتی

”اگر حقیقت کی نظر سے دیکھیں تو ایسا عجیب و غریب
دونوں سے زیادہ الجھن میں ہے۔“ رمل ار
سجیدہ نظر آنے لگی تھی۔

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

أبن إنشاء

- اور دیکھو آخری کتاب
 غبارِ کثیم
 دیا کمال
 آوارہ گردی و انزوی
 ابن بطوطہ کے تعاقب میں
 چلتے ہو تو چین کو چلیے
 ٹھہری گئی پھر اسما سف
 خدا انشاء ہی کے
 اس بستی کے اک کپے میں
 چاندِ نغم
 دل وحشی
 آپ سے کبارِ دا

ڈاکٹر مولوی عبد الحق

قواعد اردو

ڈاکٹر اسید عبد اللہ

طیف نثر.....*

طیف غزل

طیف اقبال.....

لاہور اکیڈمی

چوک اور دو بازار لاہور

فون: 3710797, 042-37321690

”اودھ تو یہ سب ہوتا تھا“۔ عاطر کے دل میں کوئی خوشی سے جھوم اٹھا تھا، گلے کو کھنکھارتے ہوئے عاطر نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا تو وہ کھلا ہٹ میں انگلیں کے ہاتھ سے کوٹ گر پڑا اس کو تالین سے اٹھا کر بیڈ پر رکھ کر سر عرت سے باہر نکلے ہی گئی تھی کہ عاطر نے اس کی ریشمی کلائی

میں نے کہا تھا کہ گلاب کی لکیوں کے
 آئینے میں میری تصویر سے لطف اندوز ہوتے
 ہیں۔ اس کے سر اے کا جائزہ لیا، ہنسی
 نکالی، حسین جسم و مکتب کتاب چہرہ، رنگ کھانے
 کی سبک دوشیزا کے تاتھوں سے
 اٹھی اور نئی دکھائی دے رہی تھی۔

”وہی بڑی چچی رستم نکی ہو۔“ اس کی کال کا جواب دے کر اس نے کال کو بند کر دیا۔ اس نے اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ کر سوچا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ اس نے اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ کر سوچا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔ اس نے اپنے کمرے میں آ کر بیٹھ کر سوچا کہ اس کا کیا کرنا ہے۔

”مجھے پتہ ہی نہیں چل سکا عاطر کے کپ
پائے خال کی نقاب دھوپ میں رہ رہتے چلتی
دور نکلی گئی کہ واپسی کے تمام راستے بند ہو
دل کو بہت بھایا اور ٹوکا مگر، ”لب بکلتہ وہ
کے مارے کچھ کہنے کے قابل نہ رہی تھی، اس
بہت سے دیکھنے عاطر نے نہایت پیار سے اس
کے تھما تو حیرانی سے دیکھنے لگی، دل کی دی
نازدکی ہیرے کی انگلیوں اس کی خرمی انگلی
بہاؤی۔“

”تم ہی کہتے تھے اس کی ہاتھ کی لکیروں میں عاطر۔“

”گھر والوں کی پرواہ نہ کرنا ان کو مطمئن کرنا میرا کام ہے۔“ الوداعی مسکراہٹ کے ساتھ رمل کمرے سے نکل گئی اور عاطر کو بھی بہت سی انجھنوں سے نکال دی گئی۔

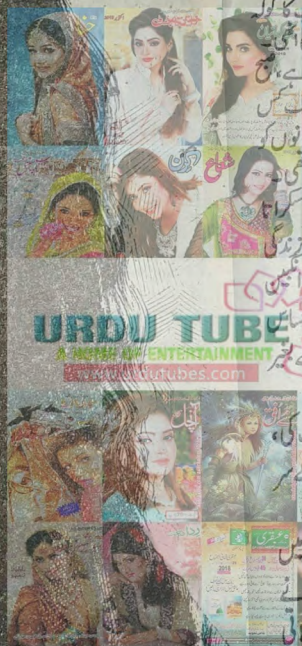
☆ ☆ ☆
 سیاہ قمیض کے ساتھ سیاہ جوتی دار باجرام
 وہ رنگ دوپٹہ زیب تن کیے تھے وہ کمرہ
 کھلا چھوڑا وہ مجسم حسن اپنے دھیان میں
 اطر کے کمرے کی بے ترقی سجادہ رانی کی
 ت سے کلی بے خبر کے دو سر کی محبت
 نکلیں اسے محبت کے ساتھ دیکھ رہی تھیں
 مرے کی ترتیب سے فارغ ہوئی تو بیکار
 لڑکے جوتوں پہ پڑی تو وہ مکمل
 نہ آتی مانتی مار کر سرخ غمیل قالین پر

اور اپنے سفید آچل سے اس نے چوڑا
نے گی تو عاطر کی آنکھوں کی چمک میں
نہ ہو گیا، سیاہ پالش سفید روپے کو بھی سیاہ
دے گئی مگر اس دیوانی مستی کے براہ
تھی، جو توں کے بعد باری عطر کے
جسے پہلے تو دونوں ہاتھوں میں غلام کر
س سے اٹھتی بھیننی بھیننی سی مہک کو
میں قید کیا، آنکھیں بند کیے وہ لمحہ بھر
روپیش سے بیگانہ تھی، یہ منظر دیکھ کر عطر
س پہ بے ساختہ ہنسی دوڑ گئی، آج پہلا
وہ اس کی نگاہ کو ان کا دکھ رہا تھا، اب

”عاطر، اس کے لئے دنیا میں واحد راستہ
ہی ہو اور ہم اس پر جاری رہے وہ بھی چھین لیتا
چاہتے ہیں، اور اسی جان کو تو ریلیاں لگتی،
عاطر محبت انسان کو پویا بنے اختیار سارے دین
ہے، اس کی خاطر انسان کسی کی جان لینے کے در
پر ہو جاتا ہے اور کبھی اپنی۔“ رمل کی ہنسی آنکھیں
اب خشک ہونے لگی تھیں جیسے اسے صبر آگیا ہو۔
”محبت کرنے والے، محبت کا درد سمجھتے ہیں
عاطر اور جب مجھے یہ سمجھ آیا تو مجھے انگلیں پر رحم
آنے لگے، مجھے لگا وہ زیادہ حق دار ہے اور میں ہی
تو اس کی ہر معاملے میں حمایت کرتی تھی، پھر آج
کیوں اس کی دشمن بن جاؤں یہ وہی تو معصوم سی
بچی ہے جو ہم دونوں کو بہت پیاری ہے اور میں
انگلیں کے معاملے میں تمہارے حق سے دست
بردار ہوتی ہوں عاطر۔“ مگنی کی انگوٹھی عاطر کو
پکڑاتے ہوئے وہ اعلیٰ ظرفی سے مسکرائی۔
”اور ہاں یہ صرف انگلیں کے لئے ہے
عاطر، کوئی اور اگر اس کی طرف دیکھتی بھی تو شاید
میں اس کی جان لینے لیتی مگر انگلیں کی بات اور
ہے وہ اس کی حق حفاظت کرے گی۔“ جاتے
جاتے شوخی سے بولی۔

”زل!“ اس کی پکار پر وہ دوبارہ چلی۔
زل نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا
تھا، وہ شاید بہت کچھ کہنا چاہ رہا تھا مگر رل کی اعلیٰ
ظرفی نے اس کی زبان پر قفل لگا دیا تھا، زندگی
میں ہمیشہ وہ اس کی الجھنیں دور کرتی چلی آئی تھی
اور آج بھی اس کی مشکل کشائی تھی۔
”عاطر میں نے تم پر یا ائین پر کوئی احسان
نہیں کیا بلکہ محبت کو در بدری بے پیمایا ہے ہم
دوسے تو پھر چوٹ کھا کر سنبھل جاتے ہیں مگر
ائین تو ابھی لپکتی ہے، تم میرا الصیب ہی نہیں تھے تم
صیب ہی ائین کا تھے جس کو ڈھنڈتے وہ

رابعه افتخار شیخ



☆ ☆ ☆

اولا جی خاموشی سے دیکھ رہی تھی
ملوں پر آنکھیں باریک کرتے
تھے۔

ان کے آخری ج
اعلیٰ جو بوج
سامان خاطر کے
لگاتے ہوئے
چھوٹے کاموں
ہی مار ڈالے
کرے گی، اب
بچپن میں
کے چھوٹے
بڑھ کر ان
”تہم“

شعاری کا درس دے کر بھیجا تھا احمد کی کمانی کا
 ایک اور بچہ بیٹا بیٹا بیٹا بیٹا بیٹا بیٹا بیٹا
 سبیل سبیل سبیل سبیل سبیل سبیل سبیل سبیل
 سارے کام اپنے ہاتھوں سے کرتی ہوں، اکثر
 احمد کہتے ہیں کہ ماما رکھ لو لیکن میرا ہر بار یہی
 جواب ہوتا ہے کہ جب تک ہمت ہے خود کروں
 گی سارے کام اور جو ماما کو دینے ہیں، بچت کر
 لوں گی، حماد کو سکول داخل کروانے کے لئے بھی
 میں نے بہت سوچ سمجھ کر جو پیسے ایک انگلش
 میڈیم سکول میں داخل کروا دیجائیں گی فیس بھی
 مناسب ہے اور تعلیم کا معیار بھی ٹھیک ہے۔
 فائزہ کی باتیں ماہ نور کے اندر آگ لگا رہی تھیں،
 ایک جھپٹکے سے ساس کے کمرے کا دروازہ کھول کر
 وہ اندر چلی گئی۔

”آپ یہاں ای کو پٹیاں بڑھانے اور ان
 کے کان بھرنے آتی ہیں، اپنے گھر کی مثالیں
 اپنے پاس ہی رکھیں تو بہتر ہوگا، اگر آپ ملازم
 افروز نہیں کر سکتے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے،
 میرے گھر کے معاملات میں اگر مداخلت نہیں
 کریں گی تو بہتر ہوگا۔“ اس کی زبان اور لہجہ فائزہ
 کو خاموش کروانے کے لئے کافی تھا، شام تک وہ
 بیگ اٹھائے واپس چلی گئی، امی ابوروکتے رہے
 لیکن وہ حماد کا دل نہ لگنے کا بہانہ کر کے اپنے گھر
 چلی گئی، کچھ دن گزرے تو احمد اور ان کی امی
 عمرے کی ادائیگی سے واپس آگئے، ماہ نور اور امی
 دونوں مبارک دینے لگی تھیں۔

ماہ نور کی آسانی کے لئے ڈرائیور بھی رکھ لیا
 گیا تھا، سفیان کی ترقی ہو گئی تھی اور خواہ میں بھی
 کافی اضافہ ہو گیا تھا، ماہ نور کا انتہائی قیمتی جوتا اور
 زیور دیکھ کر فائزہ نے ناگواری سے منہ پھیر لیا تھا،
 گھر آئے مہمان ہونے کی حیثیت سے تو وضع
 اس کا فرض تھا، سادہ سے ڈرائنگ روم میں چائے

ہیں کل بیٹی بھی مانگے گی، ساری تحوہ اب اسے
 دے دیتے ہوں گے۔“ اسے اپنے جوتے اور زیور
 اس کے پاس رکھ کر دیکھ کر فائزہ
 کی باتیں پسند نہ آتی تھیں، اس کا آنا ہی ماہ
 نور کو اچھا نہیں لگتا تھا۔

”فائزہ کے اپنے سسرال میں یہ سب نہیں
 ہے ناں اسی لئے، اس سے برداشت نہیں ہوتا
 میرا کچھ، میرا آرام۔“ وہ بڑبڑاتے ہوئے آگے
 بڑھ جاتی، ساس بیٹی کی باتیں سن کر خاموش ہو
 جاتی تھیں، بھی بھوکے معاملات میں مداخلت نہ کی
 جاتی، جیسے ہی ہمارے گھر کے خوف سے بھی کوئی
 مداخلت نہ کرتی۔



فائزہ کے شوہر اپنی والدہ کے ساتھ عمرہ پر
 گئے تھے، گھر پر کوئی نہیں تھا تو وہ اپنے بیٹے کے
 ہمراہ ماں کے گھر آئی، سب مکمل طور پر خالہ جان
 لگنا پکا کر مانی لگ کے ہاتھ میں تھا، فریج میں
 انواع و اقسام کے کھانے ذخیرہ تھے، آئس کریم کا
 ہر فلاں اور ڈسک میں اور چائیاں بھی تھیں، گوشت
 اور پیڑیوں کا ذخیرہ الگ تھا، فائزہ کو یہ سب
 محض خریدی ایک پہل تھا اور اس نے امی سے کہہ
 دیا۔

”انسان کو اپنی اوقات اور حیثیت میں رہ کر
 کام کرنا چاہیے امی، آج کامیو بریانی، کوفتے
 اڑھے، کباب اور کھیر ہے، کسی کی دعوت ہے
 کیا؟“ اس کے سوال پر امی نے نفی میں سر ہلایا
 تھا۔

”نہیں بیٹی..... یہ اب اس گھر کا معمول
 ہے، روزانہ ایسا ہی کھانا بنتا ہے اور جو چاہنا ہے
 وہ ملازم لے جاتے ہیں۔“ امی کا اطمینان دیکھ کر
 فائزہ کا اچناسر پھٹنے کو ہی چاہ رہا تھا۔
 ”امی مجھے تو آپ نے بچت اور کفایت

مٹھائی اور گوشت کھانے کی طرح بنی تھی سال
 کی طرح بنی تھی، کھانا کھانے کے ترن کھانا
 میں داخل کروا دینا اس کا کیا عمل اور اس
 جیسی بڑی گاڑی تو نہیں کسی لیکن گھر میں گاڑی اور
 موٹر سائیکل دونوں سواریاں موجود تھیں، ڈبل
 سٹوری شاعر مکان تھا، گھر میں دو ملازم بھی آتی
 تھیں، ایک روزانہ کی بنیاد پر جو سارے گھر کی
 صفائی سہرائی کرتی تھی اور ناشتے کے برتن دھو کر
 جاتی تھی اور دوسری جو ہفتہ بعد آتی تھی اور
 سارے گھر کے کپڑوں کی دھلائی اور راستی کرتی
 تھی، ماہ نور کو بچی کے ساتھ کھانا کھانے کی بہت
 مشکل لگتا تھا، بڑی بھائی نے گھر میں لگ رکھا
 تو ماہ نور نے بھی سفیان سے لگت کی فرمائش کر
 دی۔

”جب تک بچی چھوٹی ہے لگ رکھنا چاہیے
 گا، میں ناشتہ بنا لوں، بچی بہت سے دن اور
 رات کے کھانے کے لئے لگ کا بندوبست کرنا
 پڑے گا۔“ اس کی یہ فرمائش بھی سفیان نے پوری
 کر دی اور ایک بزرگ ملازمہ جو کھانا پکانے میں
 ماہر تھیں انہیں رکھ لیا، اب تو ماہ نور کے لئے آرام
 ہی آرام تھا، بچی کو سکول بھیج کر وہ باقی بچی
 دیکھتی یا بار بار چلی جاتی، کبھی شاپنگ برادری کی
 سیملی کے ہاں، پیچھے سے ساس بے جا رہی
 ملازمہ کی نگرانی برگی رہیں، جو تندرستی کو کم
 کے یہ حالات دیکھ کر ناگواری سے منہ پھرائی اور
 ماں کو بھی سمجھائی۔

”برادرت بتا کر نہیں آتا امی، ابو کی پیش
 سے سارا گھر نہیں چل سکتا اور سفیان کی نوکری
 کوئی سرکاری نوکری تو ہے نہیں کہ آگے کی کوئی فکر
 نہیں ہوگی، آج اللہ نے گود میں بیٹی ڈالی ہے کل
 کو دوسری اولاد بھی ہوگی، بھابھی کو عقل بھی ہے
 کہ نہیں، آج جو آسائش خود کے لئے ڈھونڈ

زندگی بسر کر سکتی تھی، خوشحال اور پر
 آسائش، لیکن ان کے پاس کوئی مالی گنجائش
 سرک پر پہلا چھٹا اس وقت لگا جب سفیان کی
 ملازمت ختم ہو گئی، ماہ نور کے لئے یہ جھٹکا بہت
 زوردار تھا، وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے کی لاڈلی
 بیٹی تھی، دو بڑے بھائی تھے جنہوں نے ڈیڑھ کی
 بڑس سنبھال رکھا تھا، دونوں کی اعلیٰ شان دار
 رہائش گاہیں اور بہترین گاڑیاں تھیں، بڑے
 بھائی عادل کے دو بچے تھے اور دونوں اچھے
 سکولوں میں زیر تعلیم تھے، دوسرے بھائی عمران کی
 ایک ہی بیٹی تھی اور وہ بھی شہر کے سب سے مہنگے
 سکولوں کی چھان پچھ کر کے بعد ایک کا
 انتخاب کر کے داخل ہو چکی تھی، اس کے لئے
 سفیان کا رشتہ آیا تو بھابیوں نے کوئی نقص نہ نکالا
 بلکہ لڑکے کے گھر والوں اور لڑکے کی تقریبات میں
 زمین آسمان کے قلعے ملا کر بھائیوں کے سامنے
 پیش کیا، ماہ نور ابھی تعلیم مکمل کر کے فارغ ہوئی
 تھی، بھائیوں کو لڑکے والوں کے معاشی حالات
 پر تعویذ اعتراض تھا لیکن پھر بیویوں کے سمجھانے
 پر انہوں نے بھی حامی بھری اور یوں ماہ نور بیاہ کر
 سسرال آگئی، سسرال میں سسر اور ساس دونوں
 حیات تھے، ایک شادی شدہ تندی، سرکوسر کاری
 سکول کے رینارڈ ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے پیش
 آتی تھی، ساس مکمل گھریلو خاتون تھیں، سفیان
 ایک اچھی فرم میں کام کرتے تھے اور ماہانہ پچاس
 ساٹھ ہزار کما لیتے تھے، ماہ نور کے لئے یہاں بیکے
 جیسی آسائش تو نہیں تھیں لیکن معاشی بھی نام کی
 بھی کوئی پریشانی نہیں تھی، سفیان کا اسے ٹی ایم
 کارڈ ماہ نور کے پاس ہی رہتا تھا، اس کا جب جی
 چاہتا وہ شاپنگ کے لئے چلی جاتی تھی۔

پہلی اولاد کی صورت میں اللہ نے بیٹی دی
 تھی، جی کھول کر بچی کی شاپنگ کی، حقیقت کیا،

بہنہ ہوگی۔ بھائی نے غصے سے کہا، اسے امید نہیں کی کہ اس کے بڑے بھائی کو بھائی کے رشتے پر اسے سزا دی جائے گی، اب اسے ہی غور کرو۔

”آپ نے بھی تو بھائیوں کے کہنے پر جھٹ سے بیاہ دیا، یہ تو جان چھڑانا چاہتی تھیں، آپ لوگ اتنا تو دیکھ لیتے تھے کہ لڑکے کی نوکری سرکاری ہے یا نہیں، میرے لئے بھی کوئی برنس مین دھوڑ لیتے تھے۔“ وہ چڑ کر بولی گئی۔

”اچھا خاصا تو ہے سفیان، اپنا گھر ہے، اچھی ملازمت بھی، اگر کچھ بچت کی ہوئی تو آج یہ مشکل درپیش نہ ہوتی، نوکری تو اسے کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی، اب تمہیں فیصلہ کرنا ہے کہ آگے تمہیں کیسے گزارہ کرنا ہے۔“ بھائی بات مکمل کر کے چلے گئے، وہ کتنی ہی دیر وہاں کھڑی رہی۔

”دیکھو ماہ نور، مشکل وقت میں شوہر کو چھوڑنا کوئی ٹھنڈی کا فیصلہ نہیں، بہت غلط کیا تم نے۔“ بھائی نے بھی فلسفہ بھاڑا تو وہ اٹھی اور وہ پاؤں پٹختی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

تین ماہ گزر گئے، راین کوئی الحال وہ گھر پر ہی پڑھا رہی تھی، عمران بھائی نے صاف انکار کر دیا بڑے سکول میں داخل کروانے سے۔

”میری اپنی پتی کی فیس بہت زیادہ ہے، میں نے تو خود تانہ سے کہہ دیا ہے کہ ہائی سکول میں کسی گورنمنٹ سکول میں داخل کروادیں گے، بنیاد اچھی بن گئی ہے بس، اب اتنی مہنگی کتابیں اور فیس اور فرائیں کر سکتا میں۔“

اور عادل بھائی نے بھی کسی عام سے سکول میں داخل کروانے اور اخراجات اٹھانے کی حامی بھری تھی، اس نے خود انکار کر دیا۔

پتہ نہیں اس کا وہم تھا یا حالات واقعی بدل چکے تھے۔ اب وہ صرف سفیان کے لئے ہی غور کر رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ جو اس کی شادی سے پہلے تھے، اب بھائیوں کے خچرے بھی اب پہلے جیسے نہیں رہے تھے۔

”بہت مہنگائی ہے، اخراجات کا ایک پھیلا ہوتا ہے ہر روز، بچے پڑھائی والے ہوں تو آہستہ آہستہ فضول خرچیوں کے گھوڑے کو لگا دینی عی پڑتی ہے۔“ اس کے استفسار پر چھوٹی بھائی نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا تھا، وہ دیکھ رہی تھی

اب دونوں بھابھیاں پارٹی میں تھیں اور شاپنگ کے لئے بھی جہاں ہر دوسرے دن جاتا تھا۔

”آپ اب چھوڑی نہیں رہتی بھابھی؟“ بڑی بھائی کو طعانی زور پر سننے کا بہت خوش تھا وہی وقت بنی سنواری رہتی تھیں۔

”نہیں..... دراصل تمہارے دونوں بھائی

جائیداد میں سے تمہارا حصہ الگ کرنا چاہتے تھے ہم نے یہ گھر بیچنے سے انکار کر دیا اور دونوں یہی طے کیا کہ اپنا زور دے کر تمہارا حصہ الگ کر لیں۔“

جب جائیداد کے حصے ہوں تو تمہارے بھائیوں کوئی مشکل نہ ہو۔“ ان کا جواب سن کر وہ ہکا بھکا کھڑی رہ گئی، اس کی دونوں بھابھیاں ہر طرف کے حالات میں اپنے شوہروں کے ساتھ کھڑی

تھیں، ایک وہ وقت تھا جب گھر میں ملازم ملازم تھے، ہر سال دو سال بعد گاڑی کا کارڈ تبدیل ہوتا تھا، بڑی بھابھی زیور سے لدا

پھندی رہتی تھیں اور ایک یہ وقت ہے لیکن یہاں حالات شاید زیادہ خراب اسی لئے نہیں ہو تھے کیونکہ دونوں بھابھیاں اپنے شوہروں کے

طرح کے حالات میں گزارہ کرنا جانتی تھیں۔

انہوں نے فضول خرچی کی راہ چھوڑ کر میانہ روی اختیار کر لی تھی۔ وہ خود تنہا کا چارہ بننے لگی تھیں۔

☆☆☆

دونوں بھابھوں نے گرمی لینے اسٹور جانا تھا، اسے بھی زبردستی ساتھ لے لیا۔

”میں کیا کروں گی جا کر بھابھی، آپ لوگ جاسیے۔“

”کھر بیٹھ بیٹھ کر یونی سوچتی رہتی ہو، کوئی فیصلہ بھی نہیں لے رہی تم۔“ بڑی بھابھی نے اس کا ہاتھ تھاما۔

”شوہر اور چلتی سے تیار ہو کر نیچے آ جاؤ بھابھی، میں گھر پر ہی رہیں گے تم بھابھی۔“ وہ اسے تیار ہونے کی تاکید کر کے باہر نکل گئیں۔

وہ بے دماغ سے اٹھی، بھابھوں کو پورے بیچنے کی شاپنگ کرانی تھی، وہ یونی اور دوسرے دیکھتی رہی، اسے اپنی گرمی کی شاپنگ یاد آنے لگی،

چانکی شاپنگ سے ہی فائزہ نے پہلی بار اس کی فضول خرچی پر باتیں کی تھیں، یونی آنکھیں میچنے لگیں۔

”کیوں؟“ بھابھی نے اس کی حالت ہوں؟ بھابھی نے اس کے ہاتھ لے کر دیکھا کہ کہیں دونوں بھابھوں میں سے کسی سے شکوہ تو نہیں لیا، اٹھی نظر پڑا۔

”بھابھی بھول گئی، سامنے سفیان کھڑے تھے، ان کی توجہ سفیان کی طرف تھی، ساتھ فائزہ بھی جو ماہ نور کو دیکھ رہی تھی، ماہ نور کی ہانسی لگ گئی، بہت کچھ کہہ رہی تھیں، فائزہ نے سفیان کی توجہ اس طرف

کرا دی تو ماہ نور نے نظر سے جھکا لیں اور بھابھی کی تلاش میں دوسرا دھڑ دیکھنے لگی، سفیان پہلو سے نکل کر آگے بڑھ گئے، دل میں درد کی شدید لہر اٹھی تھی، فائزہ اس کے قریب آرکی۔

”کیسی ہو ماہ نور اور راین کیسی ہے؟“ ”ٹھیک ہوں اور راین بھی ٹھیک ہے۔“

آکھیں پھر آنسوؤں سے آنسو لگ گئیں۔

”اگر یاد کرتے تو یوں نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتے۔“ شکوہ زبان سے پھسل گیا تھا۔

”مرد کی محبت بہت عجیب ہوتی ہے ماہ نور، اس کی چاہ کے موسم بھی عجیب ہوتے ہیں، جب سکھ کا خوشحالی کا موسم ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ دنیا جہان کی ہر خوشی، ہر نعمت لا کر اپنی بیوی کے قدموں میں رکھ دے، اسے آرام اور ہر آسائش دے، لیکن جب تنگدستی کا مہل کا موسم آتا ہے تو

وہ ہی مرد سب سے پہلے اپنی پریشانی اپنی شریک حیات کو بتاتا ہے، اس مشکل وقت میں عورت کی تسکین کے دو بول، اس کی دعائیں، اس کا دل لاس،

اس کا ساتھ بھانپنا مرد کو کتنی امید اور حوصلہ دیتا ہے، سفیان نے سکھ کے موسم میں تم پر آسائشوں کے پھولوں کی بارش کر دی اور تم نے کیا کیا ماہ

نور؟ اس کے باوجود اس نے کوئی شکوہ نہیں کیا، تمہارے بھائی بھابھوں سے کوئی شکایت نہیں کی، تمہارے یوں چھوڑ آنے پر کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھایا، امی ابو تو تمہارے بغیر اسے چھوڑ کر

جانا بھی نہیں چاہتے تھے، ابو نے اپنی جمع پونجی سفیان کو کاروبار چھانے کے لئے بھی لیکن اس نے انکار کر دیا اور امی ابو سے کہا کہ وہ عمرہ پر

جائیں اور اس کے لئے وہاں جا کر دعا کریں اور دیکھو امی ابو نے وہاں جا کر دعا کی اور یہاں رب نے نیل بنادی، سفیان کا انٹرویو تھا، جاب مل گئی

ہے، سیکری بھی اچھی ہے، لیکن پرائیویٹ جاب



اردو کی آخری کتاب

طنز و مزاح



آج ہی اپنے قریبی کسان یا رشتہ دار سے ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محلہ ایشن میڈین مارکیٹ 207 مرکز روڈ اردو بازار لاہور
فون: 042-37310797, 042-37321690

اس سوالیہ فقرہ سے فائزہ کی سمت دیکھا۔
”میری بدکار ہے، مفید بھی کوئی نصیحت
دفعہ یا عام نہ ہے۔“ اس کا جواب دیا۔
ہوں مفید کو بہت پرانی دوست ہے میری، بے
چاری کا شوہر سبزی کا خٹلا لگاتا ہے، چار بچے
ہیں، عزت دار شریف گھرانے سے تعلق ہے تو
بس میرے ہی گھر آتی ہے۔“ فائزہ کی وضاحت
پر اپنی تکبرانہ سوچ پر بے حد شرمندگی ہوئی، اس
نے فائزہ کو ملازمہ اور ڈنڈہ کرنے کا طعنہ دیا تھا اور
وہ ایک ملازمہ کو بھی دوست کہہ رہی تھی اور وہ
مفید وہ بھی تو ایک عورت تھی جو اپنے شوہر کا ہاتھ
بٹانے کے لئے اپنی عزت اور سفید پوشی کا مجرم
رکتے ہوئے اس کا ساتھ نبھا رہی تھی، بھائی
بھائی کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے۔

”نہیں اب اس چھوڑ کر بھی نہیں جاؤں گی
سفیان اپنے گھر کے سارے کام خود کروں گی،
آپ کی چاہ کے ہر موسم میں آپ کا ساتھ بھانوں
گی، یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔“ اس نے سفیان

بہت بڑی ہے، مگر جاتی ہوں آپ کا علاج
”جھے بھی پڑا ہے۔“
”مطلب“
”کی کا احساس ہوئے پر معافی بھی تو
مانگ لی ناں تم نے، اب بس کرو، جھے یقین تھا
کہ تم واپس آؤ گی اور تمہیں احساس بھی ہوگا کہ
ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے،
راہیں ہماری بیٹی کو ہم دونوں کی اس گھر کی
ضرورت ہے۔“ سفیان اسے ہاتھ تھامے اندر کی
طرف لے آیا۔
”جھے آپ سب سے معافی مانگی ہے،
سفیان آپ سے فائزہ سے، امی ابو سے۔“
ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے وہ آنسو
صاف کرنے لگی، ملازمہ ڈرنک سرور کر رہی تھی،

”کیا کر رہی ہو ماہ نورہ مت کرو ایسا۔“ اس
کے بندھے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں
تھامتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا۔ فائزہ
بھی آنکھیں وہ ماہ نورہ کے بھائی بھائی اور راہیں کو
اندلے لگیں۔
”آئیے پلیز، اندر آ جائیں، آج اور راہیں
گڑیا حماد کے ساتھ کھیلتا ہے آپ نے۔“ ان کے
اندر جاتے ہی وہ سفیان کے قریب آ گئی۔
”جھے معاف کر دیں سفیان، اب کوئی مسئلہ
وقت میں اکیلا چھوڑ گئی، پلیز سفیان، میری طبیعت
بہت بڑی ہے، مگر جاتی ہوں آپ کا علاج
”جھے بھی پڑا ہے۔“
”مطلب“
”کی کا احساس ہوئے پر معافی بھی تو
مانگ لی ناں تم نے، اب بس کرو، جھے یقین تھا
کہ تم واپس آؤ گی اور تمہیں احساس بھی ہوگا کہ
ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے،
راہیں ہماری بیٹی کو ہم دونوں کی اس گھر کی
ضرورت ہے۔“ سفیان اسے ہاتھ تھامے اندر کی
طرف لے آیا۔
”جھے آپ سب سے معافی مانگی ہے،
سفیان آپ سے فائزہ سے، امی ابو سے۔“
ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے وہ آنسو
صاف کرنے لگی، ملازمہ ڈرنک سرور کر رہی تھی،

”دو..... دو گاڑی۔“ ماہ نورہ نے باہر کھڑی
گاڑی کی سمت اشارہ کیا، جس کی ڈرائیونگ سیٹ
پر بیٹھا سفیان اسے سیکر نظر انداز کر رہا تھا۔
”میری ہے، احمد نے میری آسانی کے
لئے لے کر دی ہے اچھ مصروف تھے اور جھے بھی
ای کی گھر کی گھروری لینی تھی تو سفیان کے ساتھ
آئی۔“
”اچھا۔“ بے حد پست آواز نکلی ماہ نورہ کے
حلق سے، شرمندگی اور احساس ندامت سے سر
جھک گیا۔
”ماہ نورہ، تم نے حال کیا بنا یا ہے اپنا؟
خود پر دھیان نہیں دیتی کیا، مگر جا کر آئیے میں
خود کو دیکھنا، سفیان کو چھوڑ کر رنگ روپ پر باد کر لیا
تم نے۔“ فائزہ ایک باجر مڑ کر اس کے سامنے آ
کھڑی ہوئیں، دور کھڑی بھابیوں نے یہ منظر
دیکھا اور وہیں رک گئیں، ماہ نورہ نے نظر اٹھا کر
دیکھا، فائزہ خوبصورت جدید انداز کے سوٹ میں
لبوس تھی، صاف ستھری دلی سکین، ہلکا پھلکا زیور
پہنے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔
”اپنا خیال رکھنا۔“

”جھے آپ سب سے معافی مانگی ہے،
سفیان آپ سے فائزہ سے، امی ابو سے۔“
ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے وہ آنسو
صاف کرنے لگی، ملازمہ ڈرنک سرور کر رہی تھی،

ہوئے مریے ہیں اور مروتا کر لیتے ہیں لیکن ایسے لوگ زندگی کے اصل گم سے مدد ہو جاتے ہیں اور وہ نہیں کہیں بلکہ انسان کو زار و بری ہوئی ہے اور یہ سب سے زیادہ تکلیف دہ لحات ہوتے ہیں، آئینہ دل بھی ایک ایسا سراب ہے کہ جس کے حصول کے لئے سب بھگتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس فانی دنیا میں کچھ بھی مکمل اور بھرپور نہیں سوائے اس ذات کے کہ جس نے یہ کائنات تخلیق کی، لیکن کیا کیا جاسکتا ہے؟ انسان سے نا پھر!! فطرتا جلد باز بھی اور خطا کا پتلا بھی! باز نہیں آتا!

☆☆☆

”اوہ چمے خدایا مشکاۃ تم یقیناً اندھی ہو جو تمہیں اس شخص کی خوبصورتی نظر نہیں آتی، یار اچھا خاصا بندہ ہے کتنا ہنڈم اور گڈ لوکنگ ہے اور تمہیں نخرے سون رہے ہیں، شرم کرو شرم۔“

مکمل ناول

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com



ہندوستان کی تاریخ اور زور سے

”اجھا ناٹھ جاتی ہوں بس تھوڑا سا رات“

ہوئے تھیں ان کی دلی جلد آس ہوئی

سدرہ اس کی تصویر دیکھ کر حیران رہ گیا

☆ ☆ ☆
”حسن ولا“ گھر نہیں بلکہ ایک پورا چڑیا گھر تھا کہ جس میں ہر وقت چاہے جس ہو یا رات چہل پہل ایسے عروج پر ہوئی تھی، یہاں کسی وقت شور نہ ہوا اور چہل چل کا سکون ہوا یا ہو ہی نہیں سکتا تھا، دو پہل سکون کے اس گھر میں کسی کو میسر نہیں تھے۔

”السلام علیکم لیدی! گڈ مارننگ۔“ اتنی ہی دیر میں پوری فوج نے ہلہ بول دیا، مریم، منال، اشال، شمرین چاروں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئیں اور مشاکا کے ارد گرد بیڈ پر جہاں جگہ کی دہاں بیٹھ گئیں۔

کر گئی تھیں کہ صدموں سے یہ چاروں ساتھ ہیں، لیکن ان کی یہ ایک ہی نظر تھی بیڈ پر لیٹیں اس کے علاوہ کسی پر جگہ ایک ساتھ بیٹھی جاتی تھیں، پنجاب یونیورسٹی کے بزنس ایڈمنسٹریشن ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ لینے سے پہلے چاروں ایک دوسرے کے لئے اچھی تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ایک دوسرے کے قریب ہوتی گئیں، باقی کی کلاس بھی بہت تھی لیکن چاروں کی یکسوئی بہت بڑھ کر رہی تھی جس کی وجہ سے وہ چاروں ہی ایک دوسرے کے لئے کافی تھیں، مشاکا بانی بیڈوں سے زیادہ خوبصورت اور خرمی تھی اس کی چہرہ پر زیادہ جلدی پسند نہیں آتی تھیں، مشاکا کی مٹکی ہو چکی تھی اور

”اگر اتنا ہی اچھا کہ تم تینوں میں سے کوئی ایک رکھ لو اس کو میری تو جان چھوٹے پارا“ مشاکا نے اپنی طرف سے تنبیہ کی سے کہا جس پر تینوں کا قہقہہ سننے سے قفل رکھتا تھا۔
”یار تم کیا چیز ہو، لڑکیاں ایسے سنگیتروں کے لئے اپنا ڈیڑھو ہوتی ہیں اور تم اپنا سنگیتر ہمیں گفٹ کر رہی ہو واہ واہ، دوست ہو تو ایسی۔“

عنایت حسن، شاہ میر حسن اور عبداللہ حسن تین بھائی تھے، حسن علی اور سکینہ بیگم کی تین اولاد تھیں اور تینوں ہی بیٹے تھے، عنایت حسن اور شاہ میر حسن دونوں جڑواں تھے، ان دونوں کو سکینہ بیگم نے ایک ساتھ بہت مشکل سے بالا اور جب دونوں ایک سال کے ہوئے اللہ نے تیسرا بیٹا عبداللہ حسن عطا کر دیا اور اب ان تین بچوں کو ایک ساتھ سنبھالنا، سکینہ بیگم کو بچ معنوں میں دن میں تارے دکھا دیا کرتے تھے، کچھ عرصہ ساس سر کی معاونت رہی لیکن پھر وہ بھی اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے اور ان کو خود ہی کرنا تھا جو کرنا تھا، نند، دیورا اور جٹھ کے نام پر کوئی نہیں تھا کیونکہ حسن علی اگلی اولاد تھے، حسن علی کے باپ کے پاس جائیداد کے نام پر کئی ایکٹرز زمین تھی اور ان کی وفات کے بعد وہ سب حسن علی کا ہی تھا، خیر وقت گزرتا رہا، حسن علی کو خود بڑھنے کا بہت شوق تھا لیکن چھوٹی عمر میں ان کی شادی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان کا یہ شوق اٹھوڑا رہ گیا انہوں نے اپنی اولاد کو بڑھانے کا سوچ لیا تھا اور انہوں نے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنایا اور اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوائی، بیٹیوں بیٹیوں نے تعلیم حاصل کر کے ایک ساتھ بزنس شروع کرنے کا سوچ اور ایک ساتھ ہی رہنے کا فیصلہ کیا، حسن علی اور

”یا اللہ! اس چڑیا گھر میں کوئی کیسے بھلا دو“ ان کی اس بات سے سلسلہ ہے۔ “مشاکا تنگ آ رہی تھی اور اپنے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے بے فکری سے کہا۔
”مشاکا آئی یہ نہ بھولیں آپ بھی اس چڑیا گھر کا حصہ ہیں بلکہ اب تو اس چڑیا گھر میں یکا یکا قائم ہے آپ کا آپ کی اس سے جان نہیں بچھٹ سکتی۔“ منال جو کہ بے حد شرارتی اور حاضر جواب کی اس نے فوراً کہا جس پر سب بھی کھی کھی کرے۔

پسند نہیں آتی تھیں، مشاکا کی مٹکی ہو چکی تھی اور عالم یہ تھا کہ وہ اپنا سنگیتر دوسروں کو دینے پر آمادہ تھی، جبکہ آج وہ بیڈوں پر لیٹ کر دیکھ رہی تھیں حیران ہی تو رہ گئیں تھیں کہ مشاکا نے کیا کیا کر رکھا تھا اور وہ اصل میں تھا کیا اور وہ بیڈوں کو حیران ہو کر پوچھتی تھیں۔

زارا نے اس کی بات کا مذاق اڑایا۔
”دیکھ لو پھر تم لوگوں نے دوستی کی ایسی مثال کہیں نہیں دیکھی ہوگی۔“ مشاکا نے سوسرہ منہ میں ڈالتے ہوئے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔
”حکومت اور یہ بتاؤ تمہیں کیا مسئلہ ہے اس چیز سے، یار ج میں بہت پیارا ہے۔“ علینہ نے کہا۔

”یار اگر تمہیں پسند نہیں تھا تو خرچے کیوں کروائی۔“ وہ بیڈوں پر پوچھتی۔
”بس اس وقت مجبوری تھی جس کی وجہ سے مجھے ہاں کرنی پڑی۔“ مشاکا بے ڈاڑی سے کہہ دیتی اور وہ بیڈوں آگے سے ہٹے لگتیں جس پر مشاکا چڑ کر وہاں سے اٹھ جاتی۔

☆ ☆ ☆
”یار آپ اب اٹھ بھی جائیں دیکھیں دن کتنا نکل آیا ہے آج آپ نے نماز بھی نہیں پڑھی۔“ شراکب سے مشاکا کو آوازیں دے رہی تھی، لیکن آج کیونکہ اتوار تھا لہذا اس کا اٹھنا بہت مشکل تھا، رقیہ بیگم بھی آوازیں دے دے کر جا چکی تھیں۔

”تو میں کب کہہ رہی ہوں پیارا نہیں بس یہ دیا نہیں ہے جیسا۔۔۔۔۔“ مشاکا نے بات ادھوری چھوڑی اور علینہ کو آنکھ ماری۔
”جیسا۔۔۔۔۔“ تینوں نے ہم آواز پوچھا۔
”بس چھوڑو تم لوگ نہیں سمجھو گی، چلو اب اٹھو پھر شروع ہونے والا ہے۔“ مشاکا نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، وہ بیڈوں بھی کندھے اچکا کر اٹھ گئیں اور اس بحث کو پھر کسی وقت کے لئے اٹھا رکھا کیونکہ فی الحال لیکچر کا ٹائم دور تھا۔

”خدا کا خوف کریں آپنی بارہ بچ گئے ہیں اور آپ کہہ رہی ہیں سچ۔“ شرا نے فوراً ٹوکا۔
”ہائے میرے بھائی بھائی کا کیا ہو گا اگر آپ شادی کے بعد بھی اتنی دیر دیر بعد اٹھیں گی۔“ شمرین نے تھوڑی دیر بعد شرارت سے کہا۔

☆ ☆ ☆
”اف تم لوگوں سے تو بات کرنا فضول ہے مردم سب یہاں یہی میں جا رہی ہوں باہر۔“ مشاکا یہ کہہ کر تنبیہ زور سے بیڈ پر پھینک کر باہر چلی گئی جبکہ پیچھے سب نے ہم آواز ہو کر ”ہائے“

☆ ☆ ☆
مشاکا، علینہ، زارا اور سدرہ یہ چاروں ڈیڑے ہی عرصے میں بہت گہری سہیلیاں بن گئیں، ابھی ان کو یونیورسٹی آئے دو ہفتے

☆ ☆ ☆
”اف تم لوگوں سے تو بات کرنا فضول ہے مردم سب یہاں یہی میں جا رہی ہوں باہر۔“ مشاکا یہ کہہ کر تنبیہ زور سے بیڈ پر پھینک کر باہر چلی گئی جبکہ پیچھے سب نے ہم آواز ہو کر ”ہائے“

☆ ☆ ☆
”اف تم لوگوں سے تو بات کرنا فضول ہے مردم سب یہاں یہی میں جا رہی ہوں باہر۔“ مشاکا یہ کہہ کر تنبیہ زور سے بیڈ پر پھینک کر باہر چلی گئی جبکہ پیچھے سب نے ہم آواز ہو کر ”ہائے“

☆ ☆ ☆
مشاکا، علینہ، زارا اور سدرہ یہ چاروں ڈیڑے ہی عرصے میں بہت گہری سہیلیاں بن گئیں، ابھی ان کو یونیورسٹی آئے دو ہفتے

شمال دونوں نے دروازے کھولے اور اندر
جھانک کر دیکھا۔
”شیزا تم جلد میرا مؤذن بنیں ہو رہا۔“ مشکا
نے بے زاری سے کہا۔

”مشکا آئی جی تو ہمارے ساتھ کھیل لیا
کریں آپ ہر بار ایسے ہی کرتی ہیں۔“ ایشال
نے منہ بسور کر کہا، مشکا کو چارو ناچار اٹھنا پڑا،
تھوڑی دیر بعد وہ سب لوگ لڈو کھیل رہے تھے
اور شور مچا رہے تھے، رقیہ بیگم، تحریم بیگم اور رخسانہ
بیگم باری باری آکر ان کو شور مچانے سے منع کر
چکی تھیں لیکن انہوں نے کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟ اتنا شور کیوں مچایا
جارہا ہے؟“ تھوڑی دیر بعد یوش کی گیمبر آواز کا
گونجنا تھا کہ وہاں موجود سب افراد کو سانپ سونگھ
گیا۔

سفید شرٹ کے ساتھ کالی پیٹ پہنے کوٹ
ہاتھوں میں ڈالے وہ بہت ہڈنم لگ رہا تھا، یوش
نے ٹائی کی کاٹ ڈھیلی کرتے ہوئے پوچھا۔
”وہ بھائی ہم سب لڈو کھیل رہے تھے۔“
تھوڑی دیر بعد شرین کھڑی ہوئی اور بولی۔

”او کے چلو تھوڑا اور کھیل لو اس کے بعد
سب میرے پاس اپنے سکول اور کالج کے کام
لے کر آؤ۔“ یوش نے کہا اور کوٹ وہاں موجود
صوفے پر پھیلتے ایک نظر مشکا پر ڈالتے اندر کی
طرف بڑھ گیا، مشکا اس دوران مکمل طور پر بے
نیاز بیٹھی رہی ایسے جیسے کوئی آیا ہی نہیں، یوش کا
روز کا معمول تھا وہ سب کے کام کو روزانہ کی بنیاد
پر چیک کیا کرتا تھا، اس معاملے میں کوئی نرمی نہیں
برتا تھا، جس کی وجہ سے سب بچے اس سے
ڈرتے تھے اور اپنا اپنا کام وقت پر کر لیتے تھے
کیونکہ انہیں معلوم ہوتا تھا کہ اس معاملے میں
انہیں کوئی چھوٹ نہیں ملے گی، یوش کے جانے

پوش میں، آئندہ میں، کیونکہ اس نے
نئی رقیہ بیگم کے لیے اس کی مرضی سے
اور مشکا دروازے سے ہٹا لی۔
”لیکن امی!۔۔۔۔۔۔“ مشکا نے کہا ناہا۔

”بس میں کوئی فضول کیوں نہ سنو، اگر تم
یونیورسٹی جانا چاہتی ہو تو مجھیں میری بات مانتی
پڑے گی۔“ رقیہ بیگم نے آخری وار کیا جو کہ کارگر
ثابت ہوا اس نے فی الحال اس مسئلے سے جان
چھڑانے کے لیے حامی بھر لی، مشکا کو یوش پر
دھیان دیا وہ غصہ تھا کیونکہ یوش اگر خود انکار کر
دیتا تو کوئی بات ہی نہ آتی، اس طرح ان کی منگی کا
شاندار انکشاف ہوا۔ ”حسن دلا، کو بہت خوبصورتی
کے چھایا گیا، ہر ایک کی نگاہ دیکھنے سے تعلق
رکھتی ہے، شرین آپ نے بھائی کے لئے مشکا جیسی
خوبصورت لڑکی ہی چاہتی تھی کیونکہ یوش بھی کسی
سے نہیں تھا، اس طرح یہ منگی ہوئی جس میں
ایک طرف رضا شامل تھی اور دوسری طرف
زبردستی کا بندھن جوڑا گیا، اس کے بعد مشکا کو
یوش کی طرف سے اپنی زندگی میں گمن ہو چکی تھی وہ فی
الحال اس زبردستی کے بندھن کے بارے میں
سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی، یہی وجہ تھی وہ یوش سے
ہر وقت کمر لیتی رہتی اس کے سامنے یا تو جانی ہی
نہ اور اگر چل جاتی تو اسے اوپر سر دمہری کی چادر
اڑھ دیتی، یوش مشکا کے اس رویے کو اس کا
شرمانا سمجھتا تھا اور خوب انجوائے کرتا تھا، باقی
سب نے بھی مشکا کو جیمیز جیمز کر اس کا جینا
دوبھر کیا ہوتا تھا اور وہ خوب چڑچایا کرتی تھی۔

☆☆☆

”شیزا آئی، مشکا آئی بار دونوں ٹی وی
لاؤنج میں آئیں، ہم سب لڈو کھیلنے والے ہیں
آپ دونوں کے بغیر مزہ نہیں آئے گا۔“ منال اور

کے کالج میں، رقیہ بیگم نے زیادہ اناجسٹ رکھا تھا
لہذا اس نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کے
کر لیا اور یہی سچ تھا کہ ان کے بڑے بڑے دوست اور
بڑے کھیلوں کی ضرورت تھی، یوش کے اس
فیصلے پر سب ہی بہت خوش تھے کہ اس نے اپنی
مرضی سے آفس جوائن کر لیا، مشکا نے پنجاب
یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا اس نے بھی بزنس کی
تعلیم کی حاصل کرنی تھی کیونکہ اس کو کبھی بزنس
میں انٹرسٹ تھا، شیزا ابھی کی بچپن کی طالبہ تھی،
آگے ہی ایس ایس کر کے کی خواہش ہو گئی تھی،
جبکہ باقی بچہ پارٹی ابھی کانچ اور سکول کی
سنوڈنس میں، بڑے ہونے کے ناطے یوش کا
سب پر بہت رعب تھا، سب اس سے ڈرتے
رہتے تھے، ابھی تھوڑے دنوں پہلے اس گھر میں
ہونے والا ہلکھ دیکھنے سے بچ بچ رہتا تھا، ہفتہ
پہلے اس گھر میں وہ ہوا جس کا سب کو شہادت سے
انتظار تھا، یوش اور مشکا کی منگی ہوئی تھی۔
یوش سے اس سلسلے میں بات کی گئی تو اس
نے آمادگی کا اظہار کر دیا کیونکہ اسے اس بات کی
کوئی اعتراض نہیں تھا جبکہ جب مشکا سے یہ
بات کی گئی تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔

”لیکن امی ابھی تو میں نے تو ابھی پڑھنا
ہے میں ابھی اس مسئلے میں نہیں پڑنا چاہتی۔“
مشکا نے بدلی سے کہا۔
”تو تم کون سا آج ہی شادی کر رہے ہیں
ابھی یوش بھی یہ ہی چاہتا ہے کہ شادی تمہاری
پڑھائی کے بعد ہو۔“ رقیہ بیگم نے اس کا اعتراض
رد کیا۔

”امی میں یہ منگی نہیں کر سکتی یوش دیا نہیں
ہے جیسا میں نے سوچ رکھا ہے۔“ مشکا نے
ایک اور نقطہ اٹھایا۔
”اپنی حد میں رہ کر بات کرو تم، کیا کی ہے

کیونکہ ہم نے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کے
کر لیا اور یہی سچ تھا کہ ان کے بڑے بڑے دوست اور
بڑے کھیلوں کی ضرورت تھی، یوش کے اس
فیصلے پر سب ہی بہت خوش تھے کہ اس نے اپنی
مرضی سے آفس جوائن کر لیا، مشکا نے پنجاب
یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا اس نے بھی بزنس کی
تعلیم کی حاصل کرنی تھی کیونکہ اس کو کبھی بزنس
میں انٹرسٹ تھا، شیزا ابھی کی بچپن کی طالبہ تھی،
آگے ہی ایس ایس کر کے کی خواہش ہو گئی تھی،
جبکہ باقی بچہ پارٹی ابھی کانچ اور سکول کی
سنوڈنس میں، بڑے ہونے کے ناطے یوش کا
سب پر بہت رعب تھا، سب اس سے ڈرتے
رہتے تھے، ابھی تھوڑے دنوں پہلے اس گھر میں
ہونے والا ہلکھ دیکھنے سے بچ بچ رہتا تھا، ہفتہ
پہلے اس گھر میں وہ ہوا جس کا سب کو شہادت سے
انتظار تھا، یوش اور مشکا کی منگی ہوئی تھی۔
یوش سے اس سلسلے میں بات کی گئی تو اس
نے آمادگی کا اظہار کر دیا کیونکہ اسے اس بات کی
کوئی اعتراض نہیں تھا جبکہ جب مشکا سے یہ
بات کی گئی تو وہ ہتھے سے ہی اکھڑ گئی۔
”لیکن امی ابھی تو میں نے تو ابھی پڑھنا
ہے میں ابھی اس مسئلے میں نہیں پڑنا چاہتی۔“
مشکا نے بدلی سے کہا۔
”تو تم کون سا آج ہی شادی کر رہے ہیں
ابھی یوش بھی یہ ہی چاہتا ہے کہ شادی تمہاری
پڑھائی کے بعد ہو۔“ رقیہ بیگم نے اس کا اعتراض
رد کیا۔
”امی میں یہ منگی نہیں کر سکتی یوش دیا نہیں
ہے جیسا میں نے سوچ رکھا ہے۔“ مشکا نے
ایک اور نقطہ اٹھایا۔
”اپنی حد میں رہ کر بات کرو تم، کیا کی ہے

یوش سب سے بڑا ہونے کے ساتھ ساتھ
بہت ذمہ دار بھی تھا، اس چڑیا گھر میں موجود تمام
بچوں پر یوش کا ہی رعب تھا، اس کے بعد مشکا
کی امی اور پھر بعد میں باقی سب یوش اپنے

کے اور سب دوبارہ سے مصروف ہو گئے جبکہ
 دنیا بھر میں پھیلنے لگی۔ اچھا کھڑا ہوئی
 ”اے اپنی آپ کہاں جا رہی ہیں؟“
 منال نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور
 پوچھا۔

”بس اب تم لوگ کیلو میں اب سونے جا
ہوں مجھے نیند آرہی ہے۔“ مشکا نے کہا۔
”نیند آرہی ہے یا شرم آرہی ہے یوش بھائی
“ ایٹال نے شرارتی لہجے میں کہا جس پر
ہنسنے لگے اور مشکا اس کو گھور کر اندر کی
بڑھ گئی جبکہ پیچھے سب نے ایک بار پھر
آئی شرمائیں، ”کالروہ ملندا کی نعرے کے
یوش تک بھی پہنچ گئے اور وہ بھی زیر لب

☆☆☆

”امی، چاچی دیر ہو رہی ہے یونیورسٹی سے
پلیز جلدی نامشتہ دیں مجھے۔“ مشکاکہ نے ٹیبل پر
بیٹھے بیٹھے ہی آواز لگائی۔

”ہاں ہاں ہمیں بھی کانچ جانا ہے جلدی کریں۔“ مچ کے وقت ناشتہ تیار کرتے وقت پیغم اور رخصانہ پیغم مچ منوں میں بولکھا جایا کر تیں ہیں کیونکہ سب کو ہی مچ جانا ہوتا تھا، آج کل امیر صاحب آفس کے کام کے سلسلے میں رہے شہر ہوئے تھے ان کے ساتھ ہی تحریم مچ تھیں۔

”تم لوگ تو سر پر ہی سوار ہو جایا کرو، لا تو
وہ دونوں صبر سے کام لو۔“ عنایت
نے ان کے صبری دیکھ کر ان کو ڈپٹا دیا
پھر موجود اخبار کا معائنہ کر رہے تھے
صرف عبداللہ صاحب ابھی تیار ہو رہے
تھے کہ ایک منٹ کی۔

پہچان نہ کرنا چنانچہ شروع کر دیا کرو، تم دیکھ

تھی، مشاکاتہ منالکا کر گاڑی میں بیٹھی تو باپ
 لڑکھائے کہ تو کب کے آئے گی؟ مگر وہ سوچ رہی تھی
 کہ بلا ”اے“ کے بولنا کیسے ہے۔

منال کے زور سے ماما کا جس پر وہ ہانپ رہی تھی
 کہ رہ گئی بیوی نے ہنس کر گاڑی سٹارٹ کر
 دی، مشاکاتہ پیچھے بیٹھی تھی کسی اور باہر کی طرف
 دیکھ رہی تھی۔

”بوش بھائی دیکھ لیں آپ کے سامنے یہ تخریب کاریاں ہو رہی ہیں آپ سوچیں بعد میں ہم بر کیا ظلم ہوتا ہو گا۔“ منال نے اپنا بازو اٹھاتے ہوئے کہا۔

تو ہم لوگ میری بچاری اکلوتی منگیتر کو نہ
چھڑا کر دینا،' یوش نے شرارت سے کہا۔
”اللہ اللہ بچاری!،“ شرین نے یوش کی نقل
کرائی جس پر ہنس دے دیئے، جبکہ مشکاکہ کا منہ
غصے سے لال ہو گیا تھا وہ اس وقت کچھ بولنا ہی
نہیں چاہ رہی تھی۔

Can you please shut your mouth
 "مشکاتہ نے نہایت غصے
 میں سب سے کہا سب کی ہنسی کو ایک دم بریک
 لگ گئی جبکہ ریش نے خوب مزہ کیا اور سب سے
 لکھا۔

اب آرام ہے، جلو اب چپ کر کے ابھی جا رہا تھا، محض ہوا کا تپ ہے حالات کا تپ سنگین لگ رہے ہیں۔ پیرس سے موز کاٹے ہوئے کہا، سب لڑکیوں کا منہ بین گیا اور باقی کا راستہ کوئی نہیں بولا۔

☆☆☆

”میں کب سے تم سے بات کر رہی ہوں اور تم موبائل میں منہ کھسکے بیٹھی ہو کیا تکلیف ہے تمہیں سدرہ“ مسکاکہ نے بے زاری سے کہا، آج علوینہ اور زارا انہیں آئی تھیں وہ دونوں اس

سب ہم انسان ہیں کیوں نہیں کہیں
 سب ہم جسم کا مالک ہیں تو ہمارے
 جس کو جس کا جس کا جس کا جس کا
 جس کو جس کا جس کا جس کا جس کا

صاحب اور عبداللہ صاحب اپنی اپنی جگہ پر
 آفس کے لئے روانہ ہو گئے، پیچھے ایک نئی گاڑی
 چم گئی، آج منال، ایشال اور مریم کی کانٹن
 دین بھی نہیں آئی تھی اور سب کو دیر ہو رہی تھی
 دوسری طرف مشکاکہ کو بھی پیونڈوشی جانا
 مشکاکہ نے فوراً علی سے لفٹ لینے کا سوچا اس کو
 کراٹھانا چاہا کہ وہ اس کو ٹانگہ پر چھوڑ آئے لیکن
 فی الحال اس کا سامنے کچھ ایسا ہی تھا کہ
 آج اس کو کانٹن سے چھوڑی۔

”یار آئی آپ“ یوش بھیانی کے ساتھ ان کا
گاڑی میں چلی جائیں میں نہیں اٹھ رہا انکی
علی نے صاف انکار کیا۔
”مرو تم میں خود ہی چلی جاؤں کر“
نے تکیہ اٹھا کر اس کے منہ پر مارا اور باہر چلی گئی
”اچھا ٹھیک ہے اللہ حافظ میں جا رہی ہوں
آج خود ہی جانا ہے علی بھی نہیں اٹھ سکتا۔“
نے باہر آ کر رقیہ بیگم سے کہا۔
”ارے ایسا کیا نہیں جانا وہ دیکھ لو شاہنا
تیار ہے اور سب کو ساتھ لے کر جا رہا ہے تم
چلی جاؤ گاڑی میں۔“ رقیہ بیگم نے باہر کی طرف
شارہ کیا۔

”میں اسی میں خود چل جاؤں گی۔“

نے بے زاری سے کہا۔

”صبح مجھ سے ملے یہ بڑا عجیب اس۔“

تھم۔ ”ریتہ نیگم نے وارن کیا وہ منہ لٹکا کر

یہ تو طے تھا وہ آسانی سے اس شخص سے جا

چھڑا سکتی تھی۔

یوش گاڑی شارٹ کر رہا تھا کہ مشکاة کو
لٹھک گیا کیونکہ وہ اب تک جا چکی

کلاس میں بیٹھی کچھ شروع ہوئے کہ انتظار کر رہی تھیں اس کا ذکر ہی کیا گیا اس کا نام موجود تھے۔
 دسم ایسٹل منٹوں - شکا اس کا فون
 چھین کر کلاس سے باہر بھاگی لیکن دوسرے ہی
 لمے کے سے بہت زور سے کرائی اس کو کچھ منٹوں
 میں دن میں تارے نظر آ گئے جبکہ سدرہ یہ منظر
 دیکھ کر فوراً رک گئی کیونکہ مقابل کے تیور بہت
 خطرناک تھے۔

”محترمہ آنکھیں موجود ہیں آپ کے منہ پر، دیکھ کر نہیں چلا جاتا“ مقابل نے غصے سے پوچھا، مشکات نے جسے ہی مقابل کی طرف دیکھا تو آنکھیں جھکنا بھول گئی۔

”کیا خوابوں اور خیالوں کی بھی کوئی مجسم صورت ہوتی ہے؟ کیا کوئی اس قدر خوبصورت بھی ہو سکتا ہے؟“ وہ یک نکل اسے دیکھ رہی تھی۔
 ”یہ جو شخص مجھ پر بھڑا کر مجھے دیکھ رہی ہیں یہ اس وقت کہاں میں جب آپ مجھ سے ٹکرائیں گیں۔“ مقابل نے گہرا طنز کیا مسکراتے ہوئے۔

”سوری میں نے واقعی نہیں دیکھا۔“ مشکاتہ
یہ کہہ کر فوراً باہر نکل گئی جبکہ سدرہ بھی اس کے
پیچھے بھاگی۔

”اوپے لڑکی! یہ تم کیا ڈیلے نکال کر اس کو
دیکھ رہی تھی۔“ سدرہ نے اس سے حیرت سے
پوچھا۔

”یار مجھے یقین نہیں آ رہا۔“ مشکاۃ نے
کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔

”کس بات کا یقین؟“ سدرہ نے زچ ہو کر پوچھا۔

”کہ یہ شخص مجھے لگ رہا جیسے میرا اینڈیل ہو۔“ مشکاکہ نے اب کی بار پر جوش لہجہ میں کہا۔
”کیا مطلب اینڈیل، دیکھو مشکاکہ آگے

کے ساتھ اپنے آپ کو کام آئے، مہریم نے
بچے ہونے لگا، اور اس کا شکار کے قریب سے اٹھ
کر دور بھاگی اس سے پہلے کہ کوئی مچا پھنکھانا
پڑے۔

”اف تم لوگ باز نہیں آؤ گے۔“ مشکا نے یہ
کہتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی، پیچھے سب
نے ایک بار پھر ”ہائے آئی شرمائیں“ کا قہرہ بلند
کیا اور زور زور سے ہنسنے لگے، تھوڑی دیر بعد
یوش کمرے سے برآمد ہوا، جینز اور ٹی شرٹ پہنے
وہ بہت فریٹ لگ رہا تھا۔

”ارے کہاں ہے تم لوگوں کی آپی۔“ یوش
نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔

”ویسے تو ان کا مسئلہ ٹھکانہ آپ کا دل
ہے، لیکن اس وقت وہ شرمائے کمرے میں بھاگ
گئی ہیں۔“ منال نے شرارت سے کہا، منال کی
اس بات پر یوش کا قبچہہ سننے کے لائق تھا، باقی
سب نے بھی یوش کا ساتھ دیا۔

”یار جاؤ علی اس کو لے کر آؤ اور ہاں اس کو
بانیک پر ہی لے جانا تم ساتھ۔“

تھوڑی دیر بعد یوش نے علی سے کہا اور باقی
سب کو لے کر باہر کی طرف بڑھ گیا، کبھی بھی یوش
کو واقعی غصہ آتا تھا کہ وہ کیوں اس سے اتنا
کڑتی ہے، تھوڑی دیر بعد وہ سب بہت مزے
سے آکس کریم پارلر میں آکس کریم کے مزے
لوٹ رہے تھے سب کے درمیان میں یوش اور
مشکا کے ساتھ چھڑ خانی کا سلسلہ بھی جاری رکھا
جس کو یوش بہت انجوائے کر رہا تھا جبکہ مشکا
سب کو محض گھور کر رہ جاتی۔

☆☆☆

”یار میں کافی دنوں سے ایک بات نوٹ کر
رہی ہوں۔“ مشکا نے لہجے کو پرجس بنایا اور کہا،
وہ چاروں اس وقت کینے میں بیٹھی بریانی سے

ساعتی دو لالچ دے رہے تھے، یوش
”ہائے آئی شرمائیں“ کے ساتھ اس کے
پوئیشی میں داخلے کے چکر میں مصروف تھا،
دونوں ابھی گھر لوٹے ہی تھے کہ سائے سب کو
تیار دیکھ کر علی نے پوچھا۔

”ارے ہمارا کام آسان ہو گیا، یوش بھائی
جیلس ہم سب کو آکس کریم کھانی ہے ابھی اور اس
وقت اور ہاں کوئی بھی اعتراض کرنے سے پہلے
یہ سن لیں کہ یہ مشکا آپی کا بنایا ہوا پروگرام
ہے، اس سے پہلے کہ یوش کوئی اعتراض کرتا
تو اس نے فوراً کہا۔

”طاہر بہت تھوڑی سفارش لے کر آئے ہو
تم سب اب میں انکار ہی نہیں کر سکتا۔“ یوش نے
لے جانے کے لیے کہا۔
”ہاں ہاں اب تو انکار کرنا خود اپنی شامت
لانے کے مترادف ہے۔“ علی نے مزید کہا وہاں
موجود سب نفوس ہنسنے لگے اور مشکا کو چڑھنے
لگی۔

”یار جاؤ تم لوگ تھوڑا انتظار کرو میں ابھی
آتا ہوں تھوڑی دیر میں۔“ یوش آستیں کو فولد
کرتے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

”علی میں تمہارے ساتھ بانیک پر جاؤں
گی۔“ تھوڑی دیر بعد مشکا نے کہا۔

”میں بھی آپ کی اپنی گاڑی ہے اس
میں جاؤں نہ بھلا گاڑی کے ہوتے ہوئے بانیک
پر جانا بات کچھ منہ نہیں ہو رہی۔“ علی نے سر
کھجائے ہوئے شرارت سے کہا۔

”مطلب تم لوگ چاہتے ہو میں نہ
جاؤں۔“ مشکا نے بے زاری سے کہا۔

”ارے ارے یہ کیا بات ہوئی۔“ علی گڑبڑا
گیا۔

”ارے علی بھائی سمجھا کریں نا، یوش بھائی

ایک نئی راز۔
”اچھا تو اس لئے میں یوش کے
یونکہ وہ ہمارا آئیڈیل نہیں۔“ سردار نے میرٹ
سے اس سے پوچھا۔

”شکر ہے تم لوگوں کو سمجھ آئی میری بات
کی۔“ مشکا نے ہنسنے ہوئے کہا۔

”لوکی کچھ شرم کرو۔“ سردار بولی۔

”شرم کیا ہوئی ہے۔“ مشکا نے ڈھٹائی
سے پوچھا جواباً سردار نے اپنا بیگ اس کے
کندھے پر دے مارا اور تھوڑی دیر بعد وہ چاروں
ہنسنے لگیں۔

”چلو پچو پارٹی آج ہم آکس کریم کھانے
چلتے ہیں۔“ مشکا نے جیسے ہی اعلان کیا
تہم آواز ”یاہو“ کا قہرہ لگا اور جلدی جلدی
تیار ہونے کے لئے بھاگے، مشکا نہ جانے کیوں
آج بہت خوش تھی اس لئے اس نے خود ہی پچوں
کو آخر کی اور سب خوش خوش تیار ہو گئے پوئیشی
سے واپس آنے کے بعد وہ کافی دیر سوچی اور غماز
کو اٹھ کر اس نے آکس کریم کھانے کا پروگرام
لیا۔

”ای ہم مشکا آپی کے ساتھ آکس کریم
کھانے جا رہے ہیں۔“ منال ایشال اور مہریم
تینوں نے رخسانہ بیگم کو اطلاع دی اور یہ جاوہر جا،
پیچھے رخسانہ بیگم ارے ارے کرتی رہ گئیں کیونکہ وہ
چاہ رہی تھیں کہ اریان کو بھی ساتھ لے جائیں
”لیکن آپی ہم سب جا رہے ہیں۔“
شیراز نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔“ مشکا نے
کھینچی تھی ہنسنے ہوئے کہا۔

”ارے کہاں جانے کا پروگرام بن رہا ہے
میں بھی تو پتہ چلے۔“ یوش اور علی دونوں ایک

کو کمرے میں جا کر تھوڑے سا انتظار کرنا
رہا تو کچھ دیر بعد اس کو کون کیوں
”میں اس زبردستی کے رہتے کوئیں باقی ہم
بھی جاتی ہوں۔“ مشکا کا منگنی کا نام سن کر حلق
تک کڑا ہو گیا۔

”یہ آئیڈیل نام کی چیز اس دنیا میں کہیں
نہیں پائی جاتی اپنے دماغ سے یہ خیال نکال دو
تم۔“ سردار نے غصے سے کہا۔

”پانی تو چانی ہے بلکہ میں نے تو آج دیکھ
بھی لی۔“ مشکا نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔

”کیسے تم پوچو گی مجھ سے چلو اٹھو اب اندر
کلاس میں چلتے ہیں نا تم ہو رہا ہے لیچر کا۔“ سردار
نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہونہ چھینا اور اس کو اندر
جانے کہا۔

”ہاں چلو اب۔“ مشکا بھی ابھی اندر آ
کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ جب وہ شخص
ان کی کلاس میں ہی بیٹھا تھا، روف جینز کے اوپر
باف سلیدو اسٹ ٹی شرٹ پہنے اور بالوں کو بے
ترتیبی سے سر پر بٹائے وہ واقعی اپنی وجہات اور
خوبصورتی سے بے خبر اپنے فون میں ہی منہ دینے

بیٹھا تھا، مشکا جیسے ہی اندر داخل ہوئی اس نے
بڑے غور سے مشکا کی طرف دیکھا مشکا اس
کے دیکھنے پر گڑبڑا گئی اور نظریں دوسری طرف کر

لیں بعد میں مشکا اور سردار کو پتہ چلا کہ وہ ان کا
ہی کلاس ٹیلو تھا کچھ وجوہات کی وجہ سے اس کا
ایڈیشن دیر سے ہوا تھا، تاچانے کیوں مشکا کو یہ
جان کر بہت خوش ہوئی تھی، اگلے دن زارا اور
علوینہ نے بھی حیرت سے اس ہینڈم کے بارے
میں پوچھا تو مشکا نے مسکرا کر جواب دیا۔

”ایک مکمل اور بھرپور مرد، جو کسی کا بھی
آئیڈیل ہو سکتا ہے، شرم تم کو کر نہیں آتی۔“ علوینہ
نے تا صاف بھرے لہجے میں کہا جس پر مشکا دیر

ت اس تک پہنچا، لیکن اس نے اس بار بار زیادہ میں سوچا اور آج اس کی کا اعتماد دیکھ کر خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئی کہ جس نے پہلی دفعہ ہی اسے دوستی کی آفر کر دی، اگلے دن جب مشکات نے علویہ زار اور سردار کو یہ بات بتائی تو وہ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔

”میں نے کبھی تھی کہ وہ مجھے دیکھتا ہے وہ ضرور ہے کوئی۔“ مشکات نے اپنا انداز درست ثابت ہونے پر فرضی کار کھڑا کرے۔

”تو تم نے کیا کہا اسے؟“ سردار نے پوچھا۔

”فی الحال تو بات ٹال دی میں نے۔“ آنکھ دبا کر شرارت سے کہا گیا۔

”تو کیا جواب دوں گی اسے۔“ اب کی بار زارا بولی۔

”ابھی سوچوں گی۔“ مشکات نے کندھے اچکا کر مسکرا کر کہا۔

”تو یوش بھائی کس کھاتے میں آتے ہیں۔“ علویہ بھی بولے بنانہ رہ پائی۔

”یاد دیکھو اس کا ذکر کر کے میرا منہ نہ کڑوا کیا کرو اس سے میں نے محض مجبوری سے منگنی کی تھی، ٹھیک ہے وہ بہت اچھا ہو گا لیکن وہ میرا آئیڈل ہرگز نہیں، میرے بھی کچھ خواب ہیں خواہشات ہیں، ہر ایک کا دل چاہتا ہے کہ وہ اپنے لئے سوچے، اپنے لئے زندگی جئے، میں نہیں جانتی تھی کہ یہ منگنی اتنی جلدی میں مجھے کرنی پڑے گی مجھے تو یوش سے بات کرنے کا بھی موقع نہ ملا وہ نہ میں خود اس کو سن کر دیتی اس وقت امی نے شرط ہی ایسی رکھی کہ میں ہار مان گئی، لیکن تم لوگ فکر نہ کرو میں کچھ عرصے میں اس سے بات کر لوں گی کہ مجھے اس سے شادی نہیں کرنی اور یہ

”مشکات میں اس سے ہوا کرتا ہے، اس نے کہا ہوں۔“ فرضی کے اس بے تک انداز پر وہ حیران رہ گئی۔

”اور آپ کو یہ کیوں لگا کہ میں آپ سے دوستی کروں گی۔“ مشکات نے ہنسنے اچکا کر پوچھا (دلی لڑکیوں والی عادت چاہے خوشی سے پاگل بھی ہو رہی ہو لیکن اوپر سے ایسے ظاہر کرنا جیسے کچھ فرق نہیں پڑتا مطلب عام الفاظ میں غرے کرنا)

”ایسیسکو زئی، کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں۔“ اجنبی آواز پر مشکات نے سر اٹھا کر دیکھا حیران رہ گئی وہ اس کے سستے کھڑا اخلاص طلب نظروں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا، وہ اسے انکار نہ کر پائی۔

”جی جی بیٹھ جائیے۔“ مشکات نے جلدی جلدی کہا مبادا وہ چلا آتی نہ جائے، وہ کرکسی حیرت کر اس کے سامنے رکھ کر بیٹھ گیا۔

”ناچیز کو ارضی امین کہتے ہیں اور آپ؟“ اپنا تعارف کروا کے سوال داغا گیا۔

”مشکات عنایت حسن۔“ مختصر کہا گیا۔

”واہ زبردست بہت دلچسپ نام ہے آپ نے زبرد انداز میں ردیدگی اور مسکراتے ہوئے وہاں سے اٹھنے لگی۔

”میری آفر پر ضرور غور کیجئے گا۔“ ارضی نے اس کو اعتماد دیکھ کر زور دیا۔

”محترم کلاس کا نام ہو رہا ہے شرافت سے کلاس میں جائیں اور مجھے بھی جانے دیں۔“ مشکات نے بات گول کر دی، ارضی نے مسکرا کر اس کے قدم کے ساتھ قدم ملائے جبکہ مشکات یہ سوچ رہی تھی کہ یہ آئیڈل والی بات اس تک کیسے پہنچی، اس نے ایک دفعہ دوبارہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ہی یہ بات کی تھی لیکن وہاں اکثر کوئی نہ کوئی کلاں کی دوسری لڑکی بھی موجود ہوتی تھی، وہ حیران بھی یہ

”بہتر مشعل، لون سے میں تمہارا چہرہ چھوڑنے والا نہیں، آنا میں میرے پاس ہے۔ یہ بات جتنی جلدی تمہاری بھی جاؤ اتنا بہتر ہے۔“ یوش نے ٹھیکرے میں کہا مشکات کے سینے چھوت گئے، لیکن خود کو مضبوط کیا اور بولی۔

”اور کچھ؟“

”میں فی الحال اتنی کافی ہے ناؤ یو کیسں گو۔“ یوش نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو جانے کا کہا اور اس کے راستے سے ہٹ گیا۔

مشکات فوراً وہاں سے چلی گئی اور اندر آ کر اپنا سانس بحال کیا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یوش یوش سے سامنا ہو گا، جبکہ پیچھے یوش بالوں میں اٹھیاں پھیرتے گنگناٹے ہوئے کمرے کی طرف بڑھ گیا چہرے پر مسکراہٹ نمایاں تھی۔

☆ ☆ ☆

”اوتے کینے! تو نے میرے اس سوال کا جواب نہیں دیا جو میں دو دن سے پوچھ رہا ہوں۔“ اس کے دوست نے کئی دفعہ کا کیا گیا سوال پھر یاد کروایا۔

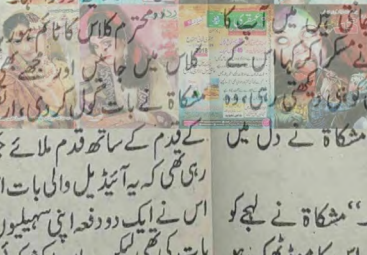
”میں کیا جواب دوں بار، میں چھوڑ تو نہیں سمجھے گا۔“ اسی نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا اور چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی جس سے وہ مزید پیارا لگ رہا تھا۔

”کمزور بھی دن ہی سکتے ہوئے ہمیں آئے اور یہ سب۔“ اعتراض اٹھایا گیا۔

”ایک تو تو یہ نہیں کیوں میری تہری کرنے میرے ساتھ چلا آیا جاسوس کہیں گا۔“ اس نے بے زاری سے کہا۔

”بچو تیرے کروت ہی ایسے ہیں کہ مجھے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔“ بڑے مزے سے جواب دیا جس کے بعد گاڑی میں موجود دونوں نفوس کا تہقہہ گونگ اٹھا۔

”جی جی جانتی ہوں۔“ مشکات نے لہجہ کو نارمل رکھ کر جواب دیا کیونکہ اس کا موڈ ٹھیک ہو چکا تھا۔



”تم پٹ نہ جانا جسے“ مشکا نے ہاتھ میں پکڑا اور اسے اپنے پاس لے آیا۔
”اے میں نے جس شخص کو لہہ رسی میں مجھے شرم آتی ہے۔“ مشکا نے اپنی طرف سے جواب دیا۔

”ارے لڑکی تم واقعی کسی دن پٹ نہ جانا اس کے ہاتھوں، ہر وقت تنگ کرتے رہتے ہو تم لوگ اس کو۔“ دوسری طرف بیٹم نے کہا۔
”ہاں ہاں ٹھیک ہے میں ان کو بول دوں گی کہ آپ نے انہیں کس یو یو بلا ہے۔“ ثمرین نے پھر اپنی ہانگی۔

”ثمرین بیٹا باز آ جاؤ کیوں صبح صبح تنگ کر رہی ہو بڑی بہن کو۔“ آخر قیہ بیٹم نے اس کو پیار سے ڈانٹا، جبکہ دوسری طرف بیٹم یہ سب بہت انجوائے کر رہا تھا، مشکا نے اس کو کھوڑا تو وہ آگے سے آنکھ مار کر باہر چلی گئی۔

☆☆☆

سرشکوہ نے ساری کلاس کو ایک اسائنمنٹ دی اور اس کے بعد انہوں نے گروپ بھی بنائے اور سر نے بچوں کو بھی اسٹین دیا، وہ اپنی مرضی سے جس کے ساتھ چاہے گروپ بنا سکتے ہیں، ارضی نے فوراً مشکا کے ساتھ کام کرنے کی حامی بھر لی جبکہ روحانہ اور حیدر بھی اس کے گروپ میں تھے، ارضی کی اس بات پر زارا، علویہ اور سدرہ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر مشکا کو جہاں فی الحال کوئی تاثر نہیں تھا، باقی وہ تینوں ایک ایک گروپ میں بٹ گئیں اور ان کے ساتھ اس کے شامل کر دیا گیا، وہ بھی کافی لائق سٹوڈنٹ تھا، اسی طرح باقی ساری کلاس بھی گروپس میں بٹ گئی اور ان سب کو جلد ہی اس پر کام شروع کرنا تھا، سب فری ہو کر باہر گراؤنڈ میں بیٹھ کر اپنے اپنے حصے کا کام ڈیٹائیڈ کرنے لگے، مشکا بھی

”لو دیکھ لو، آئیڈیل کے کام، دوست کی فرمائشیں کرنے پر مجبور ہو کر سرشکوہ نے کہا۔“ سدرہ نے مشکا کو لکھ کر کہا۔
”چلو یار باب کیونکہ لیکچر نہیں ہو رہا تو ہم نکلتے ہیں۔“ مشکا نے بات کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

”ہاں ہاں چلو کہیں اس کو پارٹ ایک ہی نہ آ جائے۔“ علویہ چپک کر بولی جس پر مشکا اس کو کھوڑ کر رہ گئی اور باقی دونوں نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسا شروع کر دیا، جبکہ یہ سچ تھا کہ نہ سب کو مشکا کو لڑکی کا اس کے ساتھ بیٹھنا اچھا نہیں لگتا تھا۔

☆☆☆

آن انو کا دن تھا، حسن ولا میں سب جلدی اٹھنے کے حامی تھے، مشکا بھی نا جانے آج کیسے جلدی اٹھ گئی تھی اور آج اس نے بچی میں رقیہ بیگم اور حریم بیگم کے ساتھ ناشتہ بھی بنوانے کا سوچا تھا، ورنہ عموماً وہ زیادہ تر یونیورسٹی کے کام میں مشغول رہتی تھی، سب گھر والوں کو بار بار یوش کی یاد دلاتا رہی تھی، مشکا اس وقت کھانا کھا رہی تھی کہ رقیہ بیگم نے کہا،
”اے مشکا! آج تو تو نے اندر آئی اور حریم بیگم سے مخاطب ہوئی۔“

”اے یوش بھائی کا فون ہے آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔“ حریم بیگم نے فوراً ہاتھ دھو کر وہ بے سے تنگ کیے اور فون تمام لیا، تھوڑی دیر بات کر کے فون ثمرین کو دے دیا، ثمرین کو شرارت سوچی۔

”مشا آئی آپ کریں گی بات یوش بھائی سے۔“ ثمرین کی اس بات پر رقیہ بیگم اور حریم بیگم کے چہرے پر مسکراہٹ کھڑی تھی۔

”وہ اس لئے کہ تم لوگوں میں سے کوئی منہ نہ دھو کر آج ہمیں یونیورسٹی کے لیے آنا ہے۔“ مشکا نے کہا۔
”گھبرا کر بتایا۔“
”لیکن وہ کس خوشی میں کہیں تمہاری شادی کی ڈیٹ تو نہیں کس ہوئی، ارے تھی بے وفا ہو اور ہمیں بتایا بھی نہیں۔“ آخر میں سدرہ نے کمال اداکاری کی۔

”اؤے بکومت، میں نے تم لوگوں کو بتایا تھا نہ کہ ابو اور چاچو یوش کو باہر بھیج رہے ہیں تو وہ کل چلا گیا ہے، چھ ماہ تو اسے سڑکوں کے گزریں گے اف۔“ مشکا نے نیسے سکون کا سانس لیا۔
”یار کتنی بے حرمت ہو تم مشکا! وہ تمہارا

ہونے والا شوہر ہے۔“ زارا نے اس کو غیر متحرک دلائی جاہلی۔

”ہونے والا ہے ہوا تو نہیں، اچھا دیکھو اب کوئی لیکچر نہ دینا چلو ذرا تھوڑی دیر کیفے سے کچھ کھالیں اور پھر فری ہو کر کہیں باہر چلیں گے۔“ مشکا نے بیگ کندھے پر ڈال کر کہا،
”ابو اور وہ کیفے کی طرف چل دیں آج بھی لیکچر سناؤں گے۔“ مشکا نے کہا،
”وہ تو تو نے اندر آئی اور حریم بیگم سے مخاطب ہوئی۔“

”اے تک جڑی لڑکی، اپنا بہت سا خاں رکھنا ہاں مجھے ڈھیر سارا یاد کرنا۔“ آگے سامیلی فیس بنایا ہوا تھا، مشکا نے بغیر کوئی تاثر دیے فون آف کیا اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔

☆☆☆

”اے لڑکی! آج صبح تم تینوں کو میج کرنے کا کیا مقصد تھا؟“ علویہ نے حیرت سے پوچھا۔

”نہ اس کا کان بکڑا۔“
”ہر دوکان سے آتا ہوں۔“
”بتایا کہ ہم اب ایک ہو جائیں ہم سب بولیوں اسی گھر میں ایک ساتھ رہتا ہے، انشاء اللہ سمجھے تم۔“ انہوں نے اس کا کان مڑوا۔
”اف ای، اچھا نہ یہ کان تو چھوڑیں۔“

یوش نے منت کی۔
”بہتر لڑکا آئندہ مذاق میں بھی یہ بات نہ کرنا ورنہ نہ سمجھ سے بڑے تم، چلو اٹھو باہر سب انتظار کر رہے ہوں گے۔“ حریم بیگم اس کو اٹھنے کہہ کر اس کا بیگ تھامے باہر نکل گئیں، یوش نے اپنا فون اٹھایا اپنی ریٹ وائچ اٹھا کر کلائی پر باندھی اور باہر نکل آیا، باہر حسب توقع پوری فوج اس کا انتظار کر رہی تھی، سب بچوں نے ان پورٹ جانے کا پروگرام بنالیا تھا اور اب سب تیار تھے، مشکا اور قیہ بیگم گھر ہی تھیں، مشکا تھوڑی دیر کمرے سے باہر آئی تھی، لیکن وہ زیادہ دیر وہاں نہ رہی اور اندر ہی چلی گئی، یوش کی رات دس بجے کی فلاح تھی لہذا سب نے دیر سے ہی واپس آنا تھا، مشکا کو کیونکہ صبح یونیورسٹی تھا تو لہذا وہ سونے کے لئے لیٹ گئی، ابھی اس کی آنکھ بھی نہ گئی تھی کہ اس کا فون تھر تھرا، اس نے فون اٹھا کر دیکھا تو آگے یوش کے نمبر سے میج وصول ہوا تھا، مشکا نے اس کو کھولا۔

”اے تک جڑی لڑکی، اپنا بہت سا خاں رکھنا ہاں مجھے ڈھیر سارا یاد کرنا۔“ آگے سامیلی فیس بنایا ہوا تھا، مشکا نے بغیر کوئی تاثر دیے فون آف کیا اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔

☆☆☆

”اے لڑکی! آج صبح تم تینوں کو میج کرنے کا کیا مقصد تھا؟“ علویہ نے حیرت سے پوچھا۔

ہر شخص اپنے اپنے رزق کا اندازہ کرتا ہے۔
 خودی و بعض اور کی آواز سنائی دیتی ہے۔
 ”جس اچھا ہوا ایک بھانہ بن گیا ورنہ آپ
 تو ایسے ہاتھ ہی نہیں آ رہی ہیں۔“ ارضی نے
 آتے ہی کہا اور بڑی گہری نظروں سے اس کو
 دیکھا، مشکا کا ایک دم گڑبڑا گئی۔

”ارے آپ کے ساتھ روحانہ ہے تو کسی
 پھر مجھے ایڈ کرنے کا مقصد۔“ مشکا نے تھوڑی
 دیر بعد کہا، لہجے کو مکمل طور پر نادل رکھا۔
 ”ارے ارے کیا آپ روحانہ سے مجلس
 ہو رہی ہیں۔“ شرارت سے پوچھ گیا۔

”ہرگز نہیں، میرے اور آپ کے درمیان
 ایسے کوئی مراسم نہیں ہیں کہ میں آپ کو کسی اور کے
 ساتھ دیکھ کر مجلس ہوں۔“ مشکا نے پر زور
 تردید کی، لیکن ارضی کے بات غلط نہیں گئی۔

”تو میں مراسم بنانا چاہتا ہوں نہ، میں آپ
 کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا چکا ہوں اور اپنی دلی
 رضا مندی کے ساتھ اور یہ تو میں نے اسی دن
 سوچ لیا تھا جب آپ کے ساتھ پہلا تصادم ہوا

تھا۔“ ارضی نے مسکرا کر کہا، جبکہ مشکا اس کے
 ڈھیل کود بھی رہی رہی جو کہ مسکراتے ہوئے بہت بھلا
 لگتا تھا، نہ جانے کیوں مشکا کا دل کیا وہ بولتا
 رہے اور وہ نہ۔

”ہاں ظاہر ہے اب تو دوستی کرنی پڑے گی
 اب کام جو نکلا ہے آپ سے۔“ مشکا نے ہلکے
 پھلکے لہجے میں کہا۔

”ارے بہت خود غرض ہیں آپ تو۔“
 حیران ہونے کی کمال ادا کاری کی۔
 ”بس میں تو ایسی ہی ہوں۔“ مشکا نے
 بے نیازی سے کہا۔

”جلس جیسی بھی ہیں اب آپ میری
 دوست ہیں اور دوست جیسا بھی ہو اس کو قبول کیا

”تنبہا اب میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔“
 ایشال نے عنایت صاحب کو مخاطب کیا وہ سب
 لوگ اس وقت کھانے کی ٹیبل پر بیٹھے رات کا
 کھانا کھا رہے تھے، حسن دلا میں یہ رواج تھا
 رات کا کھانا وہ سب ایک ساتھ کھاتے تھے،
 کھانے کے دوران ایشال کی نظر مشکا پر پڑی تو
 اس کو شرارت سوچھی۔

”کیا سوچ رہی ہے میری گڑیا ذرا ہمیں
 بتا دیجئے۔“ عبداللہ صاحب لاڈ سے
 پوچھ رہے تھے۔

”میں سوچ رہی ہوں اب اس گھر میں کچھ
 بلا کا شوق ہو جانا چاہیے۔“
 ”کیسا؟“ شامیر صاحب

”ایک تو سب کو بات تفصیل میں بتانی
 پڑتی ہے۔“ ایشال زچ ہوئی سب اس کی طرف
 متوجہ تھے۔

”اور وہ؟“ ایشال نے پوچھا اور یوش بھائی کی شادی
 کی بات کر رہی ہے۔“ آخر میں شیزا بھی میدان
 میں کودی اور اپنا حصہ ڈالا، یہ بات سنتے ہی مشکا
 کا لہجہ اس کے گھٹے میں پھنسا اس کو ایک دم

کھانسی شروع ہو گئی جو ایک گلاں پانی پینے کے
 بعد رک گئی، سب مشکا کی غیر ہونی حالت دیکھ کر
 پریشان ہوئے۔

”میں ٹیک ہوں۔“ مشکا نے تھوڑی دیر
 بعد کہا، گلا بالکل رندہ چکا تھا۔

”ارے ان کو تو آپ چھوڑ دیں ان کے
 سامنے جب بھی یوش بھائی کا نام لو، یہ ایسے ہی
 شرماتی ہیں۔“ علی کی طرف سے چٹکلا چھوڑا گیا

اور سب کے چہروں پر مسکراہٹ رینگ گئی،
 مشکا بالکل خاموش رہی وہ بس کھانے کی طرف

”ارے ہاں ہاں انشاء اللہ بس مشکا کا
 باسز مکمل ہو جائے تو ہم بھی اپنی بہو کو زیادہ دیر
 آپ لوگوں کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔“
 تھوڑی دیر بعد تحریم بیگم نے مشکا کے سر پر ہاتھ
 پھیرتے ہوئے کہا۔

”یہ بات بھی آپ نے خوب کہی، آپ کی
 بہو کو کہیں نہیں جانا بس ایک کمرے سے دوسرے
 کمرے تک کا سفر کرنا ہے۔“ تحریم سے بھی نہ رہا
 گیا تو بول پڑی۔

”اچھا اچھا چلو اب بس جلدی کھانا کھاؤ
 سب، ابھی ان باتوں کا وقت نہیں آیا جب وقت
 آئے گا تو ہم دیر نہیں کریں گے۔“ شامیر

صاحب بولے۔
 ”اللہ وہ وقت جلدی لائے تجھی اب زیادہ
 انتظار نہیں ہوتا ہم سے۔“ تحریم چپک کر بولی۔

”انشاء اللہ جلدی آئے گا وہ وقت بھی، فی
 الحال اٹھو ایشال، مریم، منال تم تینوں اٹھ کر برتن
 اٹھاؤ اور شیزا اور شمرین تم دونوں دھو کر آؤ۔“

باتوں باتوں میں سبھی کھانا ختم ہو چکا تھا۔
 ”ارے ارے اور مشکا آپی کیا کریں
 گی۔“ منال نے احتجاج کیا۔

”وہ سب کے لئے چائے بنائے گی، چلو
 اب اٹھ جاؤ سب، باتیں تم لوگوں سے خوب
 کرو، کام کرتے موت آتی ہے۔“ رقیہ بیگم

سب لڑکیوں کی کام چوڑی سے زچ تھیں، سب
 لڑکیاں منہ بنا کر اٹھ گئیں۔

”ارے نہ ڈانٹا کرو ہماری بچیوں کو۔“
 عنایت صاحب بولے۔
 ”ان کے بھلے کے لئے ہی کہتی ہوں ہماری
 کوئی دشمنی تو نہیں۔“ رقیہ بیگم نے ٹٹے میں برتن
 رکھتے ہوئے کہا، عنایت صاحب محض مسکرا کر رہ



”ہاں بیٹا“ اس نے سرت سے پوچھا۔
”وہ چاہی ہیں میں بھی ابھی بس جانے والی ہوں میرا کنز آ رہا ہے مجھے لینے۔“ مشکاکہ نے موبائل پر غبر ڈال کرتے ہوئے کہا، سدرہ مشکاکہ اور ارضی کو اکٹھا بیٹھا دیکھ چکی تھی وہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

”آپ کہیں تو میں ڈراپ کر دیتا ہوں آپ کو۔“ اس نے کھلے دل سے آخری۔

”ارے نہیں نہیں علی آتا ہوگا اس زحمت کی کوئی ضرورت نہیں۔“ مشکاکہ نے مسکرا کر ٹال دیا، جب ارضی اس کے سامنے آتا تھا تو نہ جانے کیوں اس کی زبان ہی تالو سے چپک کر رہ جاتی تھی۔

”یار آپ کن تکلفات میں پڑ گئیں ہیں ہم اب دوست ہیں اور اتنا تو چلے جاتے ہیں۔“
”وہ تو ٹھیک ہے میں ضرور چلتی آپ کے ساتھ اگر علی کو نہ بلایا ہوتا لہذا پھر کبھی۔“ وہ بیک تھکتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی ارضی بھی کھڑا ہو گیا۔

”اوکے ٹھیک ہے پھر کبھی سہی۔“ ارضی بھی یہ کہہ کر باہر کی طرف بڑھ گیا، اس کے جانے کے بعد مشکاکہ خود کو کوٹنے لگی کہ وہ کیوں اس کے سامنے کچھ بول نہیں پاتی، اس کو ارضی کا اتنے مہذب انداز میں بات کرنا بہت ہی اچھا لگتا تھا، تھوڑی دیر وہ اس کو سوچتی رہی پھر وہ سدرہ کی طرف بڑھی تاکہ اس سے اجازت لے کر جا سکے علی باہر آچکا تھا۔

”دل تو کر رہا تھا تمہاری اور ارضی کی تصویر بنا کر پوسٹ بھائی کو سینڈ کر دوں۔“ مشکاکہ اس سے ملنے پر اپنی تو سدرہ نے سر گھٹی میں کہا۔

”جو موت اور میں جا رہی ہوں۔“ مشکاکہ نے مکا اس کے بازو پر مارا، دانیال اس وقت سچ

”اچھا بیٹا میں لوہے کی کڑی پہن کر آ رہی ہوں۔“
خوش ہوئے۔ ”منال نے رنجوش لہجے میں کہا۔
”کوئی ضرورت نہیں کسی کو سینڈ کرنے کی، چلو علی گاڑی نکالو تم میں آ رہی ہوں۔“ مشکاکہ یہ کہتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئی کہ پرس اٹھا کے پیچھے سو لڑکیوں نے پھر سے ”ہائے آئی شرمائیں“ کا فخر بلند کیا، رقیہ بیگم اور رخسانہ بیگم اس فخر سے کون کر خوب محفوظ ہوئیں۔

☆☆☆

دانیال اور سدرہ نے ایک دوسرے کو انگلی پھنکائی اور پھر اس کے بعد کھانا کھانا تو مشکاکہ نے علویہ اور زارا کے ساتھ کھانا کھایا، وہ دونوں تھوڑی دیر بعد چلی گئیں اور مشکاکہ بھی علی کا انتظار کرنے لگی، محض طور پر آج کا یہ نقش سب کے بہت بخوانے لگا تھا، تقریباً ساری کلاس مدعو تھی، وہ تین کو چھوڑ کر سب آئے تھے، مشکاکہ نے علی کو کچ کر دیا تھا وہ تھوڑی دیر میں آنے والا تھا، وہ اس وقت کرسی پر بیٹھی سامنے دانیال اور سدرہ کو دیکھ رہی تھی، ”مشکاکہ“ اور ”سدرہ“ دونوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے سے ہی ایک دوسرے کے لئے ہیں، ان دونوں کو دیکھ کر

مشکاکہ کا دل دھڑکے بھر گیا اس کے ذہن میں پوسٹ آگیا، مشکاکہ کے مطابق پوسٹ اس کے ساتھ کھڑا بالکل اچھا نہیں لگتا تھا کیونکہ وہ اس کا آئیڈل نہیں تھا (یہ شخص اس کے خیالات ہی تھے) وہ انہی خیالوں میں گم تھی کہ سامنے والی کرسی پر اس کو کسی کے بیٹھنے کا احساس نہیں ہوا۔
”مشکاکہ عنایت اللہ حسن، کن خیالوں میں گم ہیں؟“ بائے داوے آپ ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہیں۔“ ارضی نے کھلے دل سے تحریف کی۔
”بہت شکریہ۔“
”آپ یہاں اکیلی کیوں ہیں زارا اور

”اچھا چلو ہاں! میں تیار ہو رہی ہوں۔“
تھوڑی دیر بعد وہ بیٹوں کل سے کشش وکس کرنے لگیں، سدرہ نے پوری کلاس کو انوائٹ کیا تھا اور سب ہی آنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

مشکاکہ اس وقت تیار ہو رہی تھی، اس نے ہل کے ساتھ جانا تھا، مشکاکہ تیار ہو کر باہر گئی، مگر نیلے رنگ کے سوٹ کے ساتھ بال سیدھے کے ٹک ڈالے، چہرے پر ہلکا میک اپ کے وہ لگ جانے کی حد تک خوبصورت لگ رہی تھی۔
”ارے بیٹی بیٹاری“ مشفق کی بھائی جان، تم سے اس وقت اگر پوسٹ بھائی بھائی ہوتے تو نہ اہو جاتے آپ پر۔“ شرمین نے اپنی پیٹریز ایک تصویر لے کر وہیں میں بیٹھا بھائی کو سینڈ کر دی۔
”منال موبائل لے کر آئے۔“

”ارے ہو مجھے دیر ہو رہی۔“
چلو اب آ بھی جاؤ۔“ مشکاکہ نے اور سے

”ارے اب کیا شرمناک پوسٹ بھائی بھائی ہیں۔“
”میریم بولی۔“
”رقیہ بیگم اور رخسانہ بیگم دونوں وہاں آئیں۔“
مشکاکہ کو دیکھتے ہی ماشاء اللہ بولا۔
”بیٹا اپنا بہت دھماکا اور دیکھو چل رہی۔“
جانا زیادہ دیر نہ کرنا۔“ رقیہ بیگم نے اس پر ہاتھ لگ کر اس کا حصار دیتے ہوئے کہا۔

”تائی جان ان کو کہیں ہمیں ایک تصویر بنانے دیں۔“
”ہاں ہاں چلو مشکاکہ تصویر بنانے دو دیکھا۔“
”مجبوراً مشکاکہ کو کھڑا ہونا پڑا اور منال فوراً تین چار تصویریں اتار لیں۔“

☆☆☆
آج مشکاکہ کی تیاری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، کل جب وہ پوندری کی تو سدرہ نے اس کو جو غزنی سٹاں سن کر اس کی جج ہی کل گئی۔
”ارے۔۔۔ کیا؟ اتنی جلدی یہ سب کیسے ہوا۔“ وہ بیٹوں ہی حیران تھیں۔
”بس یار وہ لوگ کالی عرصے سے رشتہ مانگ رہے تھے میں لاعلم تھی اس معاملے سے امی ابو کو اچھا لگا تو ہاں کر دی، اب کل وہ لوگ باقاعدہ رسم کرنے آ رہے ہیں اور میں تم سب کو دعوت دیتے آج آئی ہوں۔“ سدرہ نے تفصیل بتائی۔
”ارے بھائی صاحب کرتے کیا ہیں اور دیکھنے میں کیسے ہیں کچھ تو بتاؤ ہمیں۔“ زارا کے لہجے سے جس چٹک رہا تھا۔
”وہ ڈاکٹر ہیں اور دیکھنے میں بھی بہت پیارا ہے۔“ یہ کہتے ہوئے سدرہ نے اپنا فون آگے کیا جس میں دانیال کی تصویر تھی۔
”ماشاء اللہ۔“ بیٹوں نے تصویر کو دیکھنے کے بعد کہا۔

”سدرہ دانیال بھائی تمہارے آئیڈل پر پورا اترتے ہیں یا۔۔۔“ علویہ نے شرارت سے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔
”ارے میرا دماغ خراب نہیں کہ آئیڈل جیسے سب کے پیچھے بھاگ کر اپنی زندگی برباد کر دوں۔“ سدرہ نے بھی ہنستے ہنستے جواب دیا۔
”منہ تو دوں گی تمہارا، تم کیا کہنا چاہ رہی ہو کہ میں پاگل ہوں۔“ مشکاکہ برا مان گئی۔
”جی جی میں یہ ہی کہنا چاہ رہی ہوں۔“
مشکاکہ نے اس کے بازو پر مکا مارا۔
”ظالم کچھ تو خیال کرو کل میری منگنی ہے۔“ سدرہ نے آہ بھری۔

”سدرہ دانیال بھائی تمہارے آئیڈل پر پورا اترتے ہیں یا۔۔۔“ علویہ نے شرارت سے کہتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔
”ارے میرا دماغ خراب نہیں کہ آئیڈل جیسے سب کے پیچھے بھاگ کر اپنی زندگی برباد کر دوں۔“ سدرہ نے بھی ہنستے ہنستے جواب دیا۔
”منہ تو دوں گی تمہارا، تم کیا کہنا چاہ رہی ہو کہ میں پاگل ہوں۔“ مشکاکہ برا مان گئی۔
”جی جی میں یہ ہی کہنا چاہ رہی ہوں۔“
مشکاکہ نے اس کے بازو پر مکا مارا۔
”ظالم کچھ تو خیال کرو کل میری منگنی ہے۔“ سدرہ نے آہ بھری۔

کاموں پر جا چکی تھی، مشکا کو آج ذرا دیر سے
بوسہ دینا چاہتا تھا۔ اس نے اس کی ہاتھ مار کر
کہا: "اب اس کو حبس میں لے کر آجنا تھا۔
مشکا آج تم ذرا جلدی گھر آ جانا، رقیہ بیگم نے
اس کے خرب کر سی پھینٹے ہوئے کہا۔
"کیوں ای تجر ہے آج ایسا کیا ہے؟"
"پینا آج مجھے کچھ شایگ کرنی ہے اور
تمہارا ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔" تحریم بیگم کی
طرف سے جواب دیا گیا۔

"کیسی شایگ؟" اس نے حیرت سے رقیہ
بیگم کی طرف دیکھا۔
"اے میری جان بس دل کر رہا ہے،
تمہارا اور یوش کی شادی کی ہلکی پھلکی تیاری شروع
کر دو، اگرچہ ابھی وقت کافی ہے لیکن ایسے آہستہ
تھے کہ اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
یہ بیٹے ہی اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو
لیا تھا، وہ صحت بھی کرتی وہاں سے اٹھ گئی، اس
نے دل میں سوچا ہے اب یوش سے خود بات
کر لی، اب اسے کیسے اپنی زندگی زبردستی
کے بیٹوں میں گرا سکتی ہے، جب اس کا دل ہی
اس کے آگے ہوا تو اس کو جلد ہی کچھ کرنا تھا۔

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

کاموں پر جا چکی تھی، مشکا کو آج ذرا دیر سے
بوسہ دینا چاہتا تھا۔ اس نے اس کی ہاتھ مار کر
کہا: "اب اس کو حبس میں لے کر آجنا تھا۔
مشکا آج تم ذرا جلدی گھر آ جانا، رقیہ بیگم نے
اس کے خرب کر سی پھینٹے ہوئے کہا۔
"کیوں ای تجر ہے آج ایسا کیا ہے؟"
"پینا آج مجھے کچھ شایگ کرنی ہے اور
تمہارا ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔" تحریم بیگم کی
طرف سے جواب دیا گیا۔

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

کاموں پر جا چکی تھی، مشکا کو آج ذرا دیر سے
بوسہ دینا چاہتا تھا۔ اس نے اس کی ہاتھ مار کر
کہا: "اب اس کو حبس میں لے کر آجنا تھا۔
مشکا آج تم ذرا جلدی گھر آ جانا، رقیہ بیگم نے
اس کے خرب کر سی پھینٹے ہوئے کہا۔
"کیوں ای تجر ہے آج ایسا کیا ہے؟"
"پینا آج مجھے کچھ شایگ کرنی ہے اور
تمہارا ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔" تحریم بیگم کی
طرف سے جواب دیا گیا۔

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

کاموں پر جا چکی تھی، مشکا کو آج ذرا دیر سے
بوسہ دینا چاہتا تھا۔ اس نے اس کی ہاتھ مار کر
کہا: "اب اس کو حبس میں لے کر آجنا تھا۔
مشکا آج تم ذرا جلدی گھر آ جانا، رقیہ بیگم نے
اس کے خرب کر سی پھینٹے ہوئے کہا۔
"کیوں ای تجر ہے آج ایسا کیا ہے؟"
"پینا آج مجھے کچھ شایگ کرنی ہے اور
تمہارا ساتھ ہونا بہت ضروری ہے۔" تحریم بیگم کی
طرف سے جواب دیا گیا۔

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

دماغ خراب نہ کریں یہ سب۔" آخر مشکا نے
کہا۔
"اچھا بھابھا چارے ہیں یہ سب؟" اس نے
دے رہی ہیں۔" منال نے دکھ سے کہا۔
"چلو بھئی ایشال، مریم، شیرا، بس اب جتنا
عزت ہونا تھا ہولیا، اسے یار ہماری بھی کوئی
عزت نہیں ہے ہم کیوں ہر وقت اپنی بے عزتی
کر دائیں۔" منال کا لہجہ ایسا تھا کہ جیسے اس کو
پڑے کی۔
"اف ذرا سے باز قوم، مروا دھر ہی ہم
سب، ایک نمبر کی ذرا سے اس وقت سے۔" مشکا
یہ کہہ کر بیڈ پر ہی لیٹی تان کر لیٹ گئی، منال اور
کر کے منہ پر بھی دھک لیا، وہ کیوں نے تو مجھے
ڈھٹائی میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی، جب تک
مشکا خود میدان نہ چھوڑی وہ اسے خوب لڑائی
چھوڑتیں۔
"اوکے اوکے آپ اب ہم جارہے ہیں اور
ہاں یاد آیا یوش بھائی کہہ رہے تھے کہ آپ کی مس یو۔"
آخر میں ایشال نے بوگڑی مار دی، دیکھو اس کی
لڑکیاں ہتے ہتے باہر چلی گئیں، منال اور
بیٹی ہو گیا ان سب کے جانے کا وہ انتہائی
کرنے لگی دوبارہ بیڈ پر آ کر لیٹی تھی، تو فون
پر بچ آیا اس نے ناگواری سے بیچ کھولا کیونکہ
اس وقت اس کو بہت نیند آرہی تھی۔
"مائی ڈیر فیوچر سزا آج آپ واقعی میں
بہت باکمال لگ رہی ہیں۔" یوش کا بیچ بڑھ کر
اس کو انرضی امین کی گئی تعریف یاد آئی اور اسے
یقین ہو گیا کہ وہ واقعی بہت پیاری لگ رہی تھی،
مشکا نے فون نیکی کے نیچے رکھا اور سونے کے
لئے لیٹ گئی۔

☆☆☆
"اے میں تو پہلے ہی کہا تھا بھائی کو سوچ
سمجھ لیں، لیکن پتہ نہیں انہیں آپ میں ایسا کیا نظر
آ گیا کہ وہ پھر آپ کے علاوہ کسی کو دیکھنے کو تیار
ہی نہیں ہوئے۔" ثمرین نے پھر لہجہ کو ڈرامائی بنا
کر کہا سب ثمرین کی یہ باتیں بہت انجوائے کر
رہے تھے۔
"دیکھو شیوا ان سب کو باہر لے کر جاؤ میرا
گھر کی باقی ساری عوام ناشتہ کر کے اپنے

دھنکی مادی گھر کوئی اونچی مہل پہننے کی
وجہ سے پاؤں دکھ رہے تھے، ابھی وہ کپڑے پیچ
کر کے کر بیڈ پر لیٹی ہی تھی کہ پوری فوج کمرے
میں داخل ہو چکی تھی۔
"کیسا فکشن رہا آپ۔" شیوا نے سب
کے منہ کا سوال پچھن لیا۔
"دیکھو اس وقت بہت تھک گئی ہوں میں
شرافت سے سب جاؤ اور مجھے آرام کرنے دو۔"
مشکا نے ان سب کو دایں سے بھگانا چاہا وہ لوگ
تو پوری روداد سننے آئیں تھیں۔
"نہم سے ہر وقت مرجھیں ہی جاتی رہا
کریں، ہائے میرے پیچارے بھائی۔" ثمرین
نے تاسف سے کہا۔
"ہائے تمہارا بے چارہ معصوم بھائی۔"
مشکا نے اسی کا انداز اپنایا۔
"انتہا خیال ہے تو کوئی اور لڑکی ڈھونڈ لو ناں
تم۔"

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

☆☆☆
"میں مشکا آپ کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے
کیا، میں کافی دیر سے ٹوٹ کر رہا ہوں آپ کا
دھیان بھر رہی ہیں۔" سزا امتیاز سے رہا نہ گیا تو
انہوں نے پوچھا، مگر اس بات پر ساری کلاس
مشکا کی طرف متوجہ ہوئی، وہ ایک دم گڑبڑا گئی۔
"نہیں سر..... میں ٹھیک ہوں۔"
"اگر طبیعت نہیں ٹھیک تو آپ باہر جا سکتی
ہیں۔" انہوں نے اس کو باہر جانے کا کہا کہ شاید
اس کی طبیعت خراب ہے۔

ماہنامہ
جنا (93) اپریل 2019

تے اتنا ڈرتی ہوئے۔ مثال نے اس کا مذاق ادا کیا۔ مشاکاتہ شام کو سب کے کمرے میں گیا۔ اس کا دل بے چین تھا۔

”وہا، یوش بھائی کہہ رہے تھے کہ وہ آپ کے لئے کیا لے کر آئیں واپسی پر؟“ شمرین نے اپنی ہنسی دہائی۔

”مجھے کچھ نہیں چاہیے۔“ مشکاتہ نے بالوں کو کچھ سے آزاد کر داتے ہوئے کہا وہ اب لینے کے لئے پڑھ رہی تھی اس کو نیند آرہی تھی۔

”ہاں ویسے آپ کو اور کچھ کیوں چاہیے ہوگا بھلا، اتنا اچھا اور ہینڈم بندہ مل تو گیا ہے۔“ ایٹال نے شیزا کی طرف دیکھ کر آنکھ ماری، شیزا نے سر پیٹ لیا کیونکہ وہ سب باز نہیں آتیں تھیں۔

”اچھا اب اگر تم لوگوں کی بکواس ختم ہوگئی ہو تو جاؤ اپنے کمروں میں مجھے سونے دو صبح یونیورسٹی بھی جانا ہے۔“ وہ اب کے چڑھ گئی تھی۔

”تو یہ ہے یار شیزا آپنی یہ کیوں ہر وقت میری چپاری ہنسی ہوتی ہیں آپ تو اتنی خوش اخلاق تھیں مشکاتہ آئی.....“ اب کی بار مریم بولی۔

”بس دیکھ لو، ہر کوئی شیزا نہیں ہوتا۔“ شیزا نے فرضی کالر جھجھڑے۔

”چلو جاؤ باہر جا کر سب باتیں کرو میرا دماغ مت کھاؤ۔“ مشکاتہ نے تکیہ اٹھا کر شمرین کی طرف اچھا لاس کو اس نے بڑی مہارت سے سچ کر لیا اور دکڑی کا نشان بنایا جس پر سب ہنس پڑیں اور اٹھ کر باہر جانے لگیں۔

”اچھا تو پھر تھیک ہے میں کہہ رہی ہوں یوش بھائی کو کہ مشکاتہ آپنی ڈائمنڈ کی رنگ مانگ رہی ہیں، اوکے گڈ نائٹ میری پیاری ہنجر بھابھی جان، لویو۔“ شمرین نے یہ کہہ کر نوراً باہر کی

”دیکھ لو دیکھ لو مشکاتہ نے تم آئیڈل کہتی ہو دو ہنر مند کی خوب روٹی کیک کھائیں گے کچھ کھا کر دیا اس کو پھر چاہیے۔“ وہ غور سے دیکھنے لگی۔

انداز خوب مذاق اڑانے والا تھا۔ کچھ نیل چھوڑ کر انسی نہ جانے کس لڑکی کے ساتھ بیٹھا خوش گپوں میں مصروف تھا وقفے وقفے سے اس کا ہاتھ بھی تھام لیتا تھا۔

”ارے میری بلا سے مجھے کیا، تم لوگ تو ایک بات کو لے کر بیٹھ ہی گئی ہو۔“ مشکاتہ نے ریزاری سے کہا، لیکن اس کو حقیقتاً انسی کو دیکھ کر بہت غصہ آیا تھا، اگر اس کے پاس اتنی دویشیں تھیں تو اس نے مشکاتہ کی طرف کیوں ہاتھ بڑھایا۔

”جی اندر سے خوش جیس ہو رہی ہے، پر میں نا ہر نہیں کروا رہی۔“ علوینہ نے شرارت سے کہا۔

”بکواس مجھے کیا ضرورت.....“ وہ بے نیاز بن گئی، لیکن اس کے بعد بھی ان تینوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا اور وہ بھی ڈھیٹ بن گئی۔

”دیکھ جاؤ شمرین کی کہ وہ سب اس کو مزید چھیڑیں گی۔“

☆☆☆

”مشکاتہ آئی جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں؟“ شمرین نے کان کھجاتے ہوئے کہا، اس وقت ایٹال، منال، مریم، شمرین اور شیزا سب مشکاتہ کے کمرے میں گھسی بیٹھی تھیں رات کا کھانا کھا کر نور ہنجر دھو کر وہ سب فارغ تھیں اور یہ سب کی روٹین تھی کہ وہ رات کو ایک گھنٹہ انسی بٹھتی تھیں، علی اس وقت اپنے کمرے میں لیپ ٹاپ پر مصروف تھا، باقی سب بزرگ بھی اپنے کمروں میں موجود تھے۔

”اللہ اللہ ابھی سے اپنی ہونے والی بھابھی

آئندہ ہر بات سن کر نہ زان بھول جائے گی۔“ ہاں تو بہت اچھی بات ہے م ہوئی اس کے قابل۔“ زارا نے مزید اس کو چڑایا۔

”ہاں تم لوگ بھی اڑا لو میرا مذاق، لیکن ملے ہے میں اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا والی۔“ مشکاتہ نے ضدی لہجہ میں کہا۔

”شرم کرو یار، آخر یوش بھائی میں کی ہے، کیوں تم ضد لگا کر بیٹھتی ہو۔“ وہ تینوں اس کی ضد سے عاجز آ چکی تھیں۔

”یار میں کیا کروں میرا دل ہی نہیں ہے،“ ہوتا۔“ آخر میں مشکاتہ نے کسی سے کہا اور تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں۔

”کہیں تم انسی کی جگہ سے تو نہیں ملتی؟“ نے بات کو ادھورا چھوڑ کر پوچھا۔

”ارے تم لوگ باگل ہو، انسی نے کون سا مجھے پر پوز کیا ہے، یوش کے لئے تو میرا دل تڑپ رہا ہے، میں نے اس سے کہا کہ میں اس سے ملوں۔“ مشکاتہ نے اپنا سر ہاتھوں میں ڈھکیا۔

”اچھا چلو اٹھو ہم کہیں باہر کھانے کی جگہ ہیں تمہارا موڈ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔“ علوینہ طرف سے تجویز دی گئی، جس پر وہ تینوں اٹھ اٹھ گئیں، کیونکہ اب وہ فارغ تھیں، آج اور چھٹی پر تھا اور نہ وہ اکثر چھٹی کے بعد آکر اس پاس بیٹھ جاتا تھا۔

وہ چاروں تھوڑی دیر بعد ایک بال موجود خوش گپوں میں مصروف تھیں ساتھ ساتھ کھانا بھی کھا رہی تھیں۔

”ارے ارے کیا کمال کا منظر ہے سامنے دیکھو۔“ کھانے کے دوران ایک دم علوینہ ہاتھوں نے سامنے دیکھا علوینہ اور سدرہ کی تو لم چھوٹ گئی جبکہ مشکاتہ تو بس دیکھتی ہی رہ گئی۔

”اس نے کیا کہا ہے یہی کہہ رہا تھا کہ

”تم جو مرضی سمجھو، شادی تو تمہاری صرف مجھ سے ہوگی، اس بات کو جتنا جلدی ذہن میں بیٹھا لو اتنا اچھا ہے، ورنہ یقین کرو میں گھر والوں کے سامنے بھی تمہارا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں جا کر نکاح کروں نہ تو مجھے کوئی کچھ نہیں کہنے والا۔“

آخر میں یوش نے فخریہ انداز اپنایا۔

”انتہائی فضول ہیں آپ۔“ وہ روہانی ہو گئی اتنا وہ بھی جانتی تھی کہ اس سے جان چھڑانا آسان نہیں۔

”بھئی جیسا بھی ہوں جو بھی ہوں تمہارا ہوں، قبول تو کرنا پڑے گا کہیں۔“ یوش کا موڈ نارمل ہو چکا تھا، اس نے مشکاتہ کو مزید چڑایا۔

”یہ بھول ہے آپ کی۔“ مشکاتہ نے یہ کہہ کر نوں بند کر دیا، تھوڑی دیر بعد اس کے نوں پر منج آیا۔

”مشکاتہ مجھے سے ضد نہ لگانا اور یہ فضول گوئی آئندہ مت کرنا آج پہلی اور آخری بار میں یہ بات سن رہا ہوں دوبارہ معاف نہیں کروں گا۔“

مشکاتہ نے یہ پڑھتے ہی نوں بیڈ پر زور سے شیخ دیا اور لیٹ گئی وہ الگ بات تھی کہ اب اسے پوری رات نیند نہیں آتی تھی۔

☆☆☆

”تم نے واقعی اس سے بات کر لی؟“ سدرہ نے شدید حیرت سے پوچھا۔

”ہاں کر لی۔“ مندر لگا کر جواب دیا گیا۔

”اچھا تو پھر کیا کہا اس نے تمہاری اس بے نیکی بے ہودہ بات کے جواب میں۔“ علوینہ نے پوچھا۔

رہے بیگم اسے سنا دے اور انظر سے دیکھا۔
 ”ابو میں ابھی شادی کے لئے بالکل تیار نہیں۔“ مشکاکہ کو اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہوا۔
 ”اچھا ٹھیک ہے بیٹا تم جاؤ میں ان سے بات کروں گا۔“ عنایت صاحب اس کے چہرے کی اڑتی ہوا نیکیاں دیکھ کر حیران ہوئے تھے، وہ ایک سکینہ بھی وہاں نہیں رکی، کمرے میں آکر وہ خوب روئی، وہ جتنا اس حقیقت سے بھاگ رہی تھی یہ حقیقت بار بار سانس کی طرح چھین پھلانے اس کے سامنے تھی، آخر ایک نہ ایک دن تو یہ ہونا ہی تھا، وہ کب تک بھاگ سکتی تھی اس سے۔

”یا اللہ اگر یہ شخص میرا نصیب ہے تو میرا دل بھی اس کی طرف موڑ دے۔“ مشکاکہ نے آنکھیں بند کر کے آنسو بہاتے ہوئے دعا کی، وہ واقعی بس یہی تھی، اس معاملے میں۔

☆☆☆

”یار تم لوگ بہت بدتمیز ہو جب بھی چھٹی کرتی ہو ایک ساتھ کر لیتی ہو، پیچھے میں پورا دن بور ہوتی رہتی ہوں۔“ زارا، علویہ، سدرہ اگلے دن آئیں تو مشکاکہ شکوہ کیے بنانہ رہ پائی۔
 ”کیوں ارٹھی تو چھٹی نہیں کرتا نا اس سے کہنی لے لیا کرو۔“ سدرہ نے اس کو چھیڑا۔
 ”ہاں ہاں تم لوگوں سے بہت بہتر ہے وہ مجھے بور نہیں ہونے دیتا خوب کہنی دیتا ہے۔“ مشکاکہ نے بھی آگے سے ڈھٹائی سے جواب دیا۔
 ”ہاں آج کل روحانہ نہیں آتی تب ہی تمہارے ساتھ لگا رہتا ہے۔“ علویہ نے ہنستے ہنستے کہا۔

”اپنا منہ بند رکھو تم چڑیل۔“ مشکاکہ نے بیگ اٹھا کر اس کو مارنا چاہا۔

یو چھاب نہیں ہر ضروری بات کوئی دیکھ کر دھڑکتا ہے۔
 ”ارے مجھے کیا یقین ہے آپ کی شادی سے متعلق کوئی بات ہوگی۔“ منال نے آنکھیں گھما کر دیکھا گیا۔
 ”بکومت۔“ مشکاکہ اسے گھور کر باہر چلی گئی اس کا دل بہت بے چین ہو رہا تھا۔
 ”ابو آپ نے بلایا ہے۔“ وہ کمرے میں آئی اور بولی، رقیہ بیگم بھی وہاں موجود تھیں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ واقعی کوئی ضروری بات ہے۔
 ”بیگم۔“ منال نے کرسی کی طرف اشارہ کیا وہ جب جا رہی تھی۔

”مشکاکہ کل شامیر اور تحریم نے مجھ سے شادی کے حوالے سے بات کی ہے وہ چاہتے کہ ہمارے ایک گرام کے لکھنؤ آباد ہم شادی کر دیں۔“ عنایت صاحب نے اصل بات بتائی جس کو سن کر مشکاکہ کا دل جیسے کسی نے تھپی میں لے لیا، شادی کے نام پر وہ ایسے ہی مبرا جاتی تھی۔

”لیکن ابو میں ابھی آگے مزید پڑھنا چاہتی ہوں۔“ لیکن ابھی ابھی آگے مزید پڑھنا چاہتی ہوں۔
 ”تم اب میری اسلٹ کر دی ہو۔“ ارٹھی نے منہ بنا کر کہا۔
 ”میں نے جج کہا جو کہ زیادہ خوش رہا۔“ ارٹھی نے مشکاکہ کے لئے زیادہ خوش رہا۔
 ”شادی کے لئے زیادہ خوش رہا۔“ ارٹھی نے مشکاکہ کے لئے زیادہ خوش رہا۔

”اتنا پڑھ کر کیا کرنا ہے تم نے اور اگر اتنا ہی شوق ہے تو تم پریش کو کہہ دیں گے وہ تمہیں ضرور پڑھا دے گا آگے۔“ رقیہ بیگم کو اس کے بے لگنے سے جواب پر غصہ آیا وہ بولے بنانہ رہ گئیں۔
 ”ارے تم تم چپ کرو مجھے اس سے بات کرنے دو۔“ عنایت صاحب نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔
 ”میں کیوں چپ کروں اس کی فضول باتوں کو سنجیدہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

میں وہ ہوں جسے یہ خصوصیت تھی۔
 ”ارے سنو! تم سے دوستی اس لئے کی تھی کہ تم مجھے اچھی لگی تھی، دیکھو تو مجھیں پتہ ہے میں سب کے ساتھ دوستی بنا کر رکھتا ہوں اپنا مزاج ہی ایسا ہے، لیکن تمہارے ساتھ زیادہ اس لئے کہ بھول تمہارے میں کسی کا بھی آئینہ مل.....“ ابھی بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ مشکاکہ بول پڑی۔
 ”اوہ بھئی، وہ پس دو دوستوں کو چڑانے کے لئے ایک مذاق تھا، ورنہ اب مجھے کچھ نہیں ہے زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ مشکاکہ نے فوراً اس کی بات کی تردید کی، کیونکہ اسے بات بالکل اچھی لگی تھی اس کا دوستوں کے ساتھ کیا کیا مذاق ارٹھی تک پہنچ چکا تھا۔
 ”تم اب میری اسلٹ کر دی ہو۔“ ارٹھی نے منہ بنا کر کہا۔
 ”میں نے جج کہا جو کہ زیادہ خوش رہا۔“ ارٹھی نے مشکاکہ کے لئے زیادہ خوش رہا۔
 ”شادی کے لئے زیادہ خوش رہا۔“ ارٹھی نے مشکاکہ کے لئے زیادہ خوش رہا۔

”تم اب میری اسلٹ کر دی ہو۔“ ارٹھی نے منہ بنا کر کہا۔
 ”میں نے جج کہا جو کہ زیادہ خوش رہا۔“ ارٹھی نے مشکاکہ کے لئے زیادہ خوش رہا۔
 ”شادی کے لئے زیادہ خوش رہا۔“ ارٹھی نے مشکاکہ کے لئے زیادہ خوش رہا۔

”شیر اپنا مشکاکہ کو میرے پاس اسٹڈی بنا بھیجو مجھے اس سے کچھ بات کرنی ہے۔“ عنایت صاحب کو چاہئے دے آئی گی۔
 ”جی ابو..... میں سمجھتی ہوں۔“
 ”آپنی ابو آپ کو بلا رہے ہیں۔“ شیرا کے کمرے میں آ کر کہا، باقی لڑکیاں بھی وہاں براجمان تھیں۔
 ”خیریت ہے کیوں بلا رہے ہیں۔“ مشکاکہ

طرز اور لگاؤ، امکان ہاں کہہ سکتے ہیں۔
 ”ارے سنو! تم سے دوستی اس لئے کی تھی کہ تم مجھے اچھی لگی تھی، دیکھو تو مجھیں پتہ ہے میں سب کے ساتھ دوستی بنا کر رکھتا ہوں اپنا مزاج ہی ایسا ہے، لیکن تمہارے ساتھ زیادہ اس لئے کہ بھول تمہارے میں کسی کا بھی آئینہ مل.....“ ابھی بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ مشکاکہ بول پڑی۔
 ”اوہ بھئی، وہ پس دو دوستوں کو چڑانے کے لئے ایک مذاق تھا، ورنہ اب مجھے کچھ نہیں ہے زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ مشکاکہ نے فوراً اس کی بات کی تردید کی، کیونکہ اسے بات بالکل اچھی لگی تھی اس کا دوستوں کے ساتھ کیا کیا مذاق ارٹھی تک پہنچ چکا تھا۔
 ”تم اب میری اسلٹ کر دی ہو۔“ ارٹھی نے منہ بنا کر کہا۔
 ”میں نے جج کہا جو کہ زیادہ خوش رہا۔“ ارٹھی نے مشکاکہ کے لئے زیادہ خوش رہا۔
 ”شادی کے لئے زیادہ خوش رہا۔“ ارٹھی نے مشکاکہ کے لئے زیادہ خوش رہا۔

”ہائے بونی ٹل، کیسی ہو؟“ وہ کلاس روم میں بیٹھی اپنی تینوں سہیلیوں کو بچ کر رہی تھی، کیونکہ ابھی تک تینوں کا کوئی اند پتہ نہیں تھا، اس نے ایک نظر اٹھا کر مقابل کو دیکھا جو ہمیشہ کی طرح لا جواب لگ رہا تھا۔
 ”میں ٹھیک ہوں۔“ مشکاکہ چاہ کر بھی اپنی ناراضگی نہ چھپا سکی۔
 ”ارے موز کیوں آف ہے تمہارا۔“ ارٹھی نے اس کے لہجے کی زاری بھانپ لی تھی۔
 ”نہیں تو، ایسا کچھ نہیں ہے۔“

”یار اب ہم دوست ہیں نہ تو تم ایسے تکلفات میں کیوں پڑتی ہو؟“ اس نے اپنے بالوں میں دونوں ہاتھ جھیرے ہوئے کہا۔
 ”دیکھو تمہیں کیا ضرورت ہے مجھ سے دوستی کرنے کی تمہارے پاس تو پہلے سے ہی بہت سی دوستیں موجود ہیں۔“ مشکاکہ نے ہنسیوں اچکا کر پوچھا۔

”اور یہ روحانہ بھی نظر نہیں آ رہی وہ کہاں ہے تمہاری بیٹ فریڈ۔“ مشکاکہ کا لہجہ جج معنوں میں بھنا ہوا تھا، ان سب باتوں کے جواب میں ارٹھی اینک کا قہقہہ سننے لاق تھا۔
 ”تمہیں کس بات پر اعتراض ہے؟ میرے دوستی کا ہاتھ بڑھانے پر یا میرے مزید دوستیاں کرنے پر۔“ ارٹھی نے تھوڑی دیر بعد اس کی طرف دیکھ کر پوچھا، مشکاکہ تو اس کو دیکھ کر رہ

”آج بچہ صرف رشتہ داروں کے ساتھ ہی آ رہا ہے۔“
 ”اے کیونکہ وہ ہم سے بھی آج جلدی جاتا ہے۔“
 آج میرے سسرال والوں کی دعوت ہے۔“
 سدرہ بولی۔

”ارے مجھے بھی جلدی جانا ہے۔“ علویہ
 اور زرارہ دونوں ایک ساتھ بولیں۔
 ”دفعہ ہو جاؤ تم سب کی سب بلکہ مری
 جاؤ۔“ مشکا نے کو حقیقتاً غصہ آ گیا تھا، کل بھی وہ
 تینوں چھٹی پر تھیں اور آج بھی تب کیا جب مشکا
 یونور کی آچلی گی۔

”یار مجھے امی کے ساتھ بازار جانا ہے۔“

زارہ نے بے جا رنج سے کہا۔
 ”اور مجھے چھوٹی کوڈاکڑ کے پاس لے کر
 جانا ہے۔“ علویہ کی چھوٹی بہن کا بیٹا بھی۔

”چلو اٹھو پھر کا نام ہو گیا ہے، پھر کے بعد
 ہم تینوں کبھی نکلتیں ہیں۔“ سدرہ نے مشکا کا
 اڑا ہوا منہ دیکھ کر کہا اور وہ تینوں اٹھ گئیں، لیکن

کے بعد وہ تینوں چلیں گی اور مشکا بانی سارے
 لیکن لے کر علی کو بیچ کر لے گئی کیونکہ اس کو لینے
 آجائے، علی کا ابھی صرف یونور کی ایڈمیشن ہوا
 تھا، ابھی کلاس شروع ہونے میں وقت تھا تو آج
 کل وہ ہی مشکا کو لینے اور چھوڑنے آتا تھا۔

”مشکا چلو میں بھی نکل رہا ہوں میرے
 ساتھ ہی چلو آج نہیں چلی بھی کروانا ہوں۔“ وہ

باہر گراؤنڈ میں بیٹھی مٹی کی کرسی وہاں آ گیا۔
 ”بالکل نہیں میں نے علی کو بیچ کر دیا ہے وہ

آتا ہو گا تم جاؤ۔“ مشکا نے مسکرا کر اس کو دیکھا
 اور کہا۔

”تم مجھے انکار کر رہی ہو، تم کیوں بھول
 جاتی ہو اب ہم دوست ہیں۔“ ارضی نے حیرت

سے اس کی طرف دیکھا۔
 ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن بس آپ کے ساتھ

میں ہر جا رہا ہوں۔“ ارضی نے جواب دیا۔
 ”اے کیونکہ وہ ہم سے بھی آج جلدی جاتا ہے۔“
 آج میرے سسرال والوں کی دعوت ہے۔“
 سدرہ بولی۔

”ارے مجھے بھی جلدی جانا ہے۔“ علویہ
 اور زرارہ دونوں ایک ساتھ بولیں۔
 ”دفعہ ہو جاؤ تم سب کی سب بلکہ مری
 جاؤ۔“ مشکا نے کو حقیقتاً غصہ آ گیا تھا، کل بھی وہ
 تینوں چھٹی پر تھیں اور آج بھی تب کیا جب مشکا
 یونور کی آچلی گی۔

”یار مجھے امی کے ساتھ بازار جانا ہے۔“

زارہ نے بے جا رنج سے کہا۔
 ”اور مجھے چھوٹی کوڈاکڑ کے پاس لے کر
 جانا ہے۔“ علویہ کی چھوٹی بہن کا بیٹا بھی۔

”چلو اٹھو پھر کا نام ہو گیا ہے، پھر کے بعد
 ہم تینوں کبھی نکلتیں ہیں۔“ سدرہ نے مشکا کا
 اڑا ہوا منہ دیکھ کر کہا اور وہ تینوں اٹھ گئیں، لیکن

کے بعد وہ تینوں چلیں گی اور مشکا بانی سارے
 لیکن لے کر علی کو بیچ کر لے گئی کیونکہ اس کو لینے
 آجائے، علی کا ابھی صرف یونور کی ایڈمیشن ہوا
 تھا، ابھی کلاس شروع ہونے میں وقت تھا تو آج
 کل وہ ہی مشکا کو لینے اور چھوڑنے آتا تھا۔

”مشکا چلو میں بھی نکل رہا ہوں میرے
 ساتھ ہی چلو آج نہیں چلی بھی کروانا ہوں۔“ وہ

باہر گراؤنڈ میں بیٹھی مٹی کی کرسی وہاں آ گیا۔
 ”بالکل نہیں میں نے علی کو بیچ کر دیا ہے وہ

آتا ہو گا تم جاؤ۔“ مشکا نے مسکرا کر اس کو دیکھا
 اور کہا۔

”تم مجھے انکار کر رہی ہو، تم کیوں بھول
 جاتی ہو اب ہم دوست ہیں۔“ ارضی نے حیرت

سے اس کی طرف دیکھا۔
 ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن بس آپ کے ساتھ

میں ہر جا رہا ہوں۔“ ارضی نے جواب دیا۔
 ”اے کیونکہ وہ ہم سے بھی آج جلدی جاتا ہے۔“
 آج میرے سسرال والوں کی دعوت ہے۔“
 سدرہ بولی۔

”ارے مجھے بھی جلدی جانا ہے۔“ علویہ
 اور زرارہ دونوں ایک ساتھ بولیں۔
 ”دفعہ ہو جاؤ تم سب کی سب بلکہ مری
 جاؤ۔“ مشکا نے کو حقیقتاً غصہ آ گیا تھا، کل بھی وہ
 تینوں چھٹی پر تھیں اور آج بھی تب کیا جب مشکا
 یونور کی آچلی گی۔

”یار مجھے امی کے ساتھ بازار جانا ہے۔“

زارہ نے بے جا رنج سے کہا۔
 ”اور مجھے چھوٹی کوڈاکڑ کے پاس لے کر
 جانا ہے۔“ علویہ کی چھوٹی بہن کا بیٹا بھی۔

”چلو اٹھو پھر کا نام ہو گیا ہے، پھر کے بعد
 ہم تینوں کبھی نکلتیں ہیں۔“ سدرہ نے مشکا کا
 اڑا ہوا منہ دیکھ کر کہا اور وہ تینوں اٹھ گئیں، لیکن

کے بعد وہ تینوں چلیں گی اور مشکا بانی سارے
 لیکن لے کر علی کو بیچ کر لے گئی کیونکہ اس کو لینے
 آجائے، علی کا ابھی صرف یونور کی ایڈمیشن ہوا
 تھا، ابھی کلاس شروع ہونے میں وقت تھا تو آج
 کل وہ ہی مشکا کو لینے اور چھوڑنے آتا تھا۔

”مشکا چلو میں بھی نکل رہا ہوں میرے
 ساتھ ہی چلو آج نہیں چلی بھی کروانا ہوں۔“ وہ

باہر گراؤنڈ میں بیٹھی مٹی کی کرسی وہاں آ گیا۔
 ”بالکل نہیں میں نے علی کو بیچ کر دیا ہے وہ

آتا ہو گا تم جاؤ۔“ مشکا نے مسکرا کر اس کو دیکھا
 اور کہا۔

”تم مجھے انکار کر رہی ہو، تم کیوں بھول
 جاتی ہو اب ہم دوست ہیں۔“ ارضی نے حیرت

سے اس کی طرف دیکھا۔
 ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن بس آپ کے ساتھ

میں ہر جا رہا ہوں۔“ ارضی نے جواب دیا۔
 ”اے کیونکہ وہ ہم سے بھی آج جلدی جاتا ہے۔“
 آج میرے سسرال والوں کی دعوت ہے۔“
 سدرہ بولی۔

”ارے مجھے بھی جلدی جانا ہے۔“ علویہ
 اور زرارہ دونوں ایک ساتھ بولیں۔
 ”دفعہ ہو جاؤ تم سب کی سب بلکہ مری
 جاؤ۔“ مشکا نے کو حقیقتاً غصہ آ گیا تھا، کل بھی وہ
 تینوں چھٹی پر تھیں اور آج بھی تب کیا جب مشکا
 یونور کی آچلی گی۔

”یار مجھے امی کے ساتھ بازار جانا ہے۔“

زارہ نے بے جا رنج سے کہا۔
 ”اور مجھے چھوٹی کوڈاکڑ کے پاس لے کر
 جانا ہے۔“ علویہ کی چھوٹی بہن کا بیٹا بھی۔

”چلو اٹھو پھر کا نام ہو گیا ہے، پھر کے بعد
 ہم تینوں کبھی نکلتیں ہیں۔“ سدرہ نے مشکا کا
 اڑا ہوا منہ دیکھ کر کہا اور وہ تینوں اٹھ گئیں، لیکن

کے بعد وہ تینوں چلیں گی اور مشکا بانی سارے
 لیکن لے کر علی کو بیچ کر لے گئی کیونکہ اس کو لینے
 آجائے، علی کا ابھی صرف یونور کی ایڈمیشن ہوا
 تھا، ابھی کلاس شروع ہونے میں وقت تھا تو آج
 کل وہ ہی مشکا کو لینے اور چھوڑنے آتا تھا۔

”مشکا چلو میں بھی نکل رہا ہوں میرے
 ساتھ ہی چلو آج نہیں چلی بھی کروانا ہوں۔“ وہ

باہر گراؤنڈ میں بیٹھی مٹی کی کرسی وہاں آ گیا۔
 ”بالکل نہیں میں نے علی کو بیچ کر دیا ہے وہ

آتا ہو گا تم جاؤ۔“ مشکا نے مسکرا کر اس کو دیکھا
 اور کہا۔

”تم مجھے انکار کر رہی ہو، تم کیوں بھول
 جاتی ہو اب ہم دوست ہیں۔“ ارضی نے حیرت

سے اس کی طرف دیکھا۔
 ”وہ تو ٹھیک ہے لیکن بس آپ کے ساتھ

☆☆☆

”شیراز، مریم تم دونوں تیار رہنا میرے
 ساتھ، تم دونوں کو بازار لے کر جانا ہے مجھے پاپا
 کے لئے شاپنگ کرنی ہے۔“

آج بھتیہ تھا اور مشکا نے آج شاپنگ
 کرنے جانا تھا کیونکہ باقی دنوں میں اس کے
 پاس نام نہیں ہوتا تھا، ان کی کلاس کے آگے
 والے جوئیرز کو باری دے رہی تھی تو آج کل

سب اس کی تیاری میں مصروف تھے۔ ارضی
 لیٹ ابھی اور باہر تاشہ کرنے آئی تو باقی سب
 لڑکیاں پہلے سے ہی ٹیبل پر موجود تھیں ان کی سب

بھی کالج نہیں گئی جب صرف امیر کوئی ایک چھٹی
 کرنی تو باقیوں پر بھی فرض ہو جاتا تھا چھٹی کی بنا
 ”کس وقت جانا ہے تم۔“

بیگم نے اس سے پوچھا وہ بھی وہاں ہی موجود
 تھیں۔
 ”آئی توڑا انہر کر شام تک جانے کے ہم
 علی کو ساتھ لے جائیں گے کیونکہ اب اسے گاڑی
 چلانی آتی ہے۔“ مشکا نے بتایا۔

”ٹھیک ہے بیٹا جاتے ہوئے مجھ سے
 پنک کلر کا سوٹ لے لیا اور آتے ہوئے اس
 دوپٹہ لے آتا۔“

”خیر بیگم اس دن بھی اس
 دوپٹہ لانا بھول چکی تھیں۔“

”ٹھیک ہے میں لے جاؤں گی۔“
 ”یار آئی ہم ایک شرط پر جائیں گی کہ آپ

واپسی پر ہمیں کھانا کھلائیں گی۔“ مریم نے شیراز
 کے ساتھ

تھا کہ دینے والی شاپنگ کے بعد وہ لوگ
 ایک مشہور ہوٹل میں کھانا کھانے گئیں تھے علی ان
 کو وہاں چھوڑ کر گاڑی میں پیٹرول ڈلوانے چلا
 گیا تھا، وہ شیراز اور مریم کو بیٹھا کر ریسیرپشن پر

☆☆☆

کئی سے کر دینا ہی تھے ایک مرد باور
آج کے دن میں اس کے ساتھ، ارضی
ایک کو آج تک کسی نے انکار نہیں کیا۔ وہ دے
دے غصے سے بولا۔
”چلو میرے ساتھ۔“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر
اس کو کھینچ کر لے جانے لگا۔
”ارضی میرا ہاتھ چھوڑو میں کہہ رہی ہوں
مجھے کہیں نہیں جانا۔“ مشکا کو غصہ آنے لگا۔
”یہاں شوکر کے تماشا نہ بنو! نہ اپنا نہ
میرا، بس میری بات سن لو میرے ساتھ چلو۔“
ارضی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا، مشکا چیپ
چاپ اس کی گاڑی میں بیٹھ گئی۔
”کہاں جا رہے ہو تم؟“ تھوڑی دیر بعد
مشکا نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا جو کہ چیپ
چاپ ڈرائیونگ کر رہا تھا، لب لبیب ہوئے تھے،
جس کی وجہ سے ڈیپل بالکل واضح ہو رہے تھے جو
اس کو مزید خوبصورت بناتے تھے۔
”خود کچھ لینا ابھی تھوڑی دیر میں۔“ ارضی
نے جواب دیا مشکا کو اب ڈر بھی لگنے لگا تھا
حالانکہ وہ پہلے بھی ایک دفعہ اس کے ساتھ گاڑی
میں بیٹھ چکی تھی اب تو وہ لوگ اتنا فریگ تھے کہ
آسانی سے وہ کہیں بھی آ جا سکتے تھے لیکن وہ الگ
بات ہے وہ اس کے ساتھ جاتی نہیں تھی، تھوڑی
دیر بعد گاڑی ایک گھر کے باہر کی۔
”اتر، اور آؤ میرے ساتھ۔“ ارضی نے
جیسے حکم نامہ جاری کیا، مشکا کے پاس اب اس
کی بات ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا اور اتر
آئی اور اس کے پیچھے بھی گھر کے اندر داخل ہوئی،
کمرے میں آ کر صوفے کی طرف اشارہ کیا۔
”بیٹھو یہاں، میں تمہیں ماما سے ملوانے لایا
ہوں، میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ ارضی
نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

ہو کسی سے تم کو کتنی ہی۔“ ارضی نے
شاد سے پوچھا۔
”اوتے نکاس نہ کرو جی میں تو مشکل
ہوں اور خوش بھی مجھے کیا ضرورت ہے ان
پکڑوں میں پڑنے کی، جو مزہ سنگل ہونے میں
ہے وہ تم ہی سمجھ سکتی ہو، سدرہ یا مشکا نہیں۔“
آخر میں علویہ نے ان دونوں کو چھیڑا۔
”اچھا بیٹا کمرے کی ماں کب تک خیر
منائے گی کو لوگوں زیادہ دیر نہیں ہے اب تمہاری
بھی۔“ مشکا نے ایک اشارہ کر اس کو مارا وہ تینوں
کھانسیں لیں۔
☆ ☆ ☆
جب معمول مشکا چھٹی کے بعد گراؤنڈ
میں آئی اور ٹی کو بیچ کر، سدرہ، زارا اور علویہ
ایک ساتھ بھی جایا کرتی تھیں کیونکہ تینوں ایک ہی
کاؤنٹی میں رہائش پذیر تھیں وہ تینوں جا چکی
تھیں۔
”مشکا میری بات سنو۔“ ارضی نے اس
کو دیکھا تو فوراً اس کے پاس آیا، وہ صبح سے نوٹ
کر رہی تھی کہ اس سے کچھ اکڑی اکڑی
”میں گھر جا رہی تھی ہوں میرے پاس
وقت نہیں ہے۔“ وہ آگے بڑھنے لگی تھی کہ ارضی
نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، مشکا نے اس کی طرف
دیکھا (ایک دوسرے سے نظر میں بٹانا آسان کام
نہیں) اور وہی طرح وہ بہت خوبصورت لگ رہا
تھا، اس کو دیکھ کر مشکا نے سوچا، اللہ کسی کسی کو
دانی بہت زیادہ سن کی دولت عطا کر دیتا ہے، وہ
بھی انہیں میں سے تھا۔
”ارضی میرا ہاتھ چھوڑو۔“ مشکا اپنا ہاتھ
چھڑانا چاہ رہی تھی۔
”مجھے تم سے بات کرنی ہے اور آج ہی

میں، ابھی اتنا برا وقت بھی نہیں آیا۔“
میشکا نے اس کا ہاتھ اس کو پوچھا ہے بھی
کر کے مڑا رہا تھا۔
”تم مجھ سے شادی پر آمادہ ہو گئی ہو اس کا تو
میں مطلب بنتا ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت ہوگی
ہے میرے یہاں آنے کے بعد سے، چلو شکر ہے
میرا یہ دورہ بے کار نہیں گیا۔“ وہ اپنی ہی ہانک رہا
تھا۔
”اف حد ہے۔“ وہ چڑی۔
”ارے مائی ڈیئر فریڈمز، ابھی میری حد
دیکھی ہی کہاں ہے آپ۔“ یوں جسے اس
مزید چڑایا۔
”اچھا میں اب سوئے گی ہوں اللہ حافظ۔“
مشکا نے جان چھڑانے میں ہی عافیت جانی۔
”ہا ہا! یہاں میرا دل کر رہا ہے وہ وہ وہ
ڈائیلاگ بولو، وہ جو بول سکاں مل کر پوچھیں،
”ہائے آئی شرما گئیں۔“ لیکن میں اس کو ایڈیٹ
کر کے بول لیتا ہوں، ”ہائے مشیت شرما گئی۔“ یوش
کی یہ بات سن کر مشکا کے چہرے پر پتا چلا
ہوئے بھی مسکراہٹ گھر گئی اور اس کی تھوڑی دیر
دیا، اس کو آج بات کر کے پہلے کی طرح برا نہیں
لگا تھا۔
☆ ☆ ☆
”ہیلو لڑکیو!“ علویہ سامنے سے آئی اور ابنا
بیک ٹیبل پر پھینکا، وہ سیدھا کیفہ ہی آئی تھی
اسے پتہ تھا اس وقت وہ تینوں وہاں ہی ہوں گی۔
”اوتے آج بڑی دیر کر دی آنے میں۔“
سدرہ نے حیرت سے پوچھا کیونکہ سدرہ زیادہ
وقت پر ہی آتی تھی۔
”ہاں بس رات کو دیر سے سوئی تو آنکھ نہ
کھلی۔“ علویہ نے نفرت سے کہا۔
”خیر تو ہے رات کو کسی کی یادوں میں رہی

”ابھی کمرے میں آئے۔“
کافی تھک گئی تھی، لہذا فوراً سونے کے لئے لیٹ
گئی، لیکن نہ جانے کیوں تین دنوں آ رہی تھی، اپنے
ہی خیالوں میں گم تھی کس کا فون چیخا، مشکا
نے نمبر دیکھے بغیر فون اٹھا لیا۔
”یہ میں کیا سن رہا ہوں تم نے فی الحال
شادی سے بچ کر دیا ہے؟“ فون پر یوش کی
بھاری آواز گونجی۔
”جی ٹھیک ہے آپ نے۔“ مشکا اس
کی آواز سن کر اٹھ بیٹھی تھی۔
”جیہ پوچھ سکتا ہوں۔“ سرد لہجے میں کہا
گیا۔
”بس ابھی میں ذہنی طور پر شادی کے لئے
تیار نہیں۔“ مشکا کا موڈ پہلے ہی خراب تھا اور
اب یوش کی یہ باتیں۔
”یار کیوں ستا رہی ہو مجھے، میں نے کون سا
ابھی شادی کا کہا ہے، تمہاری تعلیم مکمل ہو کر رہی
شادی ہوگی۔“ یوش کے لہجے میں بے بسی نمایاں
تھی۔
”یوش میں مزید پڑھنا چاہتی ہوں، میں
نے کون سی ہمیشہ کے لئے انکار کیا ہے بس تھوڑا
سادقت ہی تو مانگا ہے۔“ مشکا کو نہ جانے کیوں
روتا آ گیا۔
”ارے واہ، اس کا مطلب میری دھمکی کام
کرگئی۔“ یوش کا موڈ ایک دم شرارتی ہو گیا۔
”میں کسی دھمکی سے نہیں ڈرتی مانٹو
ات۔“
”اچھا، تو کہیں مجھ سے بہار تو نہیں ہو گیا
تمہیں۔“ وہ فون پر بھی یوش کی مسکراہٹ محسوس
کر سکتی تھی۔
”خوش فنی کے پہاڑ پر زیادہ اونچے مت

نہیں۔“ ارتضیٰ نے ناک پر سے ہنسی اڑائی۔
”مسٹر اور تمہیں کیوں لگا کہ میں تم سے
شادی کروں گی۔“ مشکاکو اب اس پر بہت غصہ
آنے لگا تھا اور اپنے آپ پر بھی وہ کیوں اس کے
ساتھ آگئی تھی۔
”کیونکہ بقول تمہارے میں کسی کا
بھی.....“ بھی بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ
مشکاکو بول پڑی۔
”لے دو ف تو ف تھی میں یواس کی تھی میں
نے۔“ وہ چیخ اٹھی۔
”مجھے اب گھر جانا ہے۔“ مشکاکو یہ کہہ کر
ایک اٹھاۓ وہاں سے اٹھ گیا اور جاۓ گا۔
”ادبیو، ادھر بیٹو آرام سے۔“ ارتضیٰ نے
اس کا بازو پکڑ کر اس کو صوفے پر چٹا، مشکاکو نے
پچھلی آنکھوں سے اس کو دیکھا یہ ارتضیٰ کا کون
دوب تھا اب معجنوں میں مشکاکو کے پسینے
ٹپ ٹپ تھے۔
”ارتضیٰ یہ کیا بدتمیزی ہے مجھے گھر جانا
مشکاکو بولی تو اس کی آواز کانپ رہی تھی
یہ ادھر ادھر دیکھا تو وہاں کوئی ذی روح
نہ تھا۔
تم مجھے ٹھکراری ہو، ارتضیٰ امین کو؟ کہ
لئے لڑکیوں کی کوئی کی نہیں ایک دفعہ
دیکھ لے وہ خود ہی دیوانی ہو جاتی ہے
نکار کر رہی ہو۔“ ارتضیٰ نے اس کے
اس کے منہ کو اپنے ہاتھ سے دبوچ

کے پاؤں پر جا کر لگا اور اس کا ہاتھ دھو کر اس کو باہر کی
مشکات کے آؤدھکا تازہ نور ایک اٹھا کر باہر کی
طرف بھاگی، ارضی اس کے پیچھے جانے لگا لیکن
خون بہت نکل رہا تھا، اس کا منہ شید زخمی ہو
گیا تھا، مشکات فوراً مین گیٹ پار کر گئی اور باہر
سے گزرنے والے رشتہ کو ہاتھ دے کر اس میں
بیٹھ گئی، اس کا دل ایسے دھڑک رہا تھا کہ جبے ابھی
پلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا، وہ اسے آپ کو است
طاعت کرنے لگی، کہ وہ اس کے ساتھ کیوں آئی،
ٹھیک ہے وہ اس کا دوست تھا لیکن وہ رو رہا اور وہ
توڑوڑی اور جہاں ایک لڑکا لڑکی کے ہوں وہاں
نیرا شیطان موجود ہوتا ہے جو کہ کسی بھی حاوی
ہو سکتا ہے۔

پیچھے ارضی محض دیوار پر مٹا مار کر رہ گیا، آبی
ٹی پارٹی لڑکی نے اس طرح اس کی ذہن کو
لے لیا تھا، ورنہ اس کے ایک اشارے پر بہت سی
ہمایاں اس پر نفاذ تھیں، لڑکیاں بلینا اس کے لئے
بے معنی نہیں رکھتا تھا، آج کل مڑا اس کے بہت
بھی اکثر اسی کے ساتھ ہوٹلنگ کرتا تھا اور
اس کو اسی کے ساتھ ڈانس کلب بھی جاتا تھا،
اس سب پر بہت خوش تھی، اسنے خوبصورت
کا ساتھ ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا تھا، بھول
اور آج پہلی بار یہ لڑکی ارضی کو منکر کر گئی
جو کہ خود اپنے منہ سے کہتی تھی کہ وہ کسی کا
نیڈیل ہو سکتا ہے، ارضی کا غصہ فطری تھا،
اس نے کبھی نہ نہیں سنی تھی، ارضی جانتا تھا
کہ آج جیسی لڑکیوں کو شادی کے نام کا لالہ

چاہے اور یہ اس کے لئے بھی اس سے دوستی کر لی تھی لیکن جو آج ہوا وہ
نے بھی اس سے دوستی کر لی تھی لیکن جو آج ہوا وہ
اس کے لئے حیرت انگیز تھا، اسے لگا تھا شکاک
بھی سب کی طرح بھاگی ہوئی چلی آئی گی لیکن۔

☆☆☆

مشکا کو نہیں بتا دیا کہ وہ کسی گھر تک آئی اور
آج ہی کے رات میں گھر کے دروازہ بند کر دیا یہ تو
مشکا کو بھی اس نے اس وقت دیکھا تھا کیونکہ اس
وقت اس کی حالت ایسی تھی کہ کوئی اس کو
دیکھ کر بے ہوش ہو جاتا۔

مشکا کو بھی اس کی حقیقت کے جس کے
بارے میں اس کا خیال تھا کہ وہ کسی کا بھی
ایڈیل ہو سکتا ہے۔ وہ ارضی کو ہر حوالے سے
پرہیز کرتی تھی، وہ بے ہوش ہو گئی تھی کہ اس
URDU TU
A WINE ENTERTAINMENT
magazine

ارضی کوئی اس طور پر ہنس رہی تھی کہ وہ
ارضی کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ وہ کس گمان ہو
گئی تھی جیسا کہ پہلے اس کی لڑکی اور پھر
ڈانس ٹیم میں جاتا تھا کہ اس کا دل ٹوٹا تھا اور
آج تو ارضی نے جھڑپ کر لی تھی، اگر وہ وقت پر نہ
سنبھلتی تو شاید بہت دیر ہو جاتی وہ کتنی بے وقوف
تھی نہ جانے کیوں ارضی اور شوخ کا بات بات پر
تقابل کرتی تھی اور اب اس کو ہر بات پر شوخ کا
پلڑا ہی بھاری نظر آ رہا تھا، وہ سوچ بھی نہیں سکتی
تھی کہ ارضی دوستی کی آڑ میں ایسا کرے گا، ارضی
کے بولنے کا انداز اس کی شخصیت کچھ بھی تو دیا
نہیں لگتا تھا کہ جس طرح وہ آج ارضی کو جس

دنیا گول ہے
 آوارہ گرد کی ڈائری
 ابن بطوطہ کے تقاب میں
 چلے ہو تو چین کو چلے
 نگری نگری پھر اسافر
 خط انشائی کے
 بستی کے اک کو بے میں
 چاند گر
 دل وحشی
 آپ سے کیا پردہ
 ڈاکٹر مولوی عبدالحق
 قواعد اردو
 انتخاب کلام میر
 ڈاکٹر سید عبد اللہ
 طیف نثر
 طیف غزل
 طیف اقبال

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز: 7321690-7310797

آئی شرمیلی ہیں اس معاملے میں۔“ شہزادے سریم
تھا ان کا کہنا تھا کہ ان انوں کا نکاح ہو جانا
شروع کر دیا، ابھی مشکاکہ کی تعلیم مکمل ہونے میں
پورا سال تھا، بات تو معقول تھی، بیڑوں کو کوئی
اعتراض نہیں کیا تھا لیکن عنایت صاحب کے آگے
مشکاکہ انکار کر چکی تھی فی الحال شادی کرنے سے،
رقیہ بیگم نے دوبارہ مشکاکہ سے بات کی تو حیرت
انکیز طور پر اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا، رقیہ بیگم
بہت خوش ہو گئیں تھیں، مشکاکہ اس واقعے کے بعد
بہت ڈر گئی تھی وہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتی تھی
اس نے فیصلہ کیا وہ اب بیوریٹی مشکاکہ عنایت
اللہ سے مشکاکہ یوش بن کر رہی جائے گی، زارا
علوینہ، سدرہ، مشکاکہ کی اس کایا پلٹ پر بہت
حیران ہوئیں تھیں ان کے لاکھ پوچھنے کے باوجود
مشکاکہ نے انہیں بس اتنا بتایا کہ وہ بے دینی میں
کی گئی باتیں تھیں، ان تینوں نے بھی زیادہ نہیں
کریدا وہ بس اس بات پر ہی بھگتے ڈال رہی
تھیں کہ مشکاکہ کا نکاح ہونے والا تھا اور وہ سب
مل کر انجوائے کریں گی۔

☆☆☆

اور پھر تین دستخط کے بعد اس نے مشکاکہ
عنایت اللہ سے مشکاکہ یوش کا سفر طے کر لیا، یوش
اندر ہی اندر یہ سوچ کر مسکرا اٹھا تھا کہ کیا یہ واقعی
اس کی دھمکیوں کا اثر ہے یا، نکاح کا بہت بڑا
شاندار فنکشن ہوا تھا سب لڑکیوں کے تو پاؤں
زمین پر نہیں پڑ رہے تھے، زارا، علوینہ اور سدرہ
کی تیاری بھی دیکھنے لائق تھی، ان سب کو یہ دن
دیکھنے کا بے چینی سے انتظار تھا، رخصتی مشکاکہ کی
تعلیم مکمل ہونے کے بعد ہی طے پائی تھی، حسن
ولا کو بہت خوبصورتی سے سجایا گیا تھا الغرض سب
کچھ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا، لڑکیوں نے یوش اور

صاحب یوش کو لینے گئے تھے، مشکاکہ کو لکھنے
وہ بے شمار تھیں بیوریٹی شہزادے کی شادی
میں ان کے ساتھ ان کے ساتھ ان کے ساتھ ان کے ساتھ
زارا، علوینہ اور سدرہ بھی بیوریٹی سے وابستہ
مشکاکہ کا پتہ کرنے اس کے گھر آچکی تھیں اس
وقت وہ کمرے میں سو رہی تھی طبیعت ٹھیک ہوئی
تو رقیہ بیگم اس کو ضرور اپنے ساتھ کام پر لگائیں
تحریج بیگم اس معاملے میں مشکاکہ کا بہت ساتھ
دیتی تھیں جبکہ رشانہ بیگم تو مشکاکہ کے ساتھ اس کی
دوست کی طرح رہتی تھیں، وہ دونوں مشکاکہ کی
زیادہ کام نہیں کرتے تھیں بقول ان کے
پڑھنے والی تھی کہ کام تو ہوتے ہی ہوتے ہیں
مشکاکہ کی آٹھ گھنٹی تو کھڑی رات کے بعد
رہی تھی اور باہر سب کی آوازیں آرہی تھیں اس
مطلب تھا کہ وہ گیا تھا۔

”محترمہ اب اندھ بھی جا رہی ہیں آپ کے
”وہ“ آچکے ہیں بڑی بڑی عمر سے آپ کے
دیدار کے منتظر ہیں۔“ شہزادے شہزادے سے
کمرے میں داخل ہوئی اس کے پیچھے بی بی
نوج بھی موجود تھی۔
”یار آپ کی قسم سے یوش بھائی جیسے سے زارا
ہینڈم ہو گئے ہیں وہاں کا ماحول اس آگیا
بھائی کو۔“ ایسا لگتی ہوئی بھانہ رہی تھی
”میرا بھائی پہلے بھی کم نہیں تھا لیکن
شہزادے نے اسے خور کر دیکھا، مشکاکہ اس دوران
بیڈ چھوڑ کر ہاتھ روم میں گئی تھی، اس نے
میں کسی کو خبر نہیں ہونے دی تھی اس دوران
اس کے ساتھ گزری تھی۔

”بو بھلا، ہم ان سے اتنی باتیں کر رہے ہیں
وہ چپ سادھے بیٹھے ہیں۔“ مریم نے سب
توجہ مشکاکہ کی خاموشی کی طرف دلوائی۔
”ارے وہ کیا کہیں تمہیں تو پتہ ہے نا ہمارا

دیکھ کر آئی تھی، اس کی آنکھوں میں
روشنی تھی اس کو بیک وقت خوشی
تھا اور اگر وہ بد وقت نہ لے تو آگے بڑھتی
اس کی ریزہ کی ہڈی میں سنہاٹ دوڑ گئی
مشکاکہ نے بار بار یوش کی ذات کی نفی کی
تھی اس کے منہ پر اس کو ٹھکرایا تھا لیکن یوش اس
کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں تھا، وہ بہت بھائی تھی
اس حقیقت سے اور انہی کو دیکھنے کے بعد تو اور
بھی بھائی تھی حالانکہ انہی نے بھی اس سے کوئی
اظہار محبت بھی نہیں کیا تھا لیکن مشکاکہ اس کی
خوبصورتی سے بہت زیادہ متاثر ہوئی تھی جس کی
وجہ سے وہ اسے جھک نہیں پاتی تھی اور اس سے
غریب ہوتی تھی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ کسی
اور کی امانت ہے بعض اوقات انسان جس چیز
سے جتنا بھاگتا ہے وہ چیز اس کے سامنے آ کر ہی
رہتی ہے اور جس چیز کے پیچھے بھاگتا ہے وہ اتنا
ہی دور ہو جاتی ہے، اللہ انسان کی ناپسندیدہ چیز کو
اس کے حوالے کر کے انسان کو آزماتا ہے اب یہ
انسان ہے کہ وہ اللہ کی آزمائش پر پورا اتر کر اس کو
خوش کرتا ہے یا ناراض، مشکاکہ بھی ناخوشی میں ضد
لگا بیٹھی تھی وہ اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھے رخصتی
کہ وہ زیادہ دور نہیں لکھ گئی اور مشکاکہ بھی ایسی
لوگوں میں شامل ہو گئی تھی کہ جنہوں نے سراب
کے پیچھے بھاگتے بھاگتے جب منہ کی کھائی تو بہن
ماصل کیا۔

☆☆☆

آج حسن ولا کی چہل چہل دیکھے سے تعلق
رکھتی تھی آج گھر بھر کا لاڈلا داپس آ رہا تھا، یوش کو
گھر آنے میں گھنٹہ رہ گیا تھا، سب نے بہت شور
مچایا تھا کہ ہم یوش بھائی کو لینے ایئر پورٹ جائیں
گے لیکن بیڑوں نے بچوں کی بات نہیں مانی اور
صرف عنایت صاحب شامیر صاحب اور عبداللہ

مقام



ناولٹ

☆☆☆

غنفز علی گھر میں داخل ہوئے تو غیر معمولی شور شرابے کا احساس ہوا، وہ تیزی سے آگے بڑھے اور بین ڈور کھول کر اندر داخل ہوئے آواز اب واضح ہو گئی تھی۔
”چھوڑ دو مجھے..... ورنہ..... میں تمہیں..... بھی مار..... دوں گی۔“ صوفیہ ہدایانی انداز میں چلا رہی تھی۔

تیز ہوا کا جھونکا آیا، فروانے جبر جبری لیتے ہوئے لاؤنچ کی کرسی کی کڑکی کو دیکھا۔
”لاوارث!“ اس کے لبوں نے بے آواز جنس کی سی، اخبار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی تھی، اس کے آس پاس دکھ بے بسی ملال اور نہ جانے کیا کچھ اڑنے لگا تھا، سرد ہوا اس کے پرانے زخموں کو تازہ کرنے لگی تھی، وہ ساکت بیٹھی تھی۔

سڑک کنارے ملی، پولیس نے پوسٹ مارٹم بعد لاش کو لاوارث قرار دیتے ہوئے ایڈیٹر کے حوالے کر دیا۔“ فروانہ کا وجود ٹھنڈ ہو گیا تھا۔
”میں اس لئے کہانیاں لکھتی ہوں، تا میرے مرنے کے بعد میرے مداح میرے آنسو بہائیں، مجھے برسوں یاد رکھیں، مجھے شہ نہیں مرنے کے بعد مذاخوں کی محبت چاہے

رات بہت طوفانی بارش آئی تھی، درخت جڑوں سے اکڑ گئے تھے، صبح ہر طرف بل بل ہوا گیا تھا، فروانے آج سے بابا کا آس جوائن کرنا تھا، موی علی تو جلد ہی چلا گیا تھا، وہ تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آ بیٹھی تھی، جس کا گلاس ہاتھ میں تھا، وہ سرسری نظر اخبار پر ڈال رہی تھی جب ایک تصویر دیکھ کر چونک اٹھی۔
”بارش میں ایک عورت کی لاش پولیس کو

”میں نے اور میری امی نے زندگی میں بہت کچھ کھائے۔“ فردا کی سسکی سنائی دی تھی۔
 ”میں نے موی کو مار دیا۔“ بابا! آج اتنے برسوں بعد یہ انکشاف ہوا تھا، کہ یہ گناہ بھی صوفیہ نے کیا تھا، نوبیلہ تہا لاؤنج میں بیٹھی روئے جا رہی تھی، دفعتاً اس کے موبائل کی بپ بجی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور موبائل فون بیگ میں سے نکالنے لگی۔

☆☆☆

عسلی احمد کا بارہا جی چاہا وہ جا کر عروہ کو تسلی یا دلا دے، مگر اس کی ہمت نہ ہو رہی تھی، تمام رات اس نے جاگتے ہوئے گزار دی تھی، وہ جانتا تھا عروہ بھی رو رہی ہوگی، وہ اس وقت بے حد دکھی ہوئی مگر وہ اس کے پاس نہ جاسکا۔
 صبح ہوئے ہی وہ اس کے روم میں گیا، مگر یہ دیکھ کر شائد نہ رہ گیا کہ روم خالی تھا، وہ تیزی سے باہر نکلا، پورا گھر بھٹان مارا مگر وہ کہیں نہ گئی۔
 ”مل آئے تجھو بے؟“ وہ واپس کرے میں داخل ہوا تو ماہوش کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، اسے دیکھتے ہی گھڑے گویا ہوئی۔
 ”شرم آئی چاہیے نہیں۔“ وہ نفرت سے پھٹکارا۔

”اتنی رات گئے، ایسی طوفانی بارش میں وہ کہاں گئی ہوں گی۔“ وہ اسے ملامت کرتے ہوئے فگر مندی سے گویا ہوا۔
 ”آپ کو اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے ان کی؟“

وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

”مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ کوئی بیٹی اپنی ماں کے ساتھ بھی ایسا کر سکتی ہے اور بیٹیاں تو ماؤں کا عکس ہوتی ہیں، تم اتنی نیک، باحیا، پاکیزہ

کمرے میں بیٹھنے لگا۔
 ”میں نے اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ہے۔“ اسے نوبیلہ نے ہرگز نہیں سمجھا تھا۔
 ”جی ہاں، وہ ہے۔“ وہ نے بڑھی کھلی لڑکیوں کا یہی مسئلہ ہے۔“ وہ غصے سے بیٹھ پڑا ہوا تھا، کھانا ملازم نے لگا دیا تھا۔
 ”ماما چونکہ سو رہی تھیں، تو اسے اکیلے ہی کھانا، کھانا پڑا۔
 ”میں تمہیں واپس نہیں لاؤں گا، جیسے گئی ہو، یہی ہی آؤ گی۔“ وہ غصے سے سوچ کر رہ گیا، آؤ نوبیلہ سے اس اقدام کی توقع نہ تھی۔

☆☆☆

غفنظر علی نے لاؤنجر کو گھر بلایا تھا، وہ اور نوبیلہ ڈاکٹر سے ڈر نہ تھیں، ٹینک کرتے رہے تھے، ڈاکٹر کا کہنا تھا کہ صوفیہ کو ہاسپٹل منتقل کر دیا جائے، ان کا گھر میں دوسرے لوگوں کے ساتھ رہنا خطرناک ہے۔

بالآخر غفنظر علی مان گئے تھے اور صوفیہ کو شہر لے آئے اور انجیل میٹیل ہاسپٹل میں داخل کروا دیا گیا تھا، نوبیلہ بہت اپ سیٹ تھی اور بار بار رو رہی تھی۔

”جو کچھ تم نے میری اولاد کے ساتھ کیا یہ تمہاری اولاد کے سامنے آئے گا، یہ ایک ماں کی بددعا ہے صوفیہ۔“ کیٹ کے قریب کھڑی گل افزاء غب اور سبک رہی تھی، صوفیہ نے کیسے شہتے ہوئے گل افزاء کی بے بسی کا مذاق اڑایا تھا اس کے سامنے۔

”دیکھ لے آپ نے اپنی بیٹی کے کروت، اب یقین آ گیا؟“ منتظر بدلا تھا، سارا خاندان عروہ کے کمرے کے سامنے جمع تھا، صوفیہ اس پر الزام لگا چکی تھیں، عروہ بے پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ

”اب غفنظر علی نے اثبات میں ارہلایا۔“
 ”میں نے اسے ہی سے ہمراہ لے آئے۔“ وہ نے بڑھی کھلی لڑکیوں کا یہی مسئلہ ہے۔“ وہ غصے سے بیٹھ پڑا ہوا تھا، کھانا ملازم نے لگا دیا تھا۔
 ”میں نے موی کو مار دیا۔“ بابا! آج اتنے برسوں بعد یہ انکشاف ہوا تھا، کہ یہ گناہ بھی صوفیہ نے کیا تھا، نوبیلہ تہا لاؤنج میں بیٹھی روئے جا رہی تھی، دفعتاً اس کے موبائل کی بپ بجی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور موبائل فون بیگ میں سے نکالنے لگی۔

جب انسان کی نظر کرتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اس کے سامنے کیا ہے، جو صورت حال ہو گیا تھا، اچھے ہی گناہوں کا پوچھ اس کے دماغی توازن کو بگاڑ رہا تھا، اسے دیکھنے والے بچپان ہی نہ سکتے تھے کہ یہ وہی صوفیہ ہے، جس کے اندر راتی رگھت تھی، اس قدر فخر و غرور کہ جس نے اس کی ذات کو ریڑھ پر بڑھ کر ڈالا، اسے بھگم کر دیا، اسے بچکولی سے دور اور گناہوں کی دلدل میں ڈال دیا۔

☆☆☆

زین ندیم رات گئے گھر میں داخل ہوا، جیسا کہ آج کل اس کا معمول تھا، شہت قدر سوں سے چلا ہوا، وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا اسے نوبیلہ نہیں دکھائی نہ دی، وہ یہی سوچتا رہا کہ کیٹ کہاں کہیں ہوگی، اسے بھوک محسوس ہو رہی تھی، کچھ دیر اس کا انتظار کرتا رہا اور پھر اٹھ کر باہر نکل گیا، ملازم سے کھانا گرم کر کے لانے کا کہا اور دوبارہ اپنے روم میں آ گیا۔

”تو ناراض ہو کر چلی گئی۔“ وہ تلخی سے مسکرایا۔

”یعنی الٹا چور کو توال کو ڈانٹے۔“ اسے سخت

غصہ آنے لگا تھا۔

”میں نے موی کو مار دیا۔“ بابا! آج اتنے برسوں بعد یہ انکشاف ہوا تھا، کہ یہ گناہ بھی صوفیہ نے کیا تھا، نوبیلہ تہا لاؤنج میں بیٹھی روئے جا رہی تھی، دفعتاً اس کے موبائل کی بپ بجی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور موبائل فون بیگ میں سے نکالنے لگی۔

”میں نے موی کو مار دیا۔“ بابا! آج اتنے برسوں بعد یہ انکشاف ہوا تھا، کہ یہ گناہ بھی صوفیہ نے کیا تھا، نوبیلہ تہا لاؤنج میں بیٹھی روئے جا رہی تھی، دفعتاً اس کے موبائل کی بپ بجی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور موبائل فون بیگ میں سے نکالنے لگی۔

”میں نے موی کو مار دیا۔“ بابا! آج اتنے برسوں بعد یہ انکشاف ہوا تھا، کہ یہ گناہ بھی صوفیہ نے کیا تھا، نوبیلہ تہا لاؤنج میں بیٹھی روئے جا رہی تھی، دفعتاً اس کے موبائل کی بپ بجی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور موبائل فون بیگ میں سے نکالنے لگی۔

”میں نے موی کو مار دیا۔“ بابا! آج اتنے برسوں بعد یہ انکشاف ہوا تھا، کہ یہ گناہ بھی صوفیہ نے کیا تھا، نوبیلہ تہا لاؤنج میں بیٹھی روئے جا رہی تھی، دفعتاً اس کے موبائل کی بپ بجی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور موبائل فون بیگ میں سے نکالنے لگی۔

”میں نے موی کو مار دیا۔“ بابا! آج اتنے برسوں بعد یہ انکشاف ہوا تھا، کہ یہ گناہ بھی صوفیہ نے کیا تھا، نوبیلہ تہا لاؤنج میں بیٹھی روئے جا رہی تھی، دفعتاً اس کے موبائل کی بپ بجی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور موبائل فون بیگ میں سے نکالنے لگی۔

”میں نے موی کو مار دیا۔“ بابا! آج اتنے برسوں بعد یہ انکشاف ہوا تھا، کہ یہ گناہ بھی صوفیہ نے کیا تھا، نوبیلہ تہا لاؤنج میں بیٹھی روئے جا رہی تھی، دفعتاً اس کے موبائل کی بپ بجی، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور موبائل فون بیگ میں سے نکالنے لگی۔

مفت ہوا کی لہریں، سناٹے میں الڑھتی تھیں۔
ہر ایک طور پر ان کے برسر ہونے، اس کے
میں خلقتی نفرت اور حقارت ماہوش سے برداشت
نہ ہو پا رہی تھی، وہ بھی احمد کے منہ سے کسی
دوسری عورت، چاہے وہ اس کی باپ ہی کیوں نہ
ہو، کے لئے تو مصیقت کھلتی نہ نہن سکتی تھی۔
”مجھے ان جیسا بننا بھی نہیں، منافق، شوہر
سے دھوکہ نہ دانی۔“ وہ نفرت سے پھٹکاری۔
”شٹ اپ!“ اس نے ہاتھ اٹھا کر اسے
مزید بولنے سے روکا۔

☆ ☆ ☆
فردا کی کال نے نویل کو ہلا کر رکھ دیا تھا،
اسے شاک پہ شاک مل رہے تھے، چند ثانیے پھر
کابت بنی وہ ساکت و صامت بیٹھی رہی، اس
سے بھلا بھی نہیں جا رہا تھا، ایسا لگتا تھا جیسے ذرا سا
بھی ہلنے سے پوری کائنات تباہ ہو جائے گی اور
پھر تباہ جانے کیسے اس میں ہمت آگئی، وہ بھاگتی
ہوئی غضنفر علی کے روم میں گئی تھی۔
”پاپا!“ وہ سامنے صوفے پر سر جھکا کر
بیٹھ تھی، اس کی پکار پر بھی سر نہ اٹھایا۔
”پاپا!“ نویل نے پھر پکارا، وہ ہنوز خاموش
تھے۔

”عروہ!.....!“ اس کی زبان لڑکھڑائی،
غضنفر علی نے تیزی سے اس کی جانب دیکھا۔
”عروہ مرنے کی پاپا۔“ نویل پھوٹ پھوٹ کر
رونے لگی، غضنفر علی کو ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی تیز
دھار چھری سے ان کی رگ رگ کو کاٹ رہا ہے۔

”غضنفر!.....!“ ان کے لبوں سے بے آواز
پیش کی گئی۔
”مجھے خروا آپ کی سال کی عمر،“ اس نے
روتے ہوئے ساری تفصیل کہہ سنائی، غضنفر علی
ساکت بیٹھنے سن رہے تھے اس کی بات کے
اختتام پر وہ تیزی سے اٹھے اور باہر نکل گئے،
نویلہ انہیں آواز میں دیتی رہی، مگر وہ گاڑی میں
بیٹھ کر جا چکے تھے۔

☆ ☆ ☆
اگلے بڑے شہر میں وہ اسے کہاں تلاش
کرتا، صبح سے شام ہو جیسی جیسی اس کی تلاش
مارا، مارا پھرتے ہوئے، بالآخر تھک مار کر اس
نے ایک مرتبہ پھر فارقلیط حسن کے گھر جانے کا
فیصلہ کیا۔
گاڑی گھر کے سامنے روک کر وہ اندر داخل
ہو گیا، طویل روش عبور کرتا وہ اندر داخل ہوا،
لاؤنج میں صوفے پر اسے فارقلیط حسن بیٹھا
دکھائی دیا۔
”فارقلیط حسن!“ عیسیٰ احمد نے پکارا۔

فارقلیط حسن نے جھکا ہوا سر اٹھایا، اس
کی آنکھوں میں حد درجہ وحشت تھی، اس کا حلیہ
ایسا اڑا، بھرا تھا کہ عیسیٰ احمد دنگ رہ گیا، اس کی
آنکھیں بے تحاشا سرخ ہو رہی تھیں۔
”کیوں کیا آپ نے اس کے عاٹھ ایسا؟“
وہ فارقلیط حسن کے سامنے صوفے پر جا بیٹھا تھا،
اس کے آس پاس صفحات کھڑے ہوئے تھے۔
”آپ تو بہت محبت کرتے تھے اس سے،
پھر کیوں نکالا اسے گھر سے اور اپنی زندگی سے؟“
وہ اس سے سوال کر رہا تھا، جبکہ فارقلیط حسن
خاموش بیٹھا تھا۔
”وہ آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہیں“

”میں جانتی ہوں آپ کو۔“ وہ بول رہا تھا،
”میں نے یہ پھر سنا کہ آپ مجھے بیٹھا تھا، احساس و
جدا ہونے کی ساری باتیں ان کے ساتھ ہمیشہ ایسا کیوں
ہوا؟“ وہ کہہ کر گیا ہوا۔
”میں تو بے ہی کھٹکا تھا، جب آپ نے
ان کی اتنی مخالفت کے باوجود اپنی بیٹی کی شادی
ان کے لئے کر دی۔“ اس کا غم اب غصے میں بدل
مجھ سے لے کر دی۔“ اس کا غم اب غصے میں بدل
رہا تھا، فارقلیط حسن کی طویل خاموشی اسے طیش

☆ ☆ ☆
”اگر اپنی اجنبی نون عیسیٰ احمد۔“ اب کی
بڑا فارقلیط حسن جب نہ رہا اور کیوں پر لگا فضل
قول کر گیا ہوا۔
”میں بھی انسان ہوں، احساس جرم میں
ہو گیا ہوں۔“ عیسیٰ احمد نے سنجھی کے عالم میں
اسے دیکھ رہا تھا۔
”تم اسے پسند کرتے تھے، بد قسمتی سے یا
شاید اس کی سوتیلی ماں کی سازش کی وجہ سے اسے
صل و کر سیکھ، میں تم سے جلتا تھا، مجھے ایسا لگتا
تھا کہ عروہ کی بیٹی میں ایسا یاد کرتی ہے، حالانکہ
ایسا نہیں تھا، زندگی کے ایسے سال پر دیس کی
فالت اس خوف سے چھائی کہ کہیں تم عروہ کو مجھ
سے عین ہی نہ لو اور پھر ایک روز مجھ پر یہ
اشکاف ہوا کہ مجھے پسند ہے۔“ اس نے ایک
برآورد مری اور خاموش ہو گیا، عیسیٰ احمد ششدر رہ
گیا، وہ حیرت زدہ سال سے دیکھ رہا تھا۔
”عروہ نے مجھے بہت چاہتی ہے، مجھے یقین
ہے کہ میری موت اسے پاگل کر دیتی، اس لئے
میں دانستہ طور پر اس سے دور ہونے لگا، میں چاہتا
تھا کہ وہ مجھ سے نفرت کرنے لگے، میں نے ہر
طرح کوشش کی، مگر ناکام رہا، پھر ہم لوگ
پاکستان شفٹ ہو گئے اور ایک روز تم ہماری

زندگیوں میں ایک مرتبہ پھر چلے آئے۔“ وہ ایک
مرتبہ پھر جب ہو گیا تھا۔
”مجھے اپنے سب ماہ آتے تھے، جو میں
نے زندگی میں لیے، انہوں کے دل دکھائے تھے،
ان میں سرفہرست تم تھے، میں نے ماہوش کی
شادی تم سے اس لئے نہیں کی کہ وہ تم سے محبت
کرتی ہے، بلکہ اس لئے کی تاک تمہارا گھر بس
جائے، تم بھی زندگی میں کچھ سکھ اور سکون پاسکو
اور اس طرح میرے گناہوں کا پوچھ بھی کچھ کم
ہو۔“ وہ ایک مرتبہ پھر خاموش ہو گیا، عیسیٰ احمد
اسے دیکھ گیا۔
”اور جو گناہ آپ نے اسے طلاق دے کر
کیا، اس کا کفارہ کیسے ادا کریں گے؟“ عیسیٰ احمد
اس کی باتوں سے ذرا مرعوب نہ ہوا تھا، طنز سے
گویا ہوا۔

”اس کا مجھ سے دور چلے جانا ہی بہتر تھا۔“
وہ سر جھکائے بیٹھا، پاؤں سے کارپٹ پر ضرب
لگا رہا تھا، یہ حرکت اس کی اندرونی بے چینی اور
اضطراب کا نتیجہ تھی۔
”نکستی غلط سوچ ہے آپ کی۔“ عیسیٰ احمد کا
جی چاہا اسے کھری کھری سنا دے، مگر اب ان
کے درمیان لحاظ کا ایسا رشتہ آچکا تھا کہ اسے سوچ
سمجھ کر بولنا پڑ رہا تھا۔
”آپ جانتے ہیں آپ کے نام کا کیا
مطلب ہے؟“ عیسیٰ احمد چند لمبے خاموش رہنے
کے بعد گویا ہوا تھا، فارقلیط حسن نے اسے کوئی
جواب نہ دیا۔

”فارقلیط.....“ صحیح اور غلط میں فرق کرنے
والا۔“ فارقلیط حسن نے ایک طویل سانس خارج
کی، مگر کچھ نہ کہہ سکا۔
”مگر آپ صحیح اور غلط میں فرق نہ کر سکے،
افسوس۔“ وہ تاسف سے بھرپور لہجے میں بولا،

”نہیں۔“ خود، غروبہ کھ بیٹھے تھے۔
 فارقلیط حسن پٹر دم میں دل ہوا، مجھے
 ڈریسنگ ٹیبل پر اس کی چوڑیاں پڑی ہوئی تھیں،
 وہ آگے بڑھا اور انہیں اٹھالیا۔
 ”آپ اتنے اچھے کیوں ہیں؟“ اس کا دل
 کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا۔
 ”مجھے اپنی محبت کی کہانی کو تاریخ کا حصہ
 نہیں بنانا، کیونکہ جن کی محبت ناکام ہوتی ہے،
 تاریخ کا حصہ تو وہ بنتے ہیں۔“ وہ اداسی سے
 مسکرائی، فارقلیط حسن واپس مڑا، بیڈ کے قریب
 ان دونوں کی شادی کی اعلیٰ ترین تصویر پڑی تھی۔
 ”میں اس تصویر کو اپنے پٹر دم کی سامنے
 والی دیوار پر لگاؤں گا، تاکہ ہر صبح جو منظر سب
 سے پہلے میری آنکھیں دیکھیں ان میں تم میرے
 ساتھ ہو۔“ اس نے تصویر کو اٹھا کر سینے سے لگا
 لیا۔

”میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں، اس
 دنیا میں سب سے زیادہ بابا سے بھی زیادہ۔“ اس
 نے تصویر کو سینے سے الگ کر کے ہاتھوں میں
 پکڑا، وہ اس کے ساتھ تھی، اس کے بے حد
 قریب، فارقلیط حسن نے گہرا کراد کر دیکھا، وہ
 کہیں نہ تھی۔

وہ تیزی سے آگے بڑھا اور بیڈ پر اس کی
 جگہ پر جا بیٹھا اور محبت و عقیدت سے اس جگہ
 ہاتھ پھیرنے لگا جہاں وہ سوئی تھی، رات کو اس
 جگہ بیٹھی تسبیحات پڑھا کرتی تھی۔

”عروہ!“ اس کا دل کک اٹھا تھا۔
 ”درختوں پر نام لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا،
 اصل محبت تو یہ ہے کہ دل پر نام لکھا جائے۔“
 ٹھٹکا ہوا اعتماد لہجہ اسے اذیتوں کی بھی میں پھینکنے لگا
 تھا۔

”آپ چاہتے بہت مزیدار بناتے ہیں۔“
 وہ ہنس رہی تھی، فارقلیط حسن نے وہاں سے اٹھ کر
 اپنے کمرے میں آکر اس کی اس بات پر سوچا کہ
 ہوا تھا۔
 ”جیسا آپ کی فیملی نے آپ کے ساتھ
 اگر کبھی میں ایسا کروں تو کیا آپ مجھے معاف
 دیں گی؟“
 ”نہیں فارقلیط!“ گہرا یا خوفزدہ لہجہ
 پاس بکھرنے لگا تھا، فارقلیط حسن وحشت زدہ
 غر آنکھیں کھولیں۔
 ”آپ میرے ساتھ رہیں، کبھی نہیں
 سکتے۔“ وہ پریشان تھی، میں بولی۔
 ”لیکن اگر میں ایسا کر دوں تو کس میں ہوں؟“
 تو کر دوں گی آپ کو، لیکن میں زندہ نہیں رہ سکتی
 گی۔“ وہ گہرا کراد کر لہجہ بول رہی تھی۔
 ”آپ میرے ساتھ ایسا کیوں کریں گی؟“
 ”جیسا کہ آپ چاہیں۔“ اس نے ہنس کر
 ”آپ فارقلیط؟“ بھینکا ہوا لہجہ پاس بکھرنے
 تھا۔

”مجھے میرا تصور تو توڑ دیا۔“
 سا گھر سے باہر نکلا تھا، آواز میں
 رہی تھیں، اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں
 رہا ہے، وہ بے مقصدہ آوازوں پر پھر رہا
 تھا۔
 ”کہاں گئی ہو گی؟“ وہ تو بہت کمزور
 چھوٹے دل کی مالک ہے، وہ خود سے سوال کر
 باب سمت چلا جا رہا تھا، اس کے قدم ڈنگا رہے
 تھے۔

☆☆☆

عروہ غنفر کو برین ہیمیرج ہوا تھا، اسے ایک
 ہفتہ ہو چکا تھا ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے، بہ
 بات صرف غنفر علی، فردا اور نویلہ جانتے تھے۔
 ایک دن اچانک عیسیٰ احمد ہاسپٹل چلا آیا

”غنفر علی وہاں موجود نہ تھے، البتہ فردا اور نویلہ
 وہیں تھیں، اسے سامنے دیکھ کر فردا کا سر ہنسنے
 کے باعث ہلکا ہوا، اس نے اپنے منہ کے کونے پر
 ندیا، وہ سیٹ انداز لے لٹھری کی۔
 ”السلام علیکم!“ اس نے سلام کیا، فردا نے
 تو اسے گھورتے ہوئے منہ پھیر لیا، البتہ نویلہ نے
 اس کے سلام کا جواب دیا۔
 ”کیسی ہیں عروہ؟“ فکر مند ہی اس کے
 لہجے سے عیاں تھی، فردا بول کھا کر رہ گئی۔
 ”جیسی جیسی ہوں، آپ کون ہوتے ہیں اس
 نامی فکر کرنے والے۔“ فردا چپ نہ رہ سکی،
 ”فردا! آپ کی جانب دیکھا جس کے تیور
 خانے خطرناک تھے۔“
 ”نویلہ! کیا میں عروہ کو دیکھ سکتا ہوں؟“ وہ
 احتجاجی لہجہ میں بولا۔
 ”ہر شخص۔“ فردا بول کھا کر بولی۔
 ”میں آپ سے نہیں پوچھا۔“ وہ بولا۔
 ”مگر میں آپ کو بتا رہی ہوں۔“ وہ غصے

سے بھونک رہی تھی۔
 ”HOME OF ENTERTAINMENT“
 ”www.urdu-tube.com“
 ”غنفر علی! کیا کہتے ہیں؟“ وہ مزید استفسار
 کرنے لگا، فردا کا ضبط جواب دینے لگا، وہ وہاں
 سے چلی گئی، نویلہ نے بہت سکون سے اس کے ہر
 سوال کا جواب دیا۔
 ”آپ ٹھیک ہیں؟“ آخر میں وہ اس سے
 سوال کرنے لگا۔

”میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟“ اس
 نے نگاہیں اٹھا کر عیسیٰ احمد کی جانب دیکھا تو وہ
 اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکا اور نگاہیں جھکا
 گیا۔

”جیسا ہوں آپ کے سامنے ہوں۔“ وہ

”غنفر علی! کیا کہتے ہیں؟“ وہ مزید استفسار
 کرنے لگا، فردا کا ضبط جواب دینے لگا، وہ وہاں
 سے چلی گئی، نویلہ نے بہت سکون سے اس کے ہر
 سوال کا جواب دیا۔
 ”آپ ٹھیک ہیں؟“ آخر میں وہ اس سے
 سوال کرنے لگا۔
 ”میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟“ اس
 نے نگاہیں اٹھا کر عیسیٰ احمد کی جانب دیکھا تو وہ
 اس کی نظروں کی تاب نہ لا سکا اور نگاہیں جھکا
 گیا۔
 ”جیسا ہوں آپ کے سامنے ہوں۔“ وہ

☆☆☆
 اقوار کا دن تھا، زین ندیم گھر پر تھا، ماما نے
 چائے پر کافی اہتمام کیا ہوا تھا، اس کی پسند کی تمام
 ڈشز بنائی ہوئی تھیں، مگر وہ بے ریشی سے کھانا کھا
 رہا تھا۔
 ”کیا بات ہے زین بیٹا، کوئی پریشانی
 ہے؟“ ماما سے رہانہ گیا تو استفسار کرنے لگیں۔
 ”نہیں ماما، پریشانی کیسی؟“ وہ خود کو کمپیوٹر
 کرتے ہوئے بولا، وہ ماما کو اب مزید پریشان
 نہیں کرنا چاہتا تھا۔
 ”نویلہ نے کوئی رابطہ نہیں کیا، ایسے تو نہیں
 کرتی وہ۔“ ان کی بات پر وہ دل میں چور سا بن
 گیا، اسے کوئی جواب نہ بن پڑا، لہذا وہ خاموش
 ہی رہا۔
 ”تمہیں بھی کال نہیں کی اس نے؟“ وہ

”پاپا! کیا ہوا آپ کو؟“ اس نے پوچھا۔
 ”میں نے کچھ یاد نہیں ہے۔“
 ”ابھی تو میری بات سن رہی تھی۔“
 ”اس نے مجھے بتایا ہوا کہ اس کی بہن عروہ
 ہسپتال میں ہے، مجھے فوراً بتایا ہے، ہم کھانا کھا
 کر چلے گئے ہیں ہسپتال۔“ ماما کی بات پر وہ کھیر کو
 چونکا، مگر فوراً خود کو سنبھال لیا، مگر اس کے دل میں
 نیلہ کے لئے غصہ مزید بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

فارقلیط حسن کی حالت دیکھ کر جیسی ہو
 رہی تھی، وہ آفس نہیں جا رہا تھا، نہ ہی کسی کی کال
 رسپونڈ کرتا، نہ کمرے سے باہر نکلتا، نہ اسے کھانے پینے
 کا ہوش تھا اور نہ ہی وہ میڈلن کھا رہا تھا، جس
 وجہ سے اس کی حالت بہت خراب ہو چکی تھی۔
 شہر کی پونیورسٹی میں سڑاٹک تھی، اس لئے
 وہ ہاسٹل سے گھر آ گیا تھا، مگر آتے ہی جو منظر
 اس کا منظر تھا اس نے اسے ہلا دیا تھا، فارقلیط
 حسن لاڈل میں صوفے پر بے سہمہ گرا پڑا تھا۔
 ”پاپا!“ وہ تیر کی سی تیزی سے اس کے
 قریب آیا اور اسے بلایا۔

”پاپا! کیا ہوا آپ کو؟“ اسے زور زور سے
 بلاتے ہوئے وہ دیکھنے لگا۔
 ”مامی گاڑا!“ وہ بچکی کی سی تیزی سے اندر کی
 جانب بڑھا۔
 ”ماما، ماما دیکھیں، پاپا کو کیا ہو گیا۔“ وہ بد
 حواس سان کے بیڈ روم میں داخل ہوا، مگر وہاں
 تو کوئی اور سی کہانی اس کی منتظر تھی۔
 ”ماما!“ اس نے واٹس روم کا دروازہ ٹاک
 کیا۔

”کہاں گئیں۔“ وہ تیزی سے مڑا اور روم
 بیٹی کو مت دلاؤ۔“ وہ شدت غم سے بڑھ چکا تھا۔

حصہ 118 اپریل 2019

”پاپا! کیا ہوا آپ کو؟“ اس نے پوچھا۔
 ”میں نے کچھ یاد نہیں ہے۔“
 ”ابھی تو میری بات سن رہی تھی۔“
 ”اس نے مجھے بتایا ہوا کہ اس کی بہن عروہ
 ہسپتال میں ہے، مجھے فوراً بتایا ہے، ہم کھانا کھا
 کر چلے گئے ہیں ہسپتال۔“ ماما کی بات پر وہ کھیر کو
 چونکا، مگر فوراً خود کو سنبھال لیا، مگر اس کے دل میں
 نیلہ کے لئے غصہ مزید بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

غفتر علی لرزے دل اور کانٹے ہاتھوں
 بیروں کو گھسنے ہوئے ہسپتال میں داخل ہوئے
 تھے، ان کی کُل کائنات سم کر ہسپتال کے آئی سی
 یو میں پڑی ہوئی تھی۔
 ”یا اللہ! مجھے صرف ایک موقع دے
 دے۔“ ان کا دل خوفزدہ تھا۔

کارڈروم میں انہیں نویلہ اور فواد کھائی دے
 گئی تھیں، دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے
 تھے، مگر اب مکرار ہے تھے۔

”پاپا!“ نویلہ تیزی سے ان کے قریب آئی
 تھی، فواد جمی آگے بڑھی، غفتر علی نے ہاتھیں
 پھیلا دیں، وہ دونوں ان کے سینے سے جا لگیں۔
 ”عروہ کی کنڈیشن اب Stable ہے۔“
 انہیں سینے سے لگائے، عروہ کی زندگی کی نوید سننے
 ہوئے غفتر علی کو ایسا محسوس ہوا تھا جیسے صدیوں
 سے آگ میں جھلتی ان کی روح پر رحمت کی
 برسات ہونے لگی تھی۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے۔“ ان کے دل سے
 صدا بلند ہوئی تھی۔
 ”میں شکرانے کے نوافل ادا کر آؤں۔“ وہ
 دونوں بیٹیوں کے سر تھپتھپاتے ہوئے وہاں سے
 چلے گئے تھے۔

حصہ 119 اپریل 2019



☆☆☆

فارقلیط حسن کو ہارٹ ایکٹ ہو گیا تھا، شہیر
 حسن کی کال پر پامہ واٹس دوڑی ہوئی ہسپتال آئی
 تھی۔



☆☆☆

”کہا ہوا پاپا کو؟“ وہ شہیر کے پاس آئی،
 گھبراہٹ اور پریشانی سے اس کا سانس پھولا ہوا
 تھا۔
 ”ہارٹ ایکٹ ہوا تھا۔“ شہیر حسن نے
 ”پامہ واٹس! ماما کہاں ہیں؟“ شہیر نے
 استفسار کیا تو پامہ واٹس نے سسکیوں سے پہلو میں
 کھڑے عیسیٰ احمد کو دیکھا۔
 ”پتا نہیں۔“ وہ لگا ہیں چراتے ہوئے بولی،
 شہیر حسن عیسیٰ احمد کی جانب بڑھا۔
 ”عیسیٰ بھائی۔“ وہ اس کے قریب آیا۔
 ”جو کچھ بھی ہوا انہیں، اس کے ذمہ دار وہ

بہار اللہ سے بہت شکوے کیے تھے، آج سب لے شکوے، ختم ہو گئے تھے، اس کی بارگاہ میں سرجمد وہ بس اس کا شکر ہی ادا کر رہے تھے، دل سے صرف ایک ہی صدا بلند ہو رہی تھی۔
 ”بابا! تیرا شکر ہے۔“ وہ بے حد خوش اور ممنون تھے۔

☆☆☆
 نویلہ اور فروا کا ریڈر میں کھڑی زین ندیم کو نظر آگئی تھیں، نویلہ کو سامنے دیکھ کر وہ عجیب احساسات سے دوچار ہوا تھا۔
 ”نویلہ بیٹا!“ ماما نے اسے آواز دی تھی، وہ بے اختیار ہنسی مچ گئی اور سامنے کھڑے زین ندیم سے اس کی نگاہیں ٹکرائیں، اس کی آنکھوں کی سرد میری اور سپاٹ اعجاز نویلہ غنفر کو ایک مرتبہ پھر اذیت سے دوچار کرنے لگا تھا۔
 ”السلام علیکم ماما!“ نویلہ نے فوراً خود کو کچھ ڈکھایا اور مسکراتے ہوئے سلام کیا، زین ندیم نے فروا کو سلام کیا، جواباً فروا نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

”تمی ہے اب آپ کی بہن؟“ ماما نے محبت سے بھرپور نظر نویلہ پر ڈالتے ہوئے فکر مندی سے کہا تھا۔
 ”اللہ کا شکر ہے Stable ہے۔“ نویلہ نے آہستگی سے جواب دیا، وہ زین ندیم کو مسلسل انکوری کر رہی تھی جبکہ وہ اسے نظروں کے حصار میں لے لے ہوئے تھا، فروا نے یہ بات جلد محسوس کر لی تھی۔

”شکر ہے مالک کا، بیٹا آپ نے مجھے بتایا نہیں اور یہ زین بھی بتانا بھول گیا۔“ ماما نے کہا تو نویلہ نے نہ ناچی کے عالم میں زین ندیم کو دیکھا۔
 ”میرا مگر تو نویلہ کے بغیر سنسان سا ہو

”یہ کون سا لڑکا ہے؟“ وہ ان سے قائلے پر کھڑا ہوا تھا، کال سن کر وہ واپس آیا تو ماما کو نویلہ سے محبت کرتے پایا۔
 فروا، ماما سے باتیں کرنے لگی تھی، زین اپنے موبائل پر مصروف تھا، مگر وحیان مکمل طور پر نویلہ کی جانب تھا۔

”میں نے بھی آپ کو بہت مس کیا ماما!“ نویلہ نے خوشدلی سے کہا تھا، زین ندیم فوراً مسکرا دیا، فروا بغور اسے دیکھ رہی تھی اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہی تھی۔
 ”اللہ کرم کرے اور آپ کی بہن جلدی ہے ڈسچارج ہو کر گھر آ جائے، تو پھر آپ بھی میری واپس آ جاؤ بیٹا۔“ نویلہ کی غیر ارادی نظر ابھی اور زین ندیم سے ٹکرائی، اس کی ہنسی سٹپ ہو گئی تھی دوسری طرف زین ندیم کے تاثرات بھی سپاٹ ہو گئے تھے۔

”میں ابھی آتی ہوں ماما!“ نویلہ نے اسے چلی گئی تھی اور فروا نے محسوس کیا تھا کہ اس کے جاتے ہی زین ندیم کی دلچسپی بھی اس ناخول اور منظر سے ختم ہو گئی تھی۔

زین کا موبائل ایک مرتبہ پھر بپ دینے لگا تھا، وہ ان دونوں سے معذرت کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔
 اس کی آفیشل کال تھی، بات کرتے کرتے وہ مڑا تو سامنے سے نویلہ آتی دکھائی دی، وہ اس کے پاس آ کر رک گئی، زین ندیم نے کال بند کی۔
 ”کیسے ہیں آپ؟“ نویلہ نے سلام کیا۔
 ”جیسا بھی ہوں، آپ کو فرق پڑتا ہے۔“ وہ خفگی سے بھرپور لہجے میں بولا۔
 ”میں اتنے دن اپنی بہن کی بیماری اور ان

بہن کے ساتھ اچھل چل میں رہنے کی وجہ سے مطلقاً اپنی ذمہ داریاں سنبھالنے میں ناکام رہی ہوں۔“ وہ ان سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر واپس کھینچا۔
 ”مگر از کم خدا نہیں بھتی خود کو۔“ وہ بازو چراتے ہوئے دشتی سے بولی۔
 ”جھوٹ بولنے والے خدا ہو بھی نہیں سکتے۔“ اس نے طوکا نشتر چھوڑا۔
 ”مجھے آپ کو کوئی صفائی نہیں دینی، ہاتھ

بھولیں میرا۔“ اس نے ہاتھ چھیرنا تھا۔
 ”نہیں! وہ خدا ہاتھ بولے ہوئے بولا۔
 ”تو کتنی سخت جان ہو چکی ہوں، آپ ستم بڑھا کر کھیل دی، زین ندیم اسے جاتے دیکھتا رہا اس کا پیچھا اسے روک لے، مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔

☆☆☆
 ”کیوں بھول رہے سب؟“ وہ شبیر اور ماہوش کے پاس بیٹھے استفسار کر رہے تھے۔
 ”شبیر کو تو کچھ خاص علم نہ تھا مگر ماہوش تو سب جانتی تھی، مگر وہ ان سے حقیقت چھپا گئی تھی۔
 لیکن پھر وہ لاعلم نہیں رہے تھے، انہیں عین احمد نے سب کچھ بتا دیا تھا، یہ سب ان کے لئے بہت تکلیف دہ تھا، وہ شاکہ تھے۔

”میں فارقلیط حسن کو اتنا بے وقوف نہ سمجھتا تھا۔“ وہ سر تھاے بیٹھے تھے، فارقلیط حسن کی

بیماری اور پھر عروہ کو طلاق دینے کے کھڑے نکالنے کا مصمم ارادہ نہ تھا۔
 ”نہیں! وہ ان سے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر واپس کھینچا۔
 ”مگر از کم خدا نہیں بھتی خود کو۔“ وہ بازو چراتے ہوئے دشتی سے بولی۔
 ”جھوٹ بولنے والے خدا ہو بھی نہیں سکتے۔“ اس نے طوکا نشتر چھوڑا۔
 ”مجھے آپ کو کوئی صفائی نہیں دینی، ہاتھ

بھولیں میرا۔“ اس نے ہاتھ چھیرنا تھا۔
 ”نہیں! وہ خدا ہاتھ بولے ہوئے بولا۔
 ”تو کتنی سخت جان ہو چکی ہوں، آپ ستم بڑھا کر کھیل دی، زین ندیم اسے جاتے دیکھتا رہا اس کا پیچھا اسے روک لے، مگر وہ ایسا نہ کر سکا۔

”بابا!“ اس نے آواز دے ڈالی، غنفر علی کے قدم وہیں جم گئے، مگر ان میں مڑنے اور اس کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔

”واپس کیوں جا رہے ہیں؟“ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ ان کے قریب آئی اور اپنا ہاتھ ان کے شانے پر رکھا، وہ پلٹے مگر اس سے نظریں نہ ملا سکے۔

”عروہ!“ ان کا گلہ رندہ گیا۔
 ”بابا!“ عروہ نے ان کا ہاتھ پکڑا۔
 ”آپ یہاں بیٹھیں۔“ وہ انہیں بیڈ پر بیٹھا کر خود ان کے سامنے بیٹھ گئی۔
 ”آپ بہت اچھے۔“

”نہیں عروہ۔“ انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے کیوں پر رکھ کر اسے مزید بولنے سے منع کیا۔
 ”بہت برا ہوں میں، اگر مجھے برائیاں کہہ سکتی تو اچھا بھی مت کہو۔“ وہ ندامت کے باعث سر نہ اٹھا رہے تھے، ان کا ہاتھ ابھی بھی عروہ کے

https:// ”ماما“ اس نے وڈو امگرین سے نظر میں ہٹا کر ماں کو دیکھا۔
 ”جی ماما“ اس نے وڈو امگرین سے
 ڈاکٹر کے جبینہ ایک اسے لگائی تھی۔
 ”ماما“ اس نے وڈو امگرین سے

www.urdubook.com

”میں اپنا تلووار ہرگز نہیں اٹھائے گا۔ اس کے لیے میرے پاس جو سب سے پہلے جو حضورؐ کی باتیں تھیں، میرے ساتھ ہو۔“ چاہنے کے دھوکے میں اس کی دھنڑلی آنکھیں پونے گئی تھیں۔

”میں اللہ والی بہت اچھا بناتا ہوں۔“ شمر نے لہجہ اسے انڈوں سے دوچار کرنے لگا تھا۔

”دنیا میں جو سب سے کمزور دل کی لڑکی تھی، اللہ نے اسے میری بیوی بنادیا۔“ وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
 زکریا مصعب کی اس مسلسل خاموشی اور اداسی کا اپنے ہوتے بہت پریشان اور شرمندہ تھی، وہ اس سے سید اس کی آکیدی گئی تھی، مصعب کے لیے یہ بڑا خسارہ تھا کہ کاشکار ہوا۔
 ”آپ کیوں مجھے پرک کرنے آئیں؟“
 اس نے تھوڑا پارک کی جانب بڑھتے ہوئے وہ
 شہنشاہ لکھنؤ

”عزوب کی پیاری کی وجہ سے اتنے دن میرا
بٹا اُٹھ رہا ہوں، آج مجھے بہت سا وقت اپنے جگر
کے ساتھ گزارنا ہے۔“ وہ محبت پاش لہجے میں
بلال کو مصعب علیٰ علیہ السلام کی یاد دلا رہا تھا۔

اس کے پیش کرنے کے بعد جو دفر وائے اسے
 جیروں شاپک کروائی تھی، اسے نیا سیل فون
 فراہم کیا اور پھر دونوں نے ڈانر بھی باہر کیا۔
 ”مضبب“ اس نے فوک پرنس کا پیس لگا
 کر اس کے منہ کی جانب بڑھایا تو وہ آس پاس
 کیسے لگا
 ”ماما!“ اس نے کچھ جھپٹتے ہوئے منہ کھول
 دیا اور پھر ارد گرد دیکھا۔

”لوگ دیکھ رہے ہیں، اب میں بچہ تو نہیں ہوں۔“ وہ شرماتا ہوا بہت کیوٹ لگ رہا تھا۔

”میری جان، میرے لئے تو بچے ہونے۔“

اسکاٹ دباتے ہوئے بولی۔

کرتا سرا ہے قوتی ہے۔ دروازہ کھلا اور
آپ نے پلہ پلہ پورے گھر میں گھومنا شروع کر دیا۔
نوٹ کر آیا تھا۔
”اللہ تعالیٰ میرے لیے کالیب بہت اچھا
کرے گا۔“ فرما دے اس کا شانہ چھپتیا، معصوب
علی مسکرایا۔

☆☆☆
فارقلیط حسن کمر شفت ہو چکا تھا، مگر عروبہ
اسے دیکھنے پا لے نہ آئی تھی، حسن بہزاد کو کسی اچھے
لے اس کے گھر کے معلق بتا دیا تھا۔
”میں تمہیں اتنا بے وقوف نہ سمجھتا تھا
فارقلیط۔“ وہ اس کے پاس اس کے روم میں
بیٹھ گئے۔
”تم نے اپنی تکلیف مجھ سے اور عروبہ سے
چھپا کر اچھا نہیں کیا۔“ وہ شکوہ کنال لہجے میں
بولے۔

”تم نے عروبہ کو طلاق دے دی، کیوں؟“
”وہ جت لینا چھت کی کڑکیوں کو گھور رہا تھا۔
”وہ میری جدائی برداشت نہ کر پائی پایا۔“
اس نے ایک بوسہ مل سانس خارج کی۔
”اسے تمہاری محبت کہوں یا بے وقوفی۔“ وہ
تاسف سے سر ہلا کر رہ گئے۔
”اور جو کہ تم نے اسے دیا، کیا وہ یہ سہہ
پائی؟“ وہ غصے سے گویا ہوئے۔
”تم جانتے ہو اس وقت کیا حالت ہوگی
اس کی؟“ انہوں نے احساس دلانا چاہا۔
”وہ تمہارے بغیر کیسے رہے گی؟“ وہ ہنوز
خاموش تھا۔

”زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہوتی
ہے بیٹا اور یہ ضروری نہیں کہ کینسر کا ہر مریض مر
جائے، بیماری تو ایک جہانہ ہوتی ہے، ورنہ ہر شخص
اپنے وقت پر مرتا ہے، پھر موت سے پہلے رشتہ ختم

کرتا سرا ہے قوتی ہے۔ دروازہ کھلا اور
آپ نے پلہ پلہ پورے گھر میں گھومنا شروع کر دیا۔
نوٹ کر آیا تھا۔
”اللہ تعالیٰ میرے لیے کالیب بہت اچھا
کرے گا۔“ فرما دے اس کا شانہ چھپتیا، معصوب
علی مسکرایا۔

”ماما بہت ضدی ہیں۔“ ماہوش غصے سے
بولی۔
”ایسا مت بولو اس کے لئے“ فارقلیط
حسن اسے ٹوک گیا۔
”اس نے زندگی میں بہت دکھا اٹھا ہے۔“
بیٹا۔

”اور میں نے اس کے دکھوں کو کبھی
کا وعدہ کیا تھا، سب سے زیادہ وہ دکھ جس کا وعدہ
میں ہی بن گیا۔“ وہ ماہوش کو اس کی زندگی کی
کہانی سنانے لگا، وہ بے یقینی کی بیٹی تھی،
دروازے کے باہر کھڑے شوہر حسن کا دل اپنا
ماں کے دکھوں پر کتنے لگا تھا۔

☆☆☆
نویلہ، زین ندیم کے ساتھ آٹو گئی تھی کراس
کا انداز بہت لیا دیا تھا، ڈیز کے بعد وہ لان میں
کچھ دیرواک کرنے کی تھی، اپنے کمرے کی کھڑکی
سے زین ندیم نے اسے دیکھا اور اس کے پاس
گیا، اس کے قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے اس
نے اچانک نویلہ کا ہاتھ پکڑا، وہ راک گئی اور کھڑکی
سے بھر پور نظر اس پر ڈالی، زین ندیم مسکرایا۔
”آئی لو یو نویلہ۔“ اس کے اس طرح
اچانک اظہار محبت پر وہ گنگ کھڑی اسے دیکھ
رہی تھی۔

”دیکھ لی میں نے آپ کی محبت۔“ اس نے
منہ پھلاتے ہوئے کہا اور ہاتھ چھڑانا چاہا۔

”جیسا“ وہ سر ہلایا۔
”میں برا نہیں ہو گئی، آپ نے لیٹ کا خبر
”اس کا جواب تھا۔
”میں تمہاری جدائی سہہ کر اپنی حیات کی
شدت اور اس کی سہرائی معلوم کرنا چاہتا تھا۔“
اس نے نویلہ کی آنکھوں میں جھانکا۔
”ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔“ اس نے ہاتھ
کھینچا، چاند کی دودھیا روشنی میں اس کا
نویلہ صورت چہرہ دیک رہا تھا۔
”مجھے سبھی بھی بدگمان مت ہونا، مجھے تم
پر بہت اعتبار ہے، جانتا ہوں تم بہت اچھی لڑکی
”میں مختلف سمجھتا تھا میں نے آپ کو۔“ وہ

”عزیز“ وہ اس کے قریب آیا اور اس
کے ہاتھ تھامنے چاہے۔
”دور رہیں مجھ سے فارقلیط حسن
صاحب۔“ وہ قدم پیچھے ہٹی، فارقلیط حسن بیسی
نظروں سے اسے دیکھ گیا۔
”آپ مجھ پر ہر حق کھو چکے ہیں۔“ اس
نے واضح کیا۔
”محبت کرنے کا حق ابھی بھی ہے میرے
پاس۔“ اس نے جتایا۔
”زندگی اور گھر سے نکال دیا، اب محبت کا
کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ تلخ ہوئی۔
”دل سے تو نہیں نکالا عروبہ۔“ وہ اسے
جتاتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
”وہاں سے میں خود نکل آئی ہوں۔“ عروبہ
نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔
”میں نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو عروبہ۔“ وہ اس کے قریب آیا
اور منت کرنے لگا۔

”عزیز“ وہ اس کے قریب آیا اور اس
کے ہاتھ تھامنے چاہے۔
”دور رہیں مجھ سے فارقلیط حسن
صاحب۔“ وہ قدم پیچھے ہٹی، فارقلیط حسن بیسی
نظروں سے اسے دیکھ گیا۔
”آپ مجھ پر ہر حق کھو چکے ہیں۔“ اس
نے واضح کیا۔
”محبت کرنے کا حق ابھی بھی ہے میرے
پاس۔“ اس نے جتایا۔
”زندگی اور گھر سے نکال دیا، اب محبت کا
کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ تلخ ہوئی۔
”دل سے تو نہیں نکالا عروبہ۔“ وہ اسے
جتاتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
”وہاں سے میں خود نکل آئی ہوں۔“ عروبہ
نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔
”میں نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو عروبہ۔“ وہ اس کے قریب آیا
اور منت کرنے لگا۔

”عزیز“ وہ اس کے قریب آیا اور اس
کے ہاتھ تھامنے چاہے۔
”دور رہیں مجھ سے فارقلیط حسن
صاحب۔“ وہ قدم پیچھے ہٹی، فارقلیط حسن بیسی
نظروں سے اسے دیکھ گیا۔
”آپ مجھ پر ہر حق کھو چکے ہیں۔“ اس
نے واضح کیا۔
”محبت کرنے کا حق ابھی بھی ہے میرے
پاس۔“ اس نے جتایا۔
”زندگی اور گھر سے نکال دیا، اب محبت کا
کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ تلخ ہوئی۔
”دل سے تو نہیں نکالا عروبہ۔“ وہ اسے
جتاتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
”وہاں سے میں خود نکل آئی ہوں۔“ عروبہ
نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔
”میں نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو عروبہ۔“ وہ اس کے قریب آیا
اور منت کرنے لگا۔

”عزیز“ وہ اس کے قریب آیا اور اس
کے ہاتھ تھامنے چاہے۔
”دور رہیں مجھ سے فارقلیط حسن
صاحب۔“ وہ قدم پیچھے ہٹی، فارقلیط حسن بیسی
نظروں سے اسے دیکھ گیا۔
”آپ مجھ پر ہر حق کھو چکے ہیں۔“ اس
نے واضح کیا۔
”محبت کرنے کا حق ابھی بھی ہے میرے
پاس۔“ اس نے جتایا۔
”زندگی اور گھر سے نکال دیا، اب محبت کا
کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ تلخ ہوئی۔
”دل سے تو نہیں نکالا عروبہ۔“ وہ اسے
جتاتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
”وہاں سے میں خود نکل آئی ہوں۔“ عروبہ
نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔
”میں نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو عروبہ۔“ وہ اس کے قریب آیا
اور منت کرنے لگا۔

”عروبہ!“ اسے جانے نماز پڑ بیٹھے نہ
جانے کتنی دیر زندگی تھی جب اس کے عقب میں
آواز ابھری تھی۔
”فارقلیط!“ اس کے دل سے صدا بلند
ہوئی تھی، مگر لب خاموش تھے، وہ جانے نماز سے
اٹھی، اسے تھکر کے بیٹھی، وہ دانستہ اس کی جانب
دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔
”عروبہ!“ وہ اس کے قریب آیا اور اس
کے ہاتھ تھامنے چاہے۔
”دور رہیں مجھ سے فارقلیط حسن
صاحب۔“ وہ قدم پیچھے ہٹی، فارقلیط حسن بیسی
نظروں سے اسے دیکھ گیا۔
”آپ مجھ پر ہر حق کھو چکے ہیں۔“ اس
نے واضح کیا۔
”محبت کرنے کا حق ابھی بھی ہے میرے
پاس۔“ اس نے جتایا۔
”زندگی اور گھر سے نکال دیا، اب محبت کا
کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ تلخ ہوئی۔
”دل سے تو نہیں نکالا عروبہ۔“ وہ اسے
جتاتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
”وہاں سے میں خود نکل آئی ہوں۔“ عروبہ
نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔
”میں نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو عروبہ۔“ وہ اس کے قریب آیا
اور منت کرنے لگا۔

”عروبہ!“ اسے جانے نماز پڑ بیٹھے نہ
جانے کتنی دیر زندگی تھی جب اس کے عقب میں
آواز ابھری تھی۔
”فارقلیط!“ اس کے دل سے صدا بلند
ہوئی تھی، مگر لب خاموش تھے، وہ جانے نماز سے
اٹھی، اسے تھکر کے بیٹھی، وہ دانستہ اس کی جانب
دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔
”عروبہ!“ وہ اس کے قریب آیا اور اس
کے ہاتھ تھامنے چاہے۔
”دور رہیں مجھ سے فارقلیط حسن
صاحب۔“ وہ قدم پیچھے ہٹی، فارقلیط حسن بیسی
نظروں سے اسے دیکھ گیا۔
”آپ مجھ پر ہر حق کھو چکے ہیں۔“ اس
نے واضح کیا۔
”محبت کرنے کا حق ابھی بھی ہے میرے
پاس۔“ اس نے جتایا۔
”زندگی اور گھر سے نکال دیا، اب محبت کا
کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ تلخ ہوئی۔
”دل سے تو نہیں نکالا عروبہ۔“ وہ اسے
جتاتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
”وہاں سے میں خود نکل آئی ہوں۔“ عروبہ
نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔
”میں نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو عروبہ۔“ وہ اس کے قریب آیا
اور منت کرنے لگا۔

”عروبہ!“ اسے جانے نماز پڑ بیٹھے نہ
جانے کتنی دیر زندگی تھی جب اس کے عقب میں
آواز ابھری تھی۔
”فارقلیط!“ اس کے دل سے صدا بلند
ہوئی تھی، مگر لب خاموش تھے، وہ جانے نماز سے
اٹھی، اسے تھکر کے بیٹھی، وہ دانستہ اس کی جانب
دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔
”عروبہ!“ وہ اس کے قریب آیا اور اس
کے ہاتھ تھامنے چاہے۔
”دور رہیں مجھ سے فارقلیط حسن
صاحب۔“ وہ قدم پیچھے ہٹی، فارقلیط حسن بیسی
نظروں سے اسے دیکھ گیا۔
”آپ مجھ پر ہر حق کھو چکے ہیں۔“ اس
نے واضح کیا۔
”محبت کرنے کا حق ابھی بھی ہے میرے
پاس۔“ اس نے جتایا۔
”زندگی اور گھر سے نکال دیا، اب محبت کا
کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ تلخ ہوئی۔
”دل سے تو نہیں نکالا عروبہ۔“ وہ اسے
جتاتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
”وہاں سے میں خود نکل آئی ہوں۔“ عروبہ
نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔
”میں نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو عروبہ۔“ وہ اس کے قریب آیا
اور منت کرنے لگا۔

”عروبہ!“ اسے جانے نماز پڑ بیٹھے نہ
جانے کتنی دیر زندگی تھی جب اس کے عقب میں
آواز ابھری تھی۔
”فارقلیط!“ اس کے دل سے صدا بلند
ہوئی تھی، مگر لب خاموش تھے، وہ جانے نماز سے
اٹھی، اسے تھکر کے بیٹھی، وہ دانستہ اس کی جانب
دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔
”عروبہ!“ وہ اس کے قریب آیا اور اس
کے ہاتھ تھامنے چاہے۔
”دور رہیں مجھ سے فارقلیط حسن
صاحب۔“ وہ قدم پیچھے ہٹی، فارقلیط حسن بیسی
نظروں سے اسے دیکھ گیا۔
”آپ مجھ پر ہر حق کھو چکے ہیں۔“ اس
نے واضح کیا۔
”محبت کرنے کا حق ابھی بھی ہے میرے
پاس۔“ اس نے جتایا۔
”زندگی اور گھر سے نکال دیا، اب محبت کا
کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ تلخ ہوئی۔
”دل سے تو نہیں نکالا عروبہ۔“ وہ اسے
جتاتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
”وہاں سے میں خود نکل آئی ہوں۔“ عروبہ
نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔
”میں نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو عروبہ۔“ وہ اس کے قریب آیا
اور منت کرنے لگا۔

”عروبہ!“ اسے جانے نماز پڑ بیٹھے نہ
جانے کتنی دیر زندگی تھی جب اس کے عقب میں
آواز ابھری تھی۔
”فارقلیط!“ اس کے دل سے صدا بلند
ہوئی تھی، مگر لب خاموش تھے، وہ جانے نماز سے
اٹھی، اسے تھکر کے بیٹھی، وہ دانستہ اس کی جانب
دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔
”عروبہ!“ وہ اس کے قریب آیا اور اس
کے ہاتھ تھامنے چاہے۔
”دور رہیں مجھ سے فارقلیط حسن
صاحب۔“ وہ قدم پیچھے ہٹی، فارقلیط حسن بیسی
نظروں سے اسے دیکھ گیا۔
”آپ مجھ پر ہر حق کھو چکے ہیں۔“ اس
نے واضح کیا۔
”محبت کرنے کا حق ابھی بھی ہے میرے
پاس۔“ اس نے جتایا۔
”زندگی اور گھر سے نکال دیا، اب محبت کا
کیا جواز بنتا ہے؟“ وہ تلخ ہوئی۔
”دل سے تو نہیں نکالا عروبہ۔“ وہ اسے
جتاتے ہوئے کہنے لگا تھا۔
”وہاں سے میں خود نکل آئی ہوں۔“ عروبہ
نے جی کڑا کر کے کہہ دیا تھا۔
”میں نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے،
سمجھنے کی کوشش کرو عروبہ۔“ وہ اس کے قریب آیا
اور منت کرنے لگا۔

تھا، اگر نے ایک نظر کسی سے اپنے ہر کو کو دیکھا
اور ہر کہ وہ اپنے ہر کی جان بڑھ گیا، اسے
اللہ سے فارقلیط حسن کی زندگی میں تھی، عرب کی
خوشیوں کے لئے التجا کرنی تھی۔

☆☆☆
 عروہ ماہی بے آب کی مانند تڑپ رہی تھی،
 اس نے رات کا کھانا بھی نہ کھایا تھا، جلد سونے کا
 بہانہ کر کے وہ اپنے روم میں چلی گئی تھی، اسے ہر
 چیز سے وحشت ہو رہی تھی۔

”آئی لو یو عربہ۔“ اس نے
Whatsapp آن کیا، فارقلیط حسن کامیج آیا
ہوا تھا۔

”میں جانتا ہوں تم مجھے بہت یاد کر رہی ہو۔“ اس کا دل بھرانے لگا تھا۔

”فارقلیط۔“ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل کر موبائل فون کی اسکرین پر گرنے لگے تھے۔

جائے گی اور دیکھا، مورخ لکھے گا، ناقص قلم حسن
ایک ایسا شوہر جسے اپنی بیوی سے عشق تھا، اس کی
محبت میں وہ اتنا نگاہل ہو گیا کہ اسے خود سے دور
کر بیٹھا۔“ عروہ کا دل بند ہو رہا تھا اس کے منہ
پڑھ کر۔

”میں اللہ سے دعا کر رہا ہوں کہ زندہ نہ
 بچوں۔“

”اللہ نہ کرے۔“ عربہ کے لب
 پھڑپھڑائے۔

”مجھے زندگی کی ایک سانس بھی تمہارے بغیر نہیں چاہیے۔“ عربہ غنغر کا دل جاہا اس کے میسج کا جواب دے، اسے تسلی دے، آس کا کوئی ایسا دیا اسے تھمائے، جسے پکڑ کر وہ اندھیروں سے نکل آئے، مگر وہ ایسا نہ کر سکی۔

”میں روز قیامت اللہ سے یہ کہوں گا کہ

”دُعا ہو جائیں گے۔“ وہ تسلی آواز
 ”مجھے معاف کر دیں عیسیٰ۔“ وہ اس کے
 ”میں نے تھوڑے لڑکے تھے۔“

”پلیز مت کرو۔ اس سے باہر دوسوں پر
دبوں انہوں کو کھول دیا، اس کا سراپنہ سینے پر
رکھے اس کا بازو دھسلانے لگا۔
”معافی مانگنی ہے تو اپنی ماما سے مانگو۔“ وہ
تہنگی سے بولا۔

”میں نے اس سے معافی مانگ لی ہے۔“
اس کے انزویٰ نے اس کی شرٹ کو بیگور ہے تھے۔
”تو میں نے بھی نہیں معاف کیا، چلو اب
چاہیے تو، بخدائی ہو رہی ہے۔“ کچھ دیر میں
اوپر چاہیے لی کہ اوڈمیڈین کھا کر سو گئی تھی،
میں اچھے کن پریل درست کیا، کپ اٹھا کر
جن میں آ گیا۔

ایزی چیئر پر جا بیٹھا۔

فائدہ حاصل کیئرپورٹ پر اپنی بیٹی سے بار بار اس

”فارقیت حسن میں آج تک آپ کو ایک

کہ عروبہ سے جتنی محبت میں نے کی ہے آپ کبھی

عشق کیا ہے، جتنی محبت آپ نے عروبہ

ہوئی۔“ وہ چشم تصور میں اس سے مخاطب تھا۔

کیوں نہ ملی، آج پتا چلا، اتنی اچھی لڑکی کی تو

اب ڈیزوررتے ہیں۔“ عیسیٰ احمد نے
آنکھیں کھولیں، کمرے میں ملکا اندھیرا پھیلا ہوا

مجھ سے دور رہیں۔“ وہ میرے پاس سے اٹھ کر
 آگے چلا گیا۔
 ”آپ نے کوئی حجت نہیں کی مجھ سے۔“ وہ
 زور سے کہنے لگا۔

”میں تمہیں اذیت سے بچانا چاہتا تھا۔“
 کسی طور نہ مان رہی تھی۔
 ”محبت کے مریض کی رگوں میں نفرت،
 بے اعتنائی اور بے حس کا زہر اتار کر آپ کہتے ہیں
 اذیت سے بچانا چاہتے تھے۔“ وہ غصے سے بولی۔
 ”۲۰۱۲ء تک“

”اب میں ہوئی تو کیا مسئلہ ہے؟“
”میری محنت کی شدتوں کو سمجھو عرب، بد

ان مت ہو۔“ وہ ایک مرتبہ پھر منت کرنے لگا
عروبہ کسی طور نہ مان رہی تھی۔

”محبت ہو یا نفرت، اسے خداں پر ہمارے

اور آپ کی محبت کی شدت نے مجھے کہیں

اُیر پور
راستہ رو

گیا۔
 کی نفرت اور آپ کی محبت کی شدت

رہ جائے، اماں کا مول کوئے پر لٹکانا نہیں تو باپ
الفاظ کو لے کر، بھلا سے دن میں کتنی کتنی
باز رکھ کر اسے انتقام کے لئے بھڑکاتا ہے
جاتا اور وہ بھی سعادت مند اولادوں میں سے
تھے اس لئے ہر بار بغیر چڑے خندہ پیشانی سے
تلی بخش جواب دیا کرتے تھے۔

بہن! مگر بھاری پھینچ اور پاؤں سے تھک چکی
کے تعلق تار نہ ہوئی، لائٹ میک اپ،
کے لئے کمر پر دو گے لپٹ کر کھڑوے کر اسٹول پر
جڑھن، کمر کے کمرے کی شادہ ہونے
دن تارہ دھانی کی وجہ سے صاف ہی تھے گراماں
کی خردبینی نگاہوں اور خود اپنی نفس طبیعت کے
باعث اس نے دیوار اور اونکھ صاف نہ
ہیں! مگر بھاری پھینچ اور پاؤں سے تھک چکی
کے تعلق تار نہ ہوئی، لائٹ میک اپ،
کے لئے کمر پر دو گے لپٹ کر کھڑوے کر اسٹول پر
جڑھن، کمر کے کمرے کی شادہ ہونے
دن تارہ دھانی کی وجہ سے صاف ہی تھے گراماں
کی خردبینی نگاہوں اور خود اپنی نفس طبیعت کے
باعث اس نے دیوار اور اونکھ صاف نہ

<https://www.urduubooks.com>

”بیٹا حامد! میرے آفس تو کارڈ دے آئے ہوتا، بڑا پرانا سا تھرہ رہا ہے، اچھا ہے اس بھانے پرانے سامیوں سے ملاقات ہو جائے گی۔“ بابا پھر ہنسیک لگائے بیٹھے تھے۔

”جی! یاد دلاؤ کہ کارڈے آئے ہوں اور وہی الگ سے صدر اگل کا بجو آئی اور عیال کا کارڈ بھیجتا وہ خود ان کے ہاتھوں میں دے کر آیا ہوں اور بے حد اصرار آنے کی دعوت دی ہے۔“

☆ ☆ ☆
 س نے میرا اچھے برے دونوں میں۔ "اباجی نے
 ایسے سے لے کر چوتھی تک ایسی مصروفیت
 سچ جائے نماز پر رکھی اور اماں کی طرف متوجہ ہو
 گئی۔

جی اماں کوئی کام ہے، میں بس درود شریف کی تسبیح پڑھ کر آ رہی ہوں پھر کتاب پڑھ کر نکلیں بنا دوں گی۔“

”مجھے معلوم ہے میری بیٹی بہت ذمہ دار ہے، میں بس یہ کہنے آئی تھی کہ ذرا اچھے سے تیار ہو جانا، ان لوگوں نے تمہیں رکن کی شادی روک دیا ہے۔“

”لا میں میں موہاں میں save کر دیتا
”بھیانے بابا کی مشعل آسان کی تو وہ اللہ
کرتے ہوئے آبادیدہ ہو گئے۔
”اولاد ہونا بے شک بڑی نعمت ہے لیکن
ت مند اولاد ہونا، دنیا میں اللہ کا انعام

☆☆☆
 اور پھر شمن کی رخصتی کا وقت بھی آپہنچا شمن
 مکر کے لہنگا سوٹ میں کوئی اپسرا لگ رہی
 شمن نے شمن کے اصرار پر سی گرین میکی تو

محمدؐ، ہر وہ ایک کی وجہ سے دوسری کی عمر ضائع نہیں کر سکتے تھے، دینے بھی ان سے اس میں توفیق دہا دیا ہوتا ہے ہی کہیں دینے والوں کی موت میں اس کے لئے کہیں کی تہ بھی گواہاں نظر میں چرائے چھری پھر رہی تھیں مگر اس نے اماں کو باپانہوں میں بھریا۔

”اماں! سدا کلام میں اور آپ بولیں
سے بٹھیں ہو، جلدی جلدی لست بنواؤ اور پھر بازار
چلو، اس بہانے خوب شائبہ گ کرنے کو تو ملے
گی۔“ اور اماں نے اسے آغوش میں بھر کر خود پر
سے اختیار کھو دیا۔

”میری بچی، میری سین۔“ قریب تھا کہ وہ ہاتھ جوڑ دیتیں اس نے ان کے ہاتھ تھام کر اپنے دل پر رکھ لیا۔

ہو رہی ہے۔ وہ زبردستی مجھے میں شرارت سمونے
کے رہتی تھی اور اماں اس کی اس ادا پر صدقے
داری ہو گئیں۔

”اللہ تیری جیسی ہیرا پنی سب کو دے، ماں
باپ کا یوں دم بھرنے والی اولاد ہمیشہ سکھی رہتی
ہے میری بچی۔“ وہ دعائیں دیتی چلی جا رہی تھیں
اور اس کی روح اس انمول دولت کے ملنے پر
سرشار ہوئے جا رہی تھی۔

☆☆☆

شدید گرمی کے باعث اماں ابا شادی کے لئے راضی نہ تھے، مگر خن کی دادی ساس کی حالت انتہائی نازک تھی اور لاڈ لے پوتے کے سر پر سہرا دیکھنا ان کی آخری خواہش تھی سو خن کے سسرال والوں کے اصرار پر اماں ابا رضامند ہو گئے۔

اس کی شادی، اس گھر کی پہلی شادی تھی، سو ہر طرح سے کوشش کی جا رہی تھی کہ کہیں کوئی کمی نہ

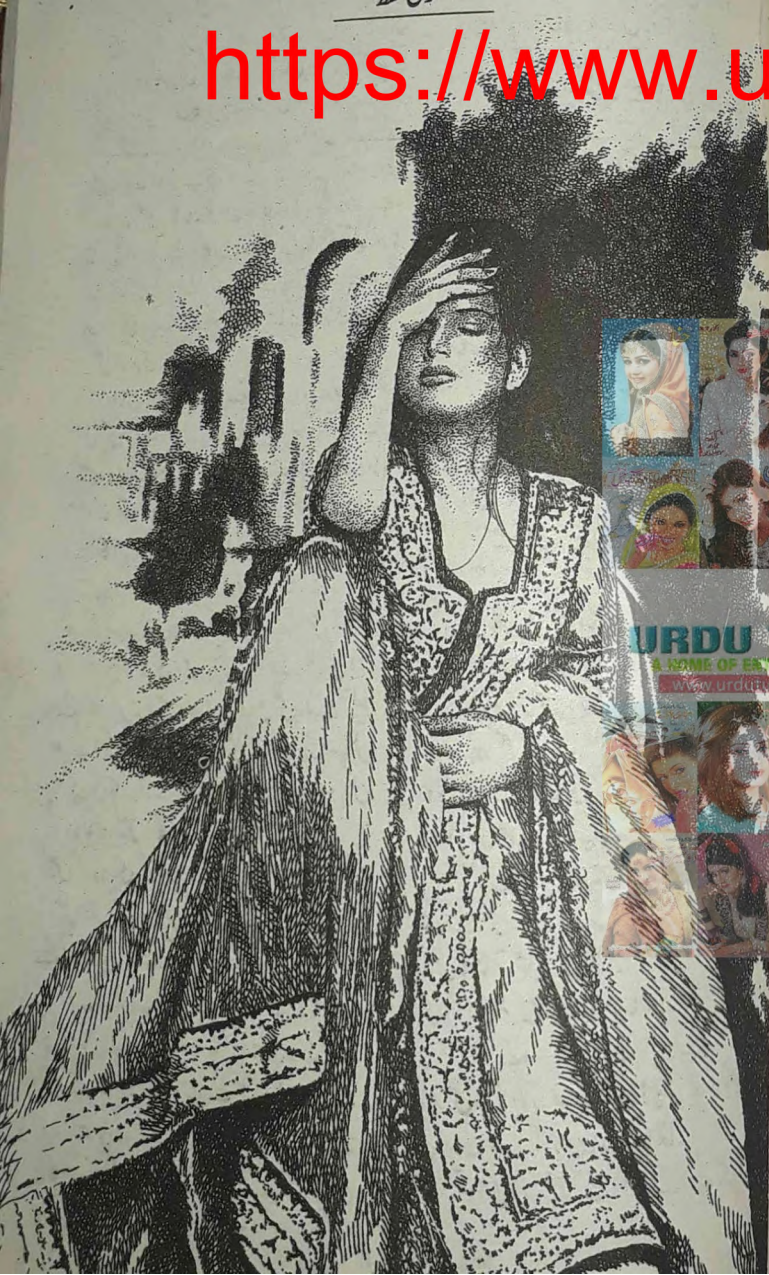
شہر کے یہ باشندے بڑے بڑے بچ نفرت کے
انتظار کرتے ہیں فصلِ محبت کی
چھوڑ کر حقیقت کو ڈھونڈنا سراپوں کا
ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے
اجنبی فضاؤں میں اجنبی مسافر سے
اپنے ہر تعلق کو دائمی سمجھ لینا
اور جب پچھڑ جانا مانگنا دعاؤں کا
ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے

تلیوں کے موسم میں نوچنا گلابوں کا
ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے
دیکھ کر پرندوں کو باندھنا نشانوں کا
ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے
تم ابھی نئے ہوتاں! اس لئے پریشان ہو
آسمان کی جانب اس طرح سے مت دیکھو
آفتیں جب آتی ہوں ٹوٹنا ستاروں کا
ریت اس نگر کی ہے اور جانے کب سے ہے

ناولٹ

وانیہ کو ہاسپٹل سے ڈسچارج کروا گیا تھا،
اس کی جسمانی حالت تو اب کافی بہتر تھی مگر فنی
حالت ویسے کی ویسے تھی، وہی خلاؤں میں گھٹنا
وہی اجنبیت بھری آنکھوں سے آنکھیں ملانا، وہی
سرد و جامد لہجہ وہی چہرے کا خالی پن، وہ گاؤں آنا
نہ چاہتی تھی مگر ٹھکانہ کوئی نہ تھا اس لئے گاؤں آنا
پڑا تھا، موحد ہاسپٹل سے ہی اسلام آباد ایس جلا
گیا تھا بقول اس کے کہ آج کل اس کا کاروبار
قدم چما رہا ہے اس لئے وہ زیادہ دن فارغ نہیں
بیٹھ سکتا۔

”روپیہ پیسہ تو آتا ہی عورت کے مقدر سے
ہے، یہ عورت تمہارے لئے سبز قدم ثابت ہوئی
ہے، ایسے تم نے گھر سے نکالا ہے تو کوئی چار پیسہ
تمہارے پاس بھی آنے لگے ہیں۔“ ماں نے
ہاسپٹل کے ٹھنڈے برآمدے میں کھڑے بیٹے کو
الوداع کرتے ہوئے اس کے کانوں میں پھونک



Digitized by Google

اس وقت وہ بیوی اور بچہ دونوں جیسا کہ
ابھی یہاں سے الوداع ہوا تھا، اس کی پردوں کا
لس ابھی تک اس کے گالوں پر تازہ تھا، جو اس
سے ایک طرف محبت کرتا تھا اور شاید تا عمر کرتا رہے
گا، اس کے دل میں ہر عرس کے لئے کیا تھا اسے
نہیں پتہ تھا، بس اس کے جانے کے بعد ایک
کلیف جی اور اذیت جی جو اس نے محسوس کی تھی
اور بے تحاشا محسوس کی تھی۔

”مریم میری جان کیا ہوا؟“ گڑبانے پایا
کوفن کر دیا تھا، منصور اڑتے ہوئے مگر آنے
تھے۔

”مومو..... مومو کیا ہوا؟“ انہوں نے مریم
کو ہانپوں کے گیرے میں لے لیا تھا، مومو منصور
کی گود میں سر رکے بلک بلک کر رو رہی تھی۔

”کیا ہوا؟“ منصور کو تو جان لگی جاری
تھی۔

”درد..... درد ہو رہا ہے۔“ منصور کو کچھ تو
بتانا تھا۔

”ادھ ماٹی گاڈ، کہاں درد ہو رہا ہے تمہیں۔“
وہ اور زیادہ پریشان ہو گئے تھے۔

”سر، میرے سر میں بہت درد ہو رہا
ہے۔“

”چلو اٹھو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔“
منصور کو کچھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ کتنا شدید درد ہے۔

”نہیں مجھے دوائی دے دیں، میں ٹھیک ہو
جاؤں گی۔“

”اجھاتم چلو یہاں سے اٹھو، اپنے بیدروم
میں چلو، دیکھو گریا اور سی کتنا پریشان ہو رہے ہیں
تمہارے لئے۔“ منصور نے اسے لاؤنچ سے

اٹھاتے ہوئے کہا تھا، وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے
اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

منصور نے اسے چن کر دئی تھی اور ملازمہ کو

”بہت خوش قسمت ہو جو تمہیں خدا نے اتنی
بڑی نعمت سے نوازا، یار میرے لئے بھی دعا کرنا،
برا آگن اس نعمت اور رحمت سے ابھی خالی
ہے۔“

”ڈاکٹر صاحب فکر مت کریں، اللہ پاک
پہلے ہی اولا جیسی خوشی سے ضرور نوازے گا۔“
اس نے صدق دل سے دعا کی تھی۔

”جیک بوٹ“ ڈاکٹر اس کا شکریہ ادا کر کے
اپنی کرسی پر چلا گیا تھا۔

وہ پہلی اینٹ کر کمرے میں آیا تو حریم بھی
اسے دیکھ کر سراسیمہ کی۔

”نہال کا بچہ نہیں چل رہا تھا کہ بائبل
ایک ایک بندے کو پیکر اس کا منہ بٹھا کر
دے، اس نے منہ کی لوری پکڑی ہوئی تھی
اور ہر بندے کے آگے کر رہا تھا، ڈاکٹر کو

زس، کیا مریض اور بڑا ہنس رہا ہے۔“ وہ اس کے پاس آکر
سب اس سے منہ بٹھا کر رہے تھے، اسے دیکھ کر

بھی تو اتنی بڑی ملی تھی، فتح فجر کے وقت اسے
پاک نے ایک سند رحمت اور خوبصورت سے
سے نوازا تھا، حریم اور بچہ دونوں ماشاء اللہ ٹھیک
ٹھاک تھے، ریشم بیگم نے بھی بڑے عرصے بعد

خوش دیکھی تھی وہ بھی خدا پاک کا شکر ادا کرنے
نہیں ٹھکتی تھیں، جبکہ نہال تو خوشی سے پاگل ہو رہا
تھا۔

”ڈاکٹر صاحب آپ بھی لیں نا۔“ ایک
ڈاکٹر کو تو اس نے آپریشن ٹیبل میں جاتے جاتے
روک لیا تھا۔

”منہ بیٹھا کریں تا مجھے خدا پاک نے بے
جیسی نعمت سے نوازا ہے۔“ اس نے منہ کی

”ارے بھی اس میں لڑنے والی کون سی
بات ہے، یہ میرا پوتا ہے، یہ نہ تم جیسا ہے اور نہ تم
جیسا، یہ تو میرے جیسا ہے، بالکل مجھ پر گیا
ہے۔“ ریشم بیگم نے کمرے میں آتے، ان کی

پونیس سن لے کر تھیں، اس لئے کہ آکر بولی
”ادھ ماٹی گاڈ، کہاں درد ہو رہا ہے تمہیں۔“
بلکہ ”شہ۔“ نہال ماں کی بات سن کر کھلکھلا کر
ہنس پڑا تھا۔

حریم بھی ہنس پڑی تھی، شکر خدا کا کہ وہ
ان دونوں کو یہ خوشی دینے میں کامیاب ہوئی تھی،
یہ اللہ کا بڑا کرم تھا، اس نے دل ہی دل میں خدا کا
ذمہ داری ڈھیر شکر ادا کیا تھا۔

☆☆☆

دو پہر کا سورج سر پر تکا کھڑا تھا، موسم بدل
رہا تھا، اب دو پہر کی گرمی ہوئے لگی تھیں، دھوپ
میں بیٹھا نہیں جاتا تھا، سایہ دار درخت اور
ٹھنڈے کمرے ایسے لگتے تھے، وانیہ کے دل
کا موسم مگر ویسا ہی تھا، نہ بدلا تھا نہ بدلنے والا تھا،
اماں آج صبح کی لپائی کر رہی تھی، اس نے گوبر اور
منی ملا کر گوندھ رکھی تھی اور اب بڑی پھرتی سے
صحن کی لپائی کر رہی تھی، وہ درھیک کے درخت
کے نیچے بھی چار پانی پر پلٹی تھی اور درھیک پر
چھدنے والی چڑیوں کو یونہی تک رہی تھی جنہوں
نے شور مچا رکھا تھا، اس گھر میں بس اب انہی کی
آوازیں آیا کرتی تھیں یا پھر اماں سے ملنے کے
لئے آنے جانے والیوں کی۔

وانیہ نے توب سینے ہوئے تھے، ہاں بس
آنکھیں نہیں جو ادھر ادھر دیکھتی رہتی تھیں۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی، وانیہ اور اماں
دونوں اپنی اپنی جگہ چونک پڑی تھیں، دن میں
صحن کے دروازے کی کنڈی بھی نہ لگی تھی، نہ ہی
گاؤں میں کنڈیاں لگانے کا رواج تھا، جس نے
بھی آنا ہوتا بے دھڑک دروازہ کھول کر چلی آئی
تھی، ہاں البتہ آدمیوں کے لئے اتنی چھوٹ نہیں
تھی، اول محلے کے کسی آدمی کو اماں سے کوئی کام

”ارے بھی اس میں لڑنے والی کون سی
بات ہے، یہ میرا پوتا ہے، یہ نہ تم جیسا ہے اور نہ تم
جیسا، یہ تو میرے جیسا ہے، بالکل مجھ پر گیا
ہے۔“ ریشم بیگم نے کمرے میں آتے، ان کی

پونیس سن لے کر تھیں، اس لئے کہ آکر بولی
”ادھ ماٹی گاڈ، کہاں درد ہو رہا ہے تمہیں۔“
بلکہ ”شہ۔“ نہال ماں کی بات سن کر کھلکھلا کر
ہنس پڑا تھا۔

حریم بھی ہنس پڑی تھی، شکر خدا کا کہ وہ
ان دونوں کو یہ خوشی دینے میں کامیاب ہوئی تھی،
یہ اللہ کا بڑا کرم تھا، اس نے دل ہی دل میں خدا کا
ذمہ داری ڈھیر شکر ادا کیا تھا۔

☆☆☆

دو پہر کا سورج سر پر تکا کھڑا تھا، موسم بدل
رہا تھا، اب دو پہر کی گرمی ہوئے لگی تھیں، دھوپ
میں بیٹھا نہیں جاتا تھا، سایہ دار درخت اور
ٹھنڈے کمرے ایسے لگتے تھے، وانیہ کے دل
کا موسم مگر ویسا ہی تھا، نہ بدلا تھا نہ بدلنے والا تھا،
اماں آج صبح کی لپائی کر رہی تھی، اس نے گوبر اور
منی ملا کر گوندھ رکھی تھی اور اب بڑی پھرتی سے
صحن کی لپائی کر رہی تھی، وہ درھیک کے درخت
کے نیچے بھی چار پانی پر پلٹی تھی اور درھیک پر
چھدنے والی چڑیوں کو یونہی تک رہی تھی جنہوں
نے شور مچا رکھا تھا، اس گھر میں بس اب انہی کی
آوازیں آیا کرتی تھیں یا پھر اماں سے ملنے کے
لئے آنے جانے والیوں کی۔

وانیہ نے توب سینے ہوئے تھے، ہاں بس
آنکھیں نہیں جو ادھر ادھر دیکھتی رہتی تھیں۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی، وانیہ اور اماں
دونوں اپنی اپنی جگہ چونک پڑی تھیں، دن میں
صحن کے دروازے کی کنڈی بھی نہ لگی تھی، نہ ہی
گاؤں میں کنڈیاں لگانے کا رواج تھا، جس نے
بھی آنا ہوتا بے دھڑک دروازہ کھول کر چلی آئی
تھی، ہاں البتہ آدمیوں کے لئے اتنی چھوٹ نہیں
تھی، اول محلے کے کسی آدمی کو اماں سے کوئی کام

☆☆☆

دو پہر کا سورج سر پر تکا کھڑا تھا، موسم بدل
رہا تھا، اب دو پہر کی گرمی ہوئے لگی تھیں، دھوپ
میں بیٹھا نہیں جاتا تھا، سایہ دار درخت اور
ٹھنڈے کمرے ایسے لگتے تھے، وانیہ کے دل
کا موسم مگر ویسا ہی تھا، نہ بدلا تھا نہ بدلنے والا تھا،
اماں آج صبح کی لپائی کر رہی تھی، اس نے گوبر اور
منی ملا کر گوندھ رکھی تھی اور اب بڑی پھرتی سے
صحن کی لپائی کر رہی تھی، وہ درھیک کے درخت
کے نیچے بھی چار پانی پر پلٹی تھی اور درھیک پر
چھدنے والی چڑیوں کو یونہی تک رہی تھی جنہوں
نے شور مچا رکھا تھا، اس گھر میں بس اب انہی کی
آوازیں آیا کرتی تھیں یا پھر اماں سے ملنے کے
لئے آنے جانے والیوں کی۔

وانیہ نے توب سینے ہوئے تھے، ہاں بس
آنکھیں نہیں جو ادھر ادھر دیکھتی رہتی تھیں۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی، وانیہ اور اماں
دونوں اپنی اپنی جگہ چونک پڑی تھیں، دن میں
صحن کے دروازے کی کنڈی بھی نہ لگی تھی، نہ ہی
گاؤں میں کنڈیاں لگانے کا رواج تھا، جس نے
بھی آنا ہوتا بے دھڑک دروازہ کھول کر چلی آئی
تھی، ہاں البتہ آدمیوں کے لئے اتنی چھوٹ نہیں
تھی، اول محلے کے کسی آدمی کو اماں سے کوئی کام

☆☆☆

دو پہر کا سورج سر پر تکا کھڑا تھا، موسم بدل
رہا تھا، اب دو پہر کی گرمی ہوئے لگی تھیں، دھوپ
میں بیٹھا نہیں جاتا تھا، سایہ دار درخت اور
ٹھنڈے کمرے ایسے لگتے تھے، وانیہ کے دل
کا موسم مگر ویسا ہی تھا، نہ بدلا تھا نہ بدلنے والا تھا،
اماں آج صبح کی لپائی کر رہی تھی، اس نے گوبر اور
منی ملا کر گوندھ رکھی تھی اور اب بڑی پھرتی سے
صحن کی لپائی کر رہی تھی، وہ درھیک کے درخت
کے نیچے بھی چار پانی پر پلٹی تھی اور درھیک پر
چھدنے والی چڑیوں کو یونہی تک رہی تھی جنہوں
نے شور مچا رکھا تھا، اس گھر میں بس اب انہی کی
آوازیں آیا کرتی تھیں یا پھر اماں سے ملنے کے
لئے آنے جانے والیوں کی۔

وانیہ نے توب سینے ہوئے تھے، ہاں بس
آنکھیں نہیں جو ادھر ادھر دیکھتی رہتی تھیں۔

دروازے پر دستک ہوئی تھی، وانیہ اور اماں
دونوں اپنی اپنی جگہ چونک پڑی تھیں، دن میں
صحن کے دروازے کی کنڈی بھی نہ لگی تھی، نہ ہی
گاؤں میں کنڈیاں لگانے کا رواج تھا، جس نے
بھی آنا ہوتا بے دھڑک دروازہ کھول کر چلی آئی
تھی، ہاں البتہ آدمیوں کے لئے اتنی چھوٹ نہیں
تھی، اول محلے کے کسی آدمی کو اماں سے کوئی کام

ہو تو وہ ان کے ہاں کھڑے ہو کر اونچے آدھے مال کو لے لیا جاتا تھا۔ پھر یہ بڑے دینے والا کون تھا، اماں نے پاس رکھی پائی کی پائی میں ہاتھ دھوئے تھے اور دروازے کی طرف چلی آئی تھی۔

”یہ سوچ کا گھر ہے۔“ آواز ڈاکٹر زین کی تھی، وانہ نے لینے لینے یہ آواز پہچان لی تھی، وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ چارپائی سے اٹھی تھی اور دروازے پر جا پہنچی تھی۔

”زین تم۔“ اماں بھی ابھی بس سر ہی ہلا سکی تھی کہ یہ سوچ کا گھر ہے اور وانہ نے دروازہ چوہٹ کھول کر زین کو پکارا تھا۔

”ہاں میں۔“ آواز اندر، باہر کیوں کھڑے ہوئے۔ باہر بس ہی گاڑی کھڑی تھی، اماں اتنا تو جان گئی تھی کہ یہ بہو کا کوئی رشتہ دار ہے، اس لئے ایک طرف کھڑی ہو گئی تھی۔

”وانہ میرے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔“ زین نے وانہ کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

”ہاں تو لے آؤ نا اندر جو کوئی بھی ہے۔“ وہ بے دھیانی میں بولی تھی۔

”وانہ تمہیں پتہ ہے میرے ساتھ یہاں تک کون آیا ہے۔“ اب کے زین کے لہجے میں کچھ تھا کہ وانہ بھی چوکی تھی۔

”کون ہے تمہارے ساتھ؟“ اتنے میں گاڑی کے دروازے کھلے تھے اور سیٹھ عماد اور شیریں ایک ساتھ باہر نکلے تھے۔

”کی ڈیڈی۔“ وانہ کو تو لگا تھا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے، وہ جن کی امید بھی چھوڑ چکی تھی، جن کے لئے اتنی دعائیں مانگتی تھیں کہ اب مایوس ہو چلی تھی کہ زندگی میں ان مہربان صورتوں نے دوبارہ نظر نہیں آتا۔

”مچی ڈیڈی۔“ وہ بھاگی تھی کہ اس نے سنیے میں اس سال کی سواری کی چابی بھی رکھ لی تھی، شیریں نے بھائی کے بارے میں خبر لے کر تھا اور چوہے جاری تھیں، پھر وہ عماد کے سینے سے جا لگی تھی، آٹسو تھے کہ سینے چلے جا رہے تھے، دوسری طرف اماں گنگ گھڑی تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا تھا، انہیں تو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

”وانہ یہ تم نے کیا حال بنایا ہوا ہے۔“ شیریں اور عماد بیٹی کو دیکھ کر حیران رہ گئے تھے، سوکھا سراج، بے رونق چہرہ، الجھے کھجے، بال حلقوں بھری آنکھیں، ہر طرف وانہ تو نہیں مانی جو ان کے گھر سے رخصت ہوئی تھی۔

”اندر آئیے نا۔“ وانہ کا شرمندگی کے مارے برا حال تھا کہ وہ اپنے ماں باپ اور زین کا اندر کہاں لے جائے اور کہاں بیٹھے ہو، اسٹینڈرڈ دیکھ رہے تھے، حالانکہ وہ اسٹینڈرڈ نہیں تھا وہ اس کی غلطی تھی، ایسی غلطی تھی کہ وہ دوبارہ کر بھی نہ دھراتا چاہتی تھی۔

”ہم تمہیں لینے آئے ہیں تمہارے ساتھ۔“ چلو ہم اندر نہیں آئیں گے۔ شیریں نے کہا تھا۔

اور وہ ماں کے گھر سے میں سامنے ہوئے گاڑی کی سمت چلے گئی تھی۔

”میں اپنے مچی ڈیڈی کے ساتھ جا رہی ہوں۔“ اس نے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اماں کی طرف منہ کر کے کہا تھا اور وہ سب گاڑی میں جا بیٹھے تھے، اس سے پہلے کہ اماں کو کچھ کہنے کا موقع ملتا گاڑی فرار کے جھرتے ہوئے چلی گئی تھی، آہستہ آہستہ محلے کی سب گھومیں اور پہنچے جو در سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اماں کے پاس اٹھنے ہونے لگے تھے، آخر یہ ماجرا کیا تھا، وہ بھی جانتا ضروری تھا۔

☆☆☆

”ابنی بیٹی کو لے جاؤ آکر۔“ ایک دن یاشر نے چٹکی مار کر کہا تھا۔

”میں نہیں کہہ رہی ہوں۔“ یاشر کو اس نے نہیں کہہ وہ تمہاری اولاد ہے اور تم اسے اپنے سے جدا کرنا چاہتی ہو۔“ یاشر کو حیرت ہو رہی تھی کہ بچی نے کیسے اتنی بڑی بات کہہ دی۔

”میں اگر ماں ہو تو تم بھی تو باپ ہو اس کے، تمہارا بھی کچھ فرض ہے کہ نہیں، ویسے بھی میں اور میکس جلد ہی شادی کر رہے ہیں اور وہ نہیں جانتا کہ میں اپنی پرانی محبت کی کوئی یاد اپنے ساتھ رکھوں۔“

”ارے، میں جلد ہی آؤں گا تمہارے پاس ابنی بیٹی کو لینے کے لئے۔“ یاشر کو احساس ہوا تھا کہ بچی کو کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ وہ ان باؤں میں سے نہیں تھی جو اپنے بچوں کی خاطر اپنی زندگیاں تباہ کر دیتی ہیں۔

”میں نے سنا ہے وہ بی جا رہے ہو۔“ ماما نے سنا تو یاشر سے پوچھا تھا۔

”ہاں ٹھیک سنا ہے آپ نے۔“

”ابنی بیٹی کو لینے، چٹکی نے کہا ہے وہ اسے نہیں رکھ سکتی اس لئے میں اسے لینے جا رہا ہوں۔“

”واہ دادو دیتی ہوں تمہارے انتخاب کی، نہ تو وہ لڑکی اچھی بیوی ثابت ہو سکی اور نہ ہی اچھی ماں، وہ کس دل سے اپنی بیٹی کو تمہیں دے گی کوئی بھی ماں اتنا برا دم نہیں اٹھا سکتی۔“

”بس یہ دنیا ہے نا یہاں ہر قسم کی مائیں ہوتی ہیں۔“ یاشر نے ماں پر چوٹ کی تھی، وہ نظریں چرا کر میز پرین بڑھنے لگی تھیں۔

”یاشر اپنی بیٹی کو چٹکی کی ضد کی نظر نہیں کر سکتا تھا، اس لئے وہ بی جانے کا انتظام کرنے لگا تھا۔“

”میں اس کے پاس جوائے۔“ اور اسے یہ کہیں سے کلاس میں بٹھا کر ساتھ لے گئے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا، وہ تو اندر ہی نہیں آئے اور وہ بھی جیسے تیار بیٹھی تھی، ان کے ساتھ یہ جاوہ جا، مجھے تو اس نے پوچھا بھی گوارا نہیں کیا۔“ گاڑی کی دھول بھی اچھی نہ چھنی تھی کہ اماں لپک کر اندر آئی تھی اور سوچ کا گھر ملایا تھا۔

”اماں کیا کہہ رہی ہو۔“ سوچ کا اماں کی بات کا ایک لفظ بھی لے نہیں پڑا تھا۔

”ہاں کچ کہہ رہی ہوں۔“

”یہ اچانک ماں باپ کہاں سے آگ آئے پہلے تو ایسے تھے کہ جیسے زمین کھا لی یا آسمان نکل گیا کچھ پتہ نہ چلتا تھا، بیٹی کو ایسے دس نکالا دیا تھا کہ کوئی دکن کو بھی نہ دیتا ہوگا اور اب یہ اچانک آگئے۔“

”مجھے تو لگتا ہے کہ لڑکا نہیں لے کر آیا تھا شاید۔“

”اچھا چلو تم فون رکھو، میں اس اتوار کو آؤں گا تو دیکھ لوں گا کہ یہ ماجرا کیا ہے۔“

”مگر میں گاؤں والوں کو کیا بتاؤں، سب مجھے سے پوچھ رہے ہیں۔“

”ارے وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ گئی ہے بس یہی بتاؤ نا، اس میں اتنا پریشان ہونے والی کون سی بات ہے۔“ سوچ نے اماں کی آدمی ادھوری سن کر فون بند کر دیا تھا۔

”ارے میں جس سونے کی چڑیا کو مٹی کی چڑیا سمجھ بیٹھا تھا، وہ تو ایک بار پھر سونے کے اٹھ دینے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔“ فون بند کرنے کے بعد سوچ کے شاطر ذہن نے سوچ لیا تھا کہ اب وانہ سے دوبارہ رابطہ کرنا ہے کیونکہ اس کے ماں باپ کا وانہ سے ملنے اور اسے ساتھ لے

جانے کا ایک ہی مطلب ہے کہ انہوں نے اپنی
جی کی ساری غلطی معاف کر دی ہے اور اب جو
کچھ بھی ان کا ہے وہ ان کی بیٹی کا ہے اور جوان کی
بیٹی کا ہے وہ موجد کا ہے۔

موجد نے دانیہ کا نمبر ملایا اور شاید بڑے
دوں بعد نہیں بلکہ مہینوں بعد اس نے اپنے نمبر
سے دانیہ سے بات کرنے کے لئے اس کا نمبر
ڈائل کیا تھا، بتل جاتی رہی تھی، جاتی رہی تھی، مگر
آگے سے کال انیڈ نہ ہوتی تھی۔

”ہوں لگتا ہے کام کچھ زیادہ ہی خراب ہو
گیا ہے۔“ وہ کچھ سوچتے ہوئے زیر لب بڑبڑایا
تھا۔

”مگر دانیہ نیگم کو تو مجھ سے محبت ہے نا، محبت
جو بڑے بڑوں کو پانی کر دیتی ہے، پھر دانیہ نیگم کا
دل کیسے نہ پھلے گا۔“

☆☆☆

دانیہ آج بڑے دوں بعد وہ ماں کے وجود
سے لپٹ کر سوئی تھی اور اس کی پرسکون نیند سوئی تھی
کہ نیند کی گولیوں سے بھی کیا نیند آتی ہوگی، وہ
ساداراستہ ماما بابا سے معافی مانگتی آئی تھی اور زین
کا شکریہ ادا کرتے نہ تھی مگر جسے خدا پاک نے
اس کے لئے رحمت کا فرشتہ بنا کر بھیجا تھا جس
نے اس کے ماں باپ کو اس سے ملایا تھا۔

”پاپا مجھے احساس ہو گیا ہے کہ ماں باپ
بچوں کے لئے جو سوچتے ہیں یا جو کرتے ہیں سو
فیصد درست کرتے ہیں اولاد مگر بھی ویسا نہیں
سوچ سکتی۔“ اپنے گھر میں پہلا قدم رکھنے سے
پہلے اس نے پاپا سے کہا تھا۔

”شکر ہے تمہیں اتنا تو پتہ چل گیا۔“ انہوں
نے بھی گاڑی سے اترتے ہوئے اس کا سر تھپکا
تھا۔

”دانیہ!“ اس کی آنکھیں ہی نہیں کھل رہی

اسے پکارا تھا۔

”ماما سونے دیں نا۔“ اس نے پھر کروٹ
بدلی تھی۔

”بیٹا اٹھو ناشتہ نہیں کرتا کیا، میں نے خود
اپنے ہاتھوں سے تمہارے لئے ناشتہ بنایا ہے۔“
”ماما..... ماما جانی آپ کیوں کر رہی ہیں یہ
سب میرے لئے، میں آپ کی اتنی جھڑپوں کی
مستحق نہیں ہوں۔“

”کریں بس نفرت۔“

”پاپا تمہارے ساتھ ہم نے نفرت کی
تھی جب تمہیں گھر سے نکالا تھا اور جبکہ ہم اس
گھر اور اس گھر کو چھوڑ کر گئے تھے مگر یہ جو اولاد کا
رشتہ ہوتا ہے نا بڑا عجیب رشتہ ہوتا ہے، ہم زیادہ
دیر تک اس نفرت کو قائم نہیں رکھ سکے، میں دن
رات تمہارے لئے روئی تھی اور میری حالت
دیکھ کر تمہارے پاپا کا دل بھی پھیل گیا اور اب
جبکہ ہمیں اس حال میں مل رہا ہے تو دانیہ

کا خیال بھی دل سے نکل گیا۔ پاپا کا
دل دکھاتا ہے اللہ پاک اسے کسی خوش نہیں رکھا
اور تم بھی اس کے ساتھ کیسے خوش رہ کر تھی،
تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہمارے لئے اتنا
ہی بہت ہے۔“ ماما رو رہی تھیں اور وہ بھی ان کے
دوں ہاتھ تھام کر آنسو بہا رہی تھی۔

”تم نے دیکھا کہ تمہارا انتخاب کتنا غلط تھا،
جب تک تم امیر باپ کی بیٹی تھی، دوں ہاتھوں
سے دولت اس پر لٹاتی رہی تب تک وہ بھی تمہاری
محبت کا دم بھرتا رہا اور جب تم خالی ہاتھ ہو گئی
تمہارے آگے پیچھے کوئی نہ رہا تو اس نے تمہیں
لاوارثوں کی طرح گاؤں میں اپنی ماں کے پاس
تمہیں پھینک دیا۔“

”ماما بس کریں، مجھے اور شرمندہ نہ کریں،

”ہوں۔“

”سب باتیں میں تمہیں شرمندہ کرنے
کے لئے نہیں کہہ رہی ہوں، یہ حقیقت ہے جو میں
تمہیں بتا رہی ہوں۔“

”ماما کیا بات تو بتائیں۔“

”پاپا پوچھو۔“

”تو پھر کیا اس دنیا میں محبت کا وجود کہیں
ہے؟ اس محبت کا جس کے پیچھے میں نے اپنا
بچہ ڈال دیا۔“

”جسے میں نہیں ہے، تمہیں اس سے محبت
ضروری کراس کر نہیں سکتی۔“

”اب یہ ضروری تو نہیں ہوتا کہ محبت کے
بدلے میں اور وفا کے بدلے وفا ہی ملے۔“

”چلو اب اٹھو اور باہر آ جاؤ، کب سے
کمرے میں بند پڑی ہو۔“ انہوں نے اٹھ کر اس
کے کمرے کے پردے سمیٹتے تھے، سورج کی تیز

کیرنیں اس کے کمرے میں پھیل گئی تھی، یوں جیسے
A HOME OF THE UNLIVED

اور میری رات کے بعد دن نکل آئے، وہ اسے
کھتے ہوئے باہر نکل گئی تھیں، اتنے میں دانیہ کا
ہاں بچے لگا تھا، اس نے اٹھا کر دیکھا تو موجد

کاٹک کے الفاظ جھلک جھلک کر رہے تھے۔

”اور تو تم کب خبر پہنچ گئی کہ میرے وارثوں
نے مجھے تمہارے گھر سے اٹھا کر دوبارہ اپنے محل
کا رشتہ بنالیا ہے، اب جتنی مرضی دستک دے
میرے گھر کا اور دل کا دروازہ تمہارے لئے
نہیں کھلے گا، مشر موجد بھی نہیں۔“ وہ فون یونہی

بجھا پھوڑ کر باہر نکل گئی تھی۔

”ناشتہ کر لو پھر ہمیں ایک سائیکلائٹر سٹ کے
رہا ہے، وہ ہمیں لینے آتا ہوگا۔“

”ہاں ہی جانا ہے، زین نے گیارہ بجے کا ٹائم لے
رہا ہے، وہ ہمیں لینے آتا ہوگا۔“

”کیوں؟“

”وہ میرا ایک ضروری ٹیٹ ہے، مجھے اس
کی تیاری کرنی ہے۔“ اس نے بہانہ بنایا تھا، جبکہ

”یہ جو تمہیں Panic attacks پڑتے ہیں، ان کے لئے تمہارا علاج بہت ضروری ہے،
بس تم تیار ہو جاؤ، وہ خاموشی سے تیار ہونے
چل دی گئی، دماغ ابھی بھی ایسے کھوسا تھا کہ جیسے
کوئی ڈراؤنی فلم چلتی ہے، اس سب سے وہ بھی
بچتا جا رہی تھی اور اس کا علاج ایک سائیکلائٹر سٹ
ہی کر سکتا تھا۔

☆☆☆

”مومو آئی آج آپ لوگ ڈنر ہمارے
ساتھ کریں گے۔“ یاشر دوپٹی سے واپس آ گیا تھا،
اس نے آتے ہی مریم کو کال کی تھی۔

”خیریت، یہ اچانک ڈنر کا پروگرام کیوں
بن گیا تمہارا۔“

”بس کوئی سوال نہیں، آپ نے آنا ہے۔“
وہ بولا تھا۔

”اکیس۔“

”نہیں اپنی فیملی کے ساتھ۔“

”پھر تو کوئی سر پرانزی ہی لگتا ہے۔“

”ہاں سر پرانزی ہی ہے۔“ یاشر نے فون بند
کر دیا تھا، ورنہ مومو آئی فون پر ہی سب اگھوا
لیتیں۔

”ہم بھی جائیں گے ماما کے ساتھ۔“ گزیا
تو ہر وقت مومو کے ساتھ جانے کے لئے نہیں بھی
تیار رہتی تھی، اس وقت بھی جانے کا سنا تو خوشی
سے اچھل پڑی تھی۔

”مگر میں نہیں جاؤں گا بابا۔“ سنی منجیدہ سا
چہرہ لے کر بابا کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

”کیوں؟“

”وہ میرا ایک ضروری ٹیٹ ہے، مجھے اس
کی تیاری کرنی ہے۔“ اس نے بہانہ بنایا تھا، جبکہ

”کیوں؟“

”وہ میرا ایک ضروری ٹیٹ ہے، مجھے اس
کی تیاری کرنی ہے۔“ اس نے بہانہ بنایا تھا، جبکہ

”کیوں؟“

”وہ میرا ایک ضروری ٹیٹ ہے، مجھے اس
کی تیاری کرنی ہے۔“ اس نے بہانہ بنایا تھا، جبکہ

”آپ کو کس کے ہمراہی میں ڈال دیا تھا، اس کے لئے اچھی بات ضرور کہا تھا۔“

”تو پھر دیر کس بات کی ہے، سب اشوار چنچ کر ابھی چلے ہیں۔“

”ہرا۔“ مٹی نے نعرہ لگایا تھا اور سب سے پہلے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگا تھا، مٹی میں بھی آپ کا تبدیلی آئی تھی، مریم نے جب سے بچوں کو نام اور توجہ دینا شروع کی تھی، بچے بھی کافی پر اعتماد ہو گئے تھے، مٹی جو مریم کے روپے سے ہر وقت تنگید کا لبادہ اوڑھے رکھتا تھا وہ بھی اپنے خول سے باہر آ رہا تھا۔

”جنگ صلبہ آپ بھی تیار ہو جائیں۔“ منصور نے مریم کو آرام سے بیٹھے دیکھا تو کہا تھا۔

”میں تو تمہیں تیار ہی ہوں، اب تین بچوں کی اماں جان کو کون دیکھے گا۔“ مریم نے شرارت سے پکڑوں کی سلوٹیں درست کرتے ہوئے کہا تھا۔

”ارے ہم دیکھیں گے اور کون دیکھے گا۔“ منصور نے پاس آ کر مریم کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

”آپ کو تو موقع چاہیے ایسی باتوں کا۔“ مریم ان سے ہاتھ چمڑا کر اٹھ بیٹھی تھی، پیچھے منصور کے قہقہے نے اس کے قدموں کو زنجیر کیا تھا۔

☆☆☆

”تم ابھی تک تیار ہیں ہوئیں، زین انظار کر رہا ہوگا۔“ آج زین کی گینچ منٹ کا کنکشن تھا، اس کی شادی اس کی کوئی ڈاکٹر زارا سے ہونامی، اس نے بطور خاص اپنی دوست اور سب کو بلایا تھا، شیریں تیار ہو کر وانیہ کو دیکھنے آئی تھیں۔

”ہاں ماما تیار ہونے لگی ہوں۔“

”بیٹا جلدی کر دنا، ہم آل ریڈی لیٹ ہو

رہے ہیں۔“

”اچھا سا تیار ہوتا۔“ شیریں اسے ہدایت دے کر باہر چلی گئی تھیں۔

موحد نے اسے خود سے طلاق نہیں دینی تھی اس لئے وانیہ کے وکیل نے اسے خلع کے کاغذات بھجوا دیئے تھے، ان لوگوں کو یقین تھا کہ اب اس لالچی انسان سے ان کی جان چھوٹ جائے گی، وانیہ نے ٹینشن ضروری ہی کمر اتارنا کہ نہیں ہوا تھا جتنا بھی وہ موحد سے ملتا رہا سوچتی تو اسے ہوتا تھا۔

”ماشاء اللہ۔“ وہ تیار ہو کر نیچے آئی تو ماہ نے بے اختیار اسے دیکھ کر کہا تھا۔

بڑی مشکل سے تو وہ اپنے قدموں پر آئی تھی، ورنہ موحد نے اس کا رنگ دروب ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

”چلو چلو جلدی کرو، بہت دیر ہو گئی ہے۔“

عماد صاحب نے ان سے کہا تھا اور تینوں کے پیچھے باہر نکل گئے تھے۔

ڈاکٹر زین نے آگے بڑھ کر ان کا استقبال کیا تھا اور اپنی پیاری سی دوست کا ہاتھ پکڑ کر بڑی مشکل سے زندگی کی طرف واپس آ رہی تھی، اس پر لے گیا تھا جہاں ڈاکٹر زارا بیٹھی تھی اور بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

”وانیہ عماد۔“ زین نے زارا سے اس کا تعارف کروایا تھا حالانکہ ان کا سابقہ تعارف تو بہت تھا۔

”ہیلو۔“ زارا نے اپنا ستائی ہاتھ آگے کیا تھا، جسے وانیہ نے بڑے پیار سے تھاما تھا۔

”زارا آپ بہت خوش قسمت ہیں جنہیں اتنے پیارے شخص کا ساتھ مل رہا ہے۔“



”تو کیا ڈاکٹر زین خوش قسمت نہیں کہیں؟“ وہ زارا نے بڑی پیاری ہو کر کا ساتھ مل رہا ہے۔“ وہ زارا نے بڑے پیار سے تھاما تھا۔

”میرے تو خیال میں ہم دونوں ہی خوش قسمت ہیں جو ایک دوسرے کے لائف پارٹنر بن رہے ہیں۔“ زین نے بھی خوشی سے ان کی باتوں میں حصہ لیا تھا۔

تو شادی اتنی خوشی اور اتنے بھرپور لوازمات سے بھی ہوئی ہے، اسے اپنا اور موحد کا وقت یاد آیا ہے، اپنے خیالوں میں اس قدر مگھی کہ مٹے گیسے سانس لے رہے تھے کولڈ ڈریک کا گلاس فاقے ختم سے کھا رہی تھی۔

”اوہ سوری۔“ مشروب اس شخص کے بڑوں پر گر گیا تھا، وہ بیوش دھواں میں آئی تو ”اے اے اے“ کہنے لگی تھی۔

”اے اے اے“ اس نے نشو سے اپنی ٹرٹ صاف کی تھی۔

”میرا دھیان نہیں اور تھا اس لئے میں نے اسے اتنے دیر تک نہیں دیکھا۔“ وہ مندرامت سے بولی تھی۔

”جنگ میں تو آپ کو کافی دیر سے خود میں گم رہا تھا، اس کی بھی کیا خبری کہ بھری محفل میں آپ خود میں گم نہیں، اگر آپ ماسٹر نہ کریں تو اس کی خبری کی وجہ یہ ہے کہ چھپ سکتا ہوں۔“ وہ یاشر طوطی تھا اور اس کے ساتھ اس کی دوسری اتفاقہ ملاقات تھی اور اس دوسری اتفاقہ ملاقات میں اسے پرسنل سوال پوچھ رہا تھا، وانیہ کے ماتھے کی تیرہ پڑھتی تھی۔

”اگر آپ نہیں بتانا چاہتی تو کوئی مسئلہ نہیں مٹانے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔“ وہ اس کے تاثرات دیکھ کر جلدی سے بولا تھا۔

”میرا خیال ہے مجھے چلنا چاہیے۔“ انیہ نے کہا تھا۔

”میں اس فنکشن سے نہیں یہاں سے جانے کو کہہ رہی ہوں۔“

”اوہ میں سمجھا شاید آپ مجھ سے خائف ہو کر اس محفل سے ہی جاری ہیں۔“

”جی نہیں۔“ اب ایسی بھی بات نہیں ”اچھا، مجھے تو ایسی ہی بات لگی تھی۔“ وہ کان کھچتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا، ہاں البتہ پیچھے مڑ کر دو تین بار اسے دیکھتا نہیں بھولا تھا۔

وانیہ اس کی آنکھوں کے تاثرات اور لہجے کا اتنا چڑھاؤ دیکھ بھی رہی تھی اور محسوس بھی کر رہی تھی، مگر اس کے شہر دل کے ہر رائے پر جس بے دفاع شخص کے قدموں کے نشان باقی تھے، انہیں مٹانے میں اور خود سے مٹنے میں ابھی بہت وقت درکار تھا، ابھی پہلی عیت کا تاوان باقی تھا، ایسے میں کسی اور عیت کی گنجائش کہاں سے ملتی، وہ مزمل کر دیکھ رہا تھا اور وانیہ متانت مگر بیچھے ہوئے دل کے ساتھ چلتی ہوئی دوسری طرف مڑ گئی تھی۔

زندگی بہت سے رنگ دکھائی ہے آج نہیں تو کل وانیہ نے بھی خوشیوں کی دستک پر دروازہ کھول ہی دینا ہے اور وہ دستک باشرط کی بھی ہو سکتی تھی، ماضی کے اندھیروں کے چھٹنے کی دیر تھی، شہر دل کو جانے والا راستہ نظر آ ہی جاتا تھا۔

ختم شد

وقت گزرتا جاتا ہے دیکھنے کی دیکھتے سال گزر جاتا ہے اور اس کا اندازہ اس کے دل سے لگتا ہے۔
چادر بچھ جاتی ہے ہمارے چھوٹے بڑے کسی منصوبے آئندہ وقتوں میں آکر بھی بھار ریت کا ذخیرہ
جانتے ہوتے ہیں، اور کئی چھوٹی بڑی امانت چیرانیاں رہ جاتی ہیں جو ننھی ننھی یادوں سے جڑ کر
کروں کا روپ اختیار کر لیتی ہیں، کہانی کل بھی تھی اور آج بھی ہے یہ بھی ذہنوں کے اندر چھپ کر
نہیں بیٹھی۔

اسے یکساں کیا جائے تو اچلتی ہے۔۔۔۔۔

ہاتھ سے چھوٹ جاتی ہے۔۔۔۔۔

پھسلتی ہے۔۔۔۔۔

اور بحر بھول بھلیوں میں کھو جاتی ہے۔۔۔۔۔

آپ اس کے کتے کتے کو پکڑنے کے لئے اس کے ساتھ بھول بھلیوں کا جوتے تک سفر نہیں
کرتے تب تک یہ مہربان نہیں ہوتی یہ بس ایسی ہی عجیب ہی ہے۔

مگر جاتے جاتے ہر کہانی اپنے رائے سے بہت کچھ لے کر اور اسے بہت کچھ دے کر جاتی ہے
ہے "اک جہاں اور ہے" لکھنے کا تجربہ میرا کیسا رہا میں صرف اتنا کہوں گی کہ اس کہانی نے مجھے
یاد میں لے اسے جہاں اب تک میں اس کے کرداروں کی مانوسیت سے جڑی ہوں ہو سکتا ہے کسی حد
تک آپ بھی جڑے ہوئے ہوں۔

اور اب یہ۔۔۔۔۔

کہانی۔۔۔۔۔

عشق امیر۔۔۔۔۔

آپ کے ہاتھوں میں ہے۔۔۔۔۔

عشق امیر کیا ہے اور یہ میں نے کیوں لکھا اس کی ایک بہت بڑی وجہ ہے جس نے اسے لکھنے
کے لئے مجھے سالوں انتظار کروایا ہے اس کی وجہ اگر میں نباہ سکی۔

تو آخری قسط کے بعد ضرور بتاؤں گی۔۔۔۔۔

تب تک ہمارا ساتھ جتنا ہے۔۔۔۔۔

جیسا ہے۔۔۔۔۔

آپ کی نظر ہے۔۔۔۔۔

حسانے مجھے ہمیشہ محبت سے بلایا ہے۔۔۔۔۔

خدا کرے اس بار بھی میں اس محبت کا کچھ فیصد ہی حق ادا کر سکوں، قوی امید کے ساتھ۔

زندگی بخیر
سدرۃ المنتہی جیلانی

URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

تاریخ تھیں۔
مہینہ یکارہواں۔
2016ء سال

میں نے آج پھر سے ڈائری لکنا شروع کی ہے، وہ کوشش جو کئی بار کرنے کے باوجود بھی ناکام ہو گیا ہو مجھے مافی میں جھانکنا پسند نہیں ہیں مگر وہ سب جو ہم محسوس کرتے ہیں اسے لکھ دینا مشکل لگتا ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمارے سوچنے کی رفتار لکھنے کی رفتار سے زیادہ تیز ہوتی ہے ہم لوگوں میں سوچ کا عمل تیز کر دیتے ہیں جبکہ عملی طور پر ایک عمل کو تیز کرنے کے لئے ایسٹ ایمنٹ جوڑنی پڑتی ہے تب جا کر گھر بنتا ہے، اور ایسے عمل آباد کرنے کا خیال ہی جا رہا تھا ہے۔

دوسری یہ بھی وجہ ہے کہ میں بہر حال فکرا ہونے کے باوجود بیحد ہوش و مشاعرہ ہوں۔ سارا ہوش و معذرت کے ساتھ لکھا رہی تھی مجھے نہیں ہوں ایک فکرا ہونے کے نالے میں ان لکھا رہی تھی کی قدر ضرور کرتا ہوں جو رانی سے پہاڑ بنا لیتے ہیں مگر وہ فضول کام میں ہرگز نہیں کر سکتا اب آخر اس بد دماغ لڑکی کو یہ کون سمجھائے کہ اپنا کاشی اسے دکھانے کے لئے میں اتنا لبا لبا نہیں پاؤں کہ وہ بھی اس عمر میں جب میری عمر تینچ کر رہی ہے، اب میں تو اتنا لکھ کر رہی تھی کیا؟ منظر بدل چکا تھا، مہانی نے کئی کے کناروں پر چڑھ ڈال دیے تھے مہاجر ہونے کے دور میں کی طرف اڑان بھرتے ہوئے ٹولیوں میں جا رہے تھے۔ غلط آسمان کے نیچے کالے کبوتروں کی چٹکارا تھیں اور مہانی سلیمت نے چھائی سالہ پرانی کشتی میں چڑھ کر کھڑے کرنے کے بعد اسے پانی کی لہروں دھکیلتا شروع کر دیا تھا اور یہ کشتی جو چلنے کے نام پر بیچ رہی تھی، یہ کشتی کی بنیادی طور پر ایک تار کے ذریعے چلتی تھی جبکہ اس وقت سرے پر کھڑے ہو کر تار کے ذریعے کی کشتی کی بنیادی طور پر ایک تار کے سلیمت کو یاد آیا بھی وہ بھی یہ کام بھی کر لیا کرتی تھی اور اس کی چھو ساس تو اس کام کی ماہر ہوتی تھی سیدوں کے گھرانے کی نوکرائیاں بھی مہانیوں کے زور پالوں کی ٹولیاں کی مثالیں دیتے نہ تھیں اور اب یہ حال مہا کے مرنے کے بعد جب سے دیوار کا پتلا قید ہوا تھا مہانی کے گھر کی عورتوں نے ایک بار پھر سے گھنٹے ٹیک دیئے تھے البتہ بار تو اب تک نہیں آئی تھی میں گھر مند نیٹھی تریسٹھ سال کی پوچھا آسانی پرندوں کی اڑان دیکھ رہی تھی اسے مہراب خاتون کہا جاتا تھا۔ مہراب خاتون پچھلے چند سالوں میں کچھ زیادہ ہی بڑی بوڑھی دکھنے لگی تھی اب اس کی عمر کے سال آگے کی آنکھیں بھی چندے چھائی ہوئی اور اسی انداز میں چندھائی ہوئی آنکھوں سے مہراب خاتون نے دیکھا پرندے سیدوں کی حویلی کے اونچے روشن دان بیناروں کے اوپر سے گزرتے ہوئے کہیں نظر سے اوجھل ہو رہے تھے یہ مہاجر پرندوں کو آزادی کا پروانہ تھا اور جو بیچروں میں رہ گئے ان کی آنکھوں کی نمی خود انہوں نے ہی محسوس کی کہ کوئی آئینہ نہ تھا نہ ہی آئینہ گریا پھر یہ کہ تمام آئینے صرف انسانوں کی صورتوں کا ہی مذاق اڑانے کے لئے بنے تھے تب بھی خوش تھے آئینے خوش تھے کہ وہ انسان کی صورتوں کے درپے ہو گئے اور آئینہ ساز خوش تھے کہ ان کی مہارت نے

میں کو آنکھ دی دیکھنے کی اور آئینوں میں جھانکنے والوں کے زانوؤں کے پستوں ہی رچے اور اب یہ بھی اس کی ایک مثال ہے کہ آواز دہن میں سے ایک مہانی کو یہ سب اسی طرح پتہ تھا وہ جو ذات کی مہانی تھی جس کا نام نیل تھا عمر اس کی چوبیس سال تھی اور ماں کی نظریہ وہ بوڑھی ہو رہی تھی اور شادی کے امکانات مفقود تھے نیل جو مہراب خاتون کے شوہر کی بیٹی کی وہ سلیمت کی بیٹی تھی جو بڑھتی عمر کے ساتھ سلیمت کی فکر میں اٹھانے کا باعث تھی نیل مہراب خاتون کے شوہر کی کٹی بیٹی تھی جو اسے ہمیشہ پسند رہی تھی مہراب خاتون نے چشمہ تصور سے کٹی بار سے سارنگ کی دوہن بننے دیکھا تھا اور بہت اچھا محسوس کیا تھا اور اس وقت بھی جب نیل اس کے سامنے چھوٹتی رہی تھی تو اس کو دیکھ کر جب چشمہ تصور میں سارنگ حسین کا مایوس چہرہ دیکھا تو مہراب خاتون مایوس ہو گئی ایک ماں مایوس ہو گئی تھی۔

اور نیل پرندوں کی چھپائی ٹولیوں کی آوازوں کو سامتوں سے دور جاتے ہوئے نہ رہی تھی اور اب یہ تھا مہاجر پرندوں کی آزادی کا کام سوائے رباعی کے اور کون بھلا کر سکتا تھا۔

بی بی رباعی
سید زانی

مہراج کی اتھری جیسے اتھرائی ہوئی گھوڑی ہوتی ہے جو باوجود لگام کے غرائی ہے، نہنہائی ہے رباعی کی ایسے سوال کرتی ہے ایسا کیوں؟ یہ نہیں چھوٹی کہ کس کی خاطر کس کے لئے؟ اور کس کی وجہ سے؟

رباعی کو بس کیوں سے مطلب ہے۔
مہانی نیل کو پتہ تھا کہ سیدوں کی حویلی نے اپنا تیسرا باغی پیدا کر دیا ہے، حویلی کا سرخ رنگی مہاجر پرندوں کی دھندلاہٹوں میں میلا میلا لگا لگا تھا نیل کی ماں سلیمت نے چھوڑی کو ٹھوکا دیا تھا اور مہراج کو یاد آ رہا تھا وہ نہ دیکھ لگونی مسافر دیورانی کو دریا پار کروا کے مین روڈ پر بھی چھوڑنا ہے مسافر دیورانی مہراب خاتون نے فکر مند سے نہر میں ڈوبتے سورج کے گولے کو دیکھا تھا اور گھبرا گئی۔

”ابھی اس کی بے ساسی نہ لاسکی۔“
”جوان بیٹی کی بے ساسی۔“ سوچتے ہی دل مسوس کر رہ جاتی کڑھنے لگتی، مگر کے کہتی شوہر اس مانی سے لاپتہ تھا لوگ کہتے تھے وہ خون کر کے بھاگ گیا ہے لوگ تو بتتے کچھ کہتے تھے بھونکتا تھا بولی بڑا آقا قوم پرست کہیں کا اس کے ہاں سے کاغذات ملے تھے سرگوشیوں میں راز کہہ دے جاتے اور وہ بس سر قدام کر رہی تھی تب بھی اور ابھی دس سال ہو گئے تھے اس کے لوٹنے کے کوئی امکان باقی نہ تھے تب بھی گھر میں حسین لاہوتی کا ذکر ہوتا تھا مہراب خاتون کے منہ سے ایک بار نکل گیا کہ۔

”اچھا تھا کہ مر جاتا، قبل ہی پڑھوا دیتے۔“
سارنگ نے ماں کو دکھ سے دیکھا بیٹی سندس اٹھ کر چلی گئی کمرے کے اندر سے میں جا کر

یادداشتیں ادھوری رہ جاتی ہیں
(بہت ایک روز نوٹ جاتے ہیں)

بھرے بازار کے صدر دروازے سے آتی مختلف آوازوں میں جیسے کوئی زندگی تھی مجھے ہمیشہ شہر بھری زندگی پسند ہی تھی۔ جب آپ کچھ سوچنا نہیں سہی چاہتے اور سوچتے ہی طے جاتے ہیں جہاں اس قدر شور میں بھی درد کا انداز اپنے اپنے کام میں مصروف ہوا کرتا تھا اس قدر کھٹے ماحول میں اس قدر پیار تھا ہر کوئی ہی من تھا مصروف تھا مجھے لگتا تھا میںیں ہر زندگی جنت لیتی ہے، بازار میں زندگی جی اٹھی ہے یہ جملہ اگر میرا مانی باپ میرا ابا بن لیتا تو شاید مجھے اتار کر کی طرح دیوار میں چٹوای دیتا، ہا ہا۔



مجھے ہنس آ رہی ہے۔
میں اپنے مانی باپ کو تپا کر بننے لگتا ہوں کوئی کہہ سکتا ہے کہ میرے اندر ایک ایسی دھڑکن تھی جس نے جو مختلف ہستی کو جگ کر کے خوش ہوئی ہے میں اندر کے ایک حلافتی ہوں ہاں میں ایک تضاد ہی ہوں، کیونکہ میں نے عشق کیا ہے۔
پر بہات نے منہ مہر چھ کا مڑا ہوا کونہ سیدھا کیا اور ڈائری رکھ دی یہ اس ڈائری کا دوسرا اجڑا گراف تھا اور پر بہات کی سوتی آخری جملے پر جیسے انکسیر کی گئی تھی۔
(کیونکہ میں نے عشق کیا ہے)

یہ دو پیرا گراف انہوں نے ان چند دنوں میں لکھے تھے جس کے چھپنے کی شروعات میں لکھا تھا یادداشتیں ادھوری رہ جاتی ہیں اور بریکٹ میں لکھا تھا بہت ایک روز نوٹ جاتے ہیں ان دو جملوں کو لے کر اس کے ذہن میں گھوڑے دوڑنے لگے مگر سارے ہی دور دور کر رہا تھا اس کی طرف نا کام پلٹتے تھے۔
وہ کسی بھی نتیجے پر پہنچنے میں نا کام تھی سوچنے سے کئی مختلف خیالات ابھرتے تھے ہر ایک خیال اپنے اپنے مدار میں چکر کاٹتا تھا اور اس کا ذہن ان کی مندرجات میں چکر کاٹتا رہتا تھا وہ مزید بے راہ ہو جاتی اسی لئے خود سے کوئی بھی نتیجہ اخذ کرنے سے پہلے وہ ان سے بوجھنا چاہتی تھی حالانکہ یہ بھی اسے معلوم تھا کہ اگر انہوں نے ڈائری اسے دے دی تو اب وہ اس کے سوالوں کے جواب دینے کے لئے فطری رضا مند نہیں ہونگے پھر یہ تو وہ کہہ ہی سکتے تھے کہ تم نے مجھے کس گھلا کام پر لگا دیا ہے۔

وہ ڈائری اپنے بیک میں رکھ کر بیڈ روم سے متصل دوسرے کمرے کی طرف بڑھی جس کا دروازہ بھی اسی کمرے میں اندر کھلتا تھا جسے وہ بطور اسٹوڈیو استعمال کرتے تھے یہ حبیب شاہ کا چھوٹا سا اسٹوڈیو تھا یہ ان کی چھوٹی سی جنت ہے شفیع فاطمہ یہ کہہ کر ہمیشہ کی طرح مسکراتی تھی اور وہ یہ کہتے ہوئے ہنس دیتی کہ۔

”وہ جنت جس کے اندر بت رکھے ہوئے ہیں۔“ اور اس کی بات پر ایک بار انہوں نے کہا

نہیں رہا میں نے کوئی تمہارا ہے کمال تک پہنچ رہے ہیں۔
کون کاٹے گا ہوں میں نے؟ دن ان جوں کے توڑ کر کے ہم
کیا اگر شفیع فاطمہ؟

باپ پر کس کے لئے وکیل جیڑا خود کو زحمت دوگی، ہاں پیر محمود، وہ اگر انہوں کو دیکھ سکتا تو یہ کاہر دھڑکتا مگر انہوں نے کچھ سوچا اپنے اندر کے بتوں کو دیکھ نہیں پایا ماریا بڑی جیتی کتنی تھیں کہ برائیاں ان کے اندر بت بنے ہوئے ہیں میری ماں شاہ بانو نے مجھے بت بتانے دیئے اس کا خیال تھا کہ میں بت بتانے کے دوران خود کو تراش رہا ہوں، سبب یہ کہ ایک دن آگے گا جب مجھے یہ بت دینے ہوئے جب بت ٹوٹے گا تب مجھے پتہ چلے گا، وہ بتوں کے بارے میں بہت کچھ نہیں سمجھتے تھے۔
پیر محمود نے کہا کہ میں نے سب سب سنا سنا چھوڑ دی تھی۔

میں انہوں نے بھی ان کے منہ سے اپنے گھر والوں کا ذکر نہیں سنا بلکہ وہ مجھے یہ بھی حال سے کچھ مجھے پہچانے ہوئے گئے اور انہیں اندازہ ہوا کہ تمام سوالوں سے فراوان نہیں ہے بے زبان سے نہ بھی پوچھیں تو آنکھیں پوچھتی ہیں رویے پوچھتے ہیں افراد و کائنات کی ہیں تھیں سے ہر لہری سوچوں میں پڑ جاتے ہیں اسی لئے ان کے بس کو دروازہ کرنے کے لئے انہوں نے وقتاً فوقتاً گھر والوں کی پھولی موتی بائیں کرنا شروع کیں جن میں جیتی ماں اور ماں شاہ بانو کا ذکر بھی آ جاتا تھا باپ کا نام لینے سے دانستہ گھبراتے تھے بھی غلات اور غلطی میں کبھی نہ جانا ہوا۔
پیر محمود نے منہ سے نکل گیا عنایت شاہ باپ پر یہ کہ ”بڑے سائیں“ بچوں کو صاف ان کی باپ کے ماتھے پر لٹکانا کا اندازہ ہو گیا تھا پھر تھوڑا آگے جا کر وہ بے ساختہ ہی محمود کی خصلتوں کو ذرا مزاج کی بات سے پیر محمود کہنے لگے۔

اور محمود کی فطرت پر جیسے پیر پین کی مہر لگ گئی تھی اسی دن دنوں بچوں کے ذہنوں میں رقم ہو گیا کہ پیر ایسے ہوتے ہیں جیسے یہ ہیں اور محمود کا منہ بن جاتا اس کے بعد جب بھی غصہ یا مذاق کے مواضع ہوتے اسے پیر محمود کہتے ان کی دیکھا دیکھی پر بہات بھی انہیں پیر محمود جیتی ادب پیرانہ زبان سے کہتا تھا محمود اسے ایک آنکھ سے گھورتا اور اگر کئی سے لب کھولتا کاٹ دیتا تھا پہلے پہل بہات کو گھبراتے لگا پھر چھوڑ دیا نظر انداز کرنے لگا، پکی سمجھ کر شفیع کے ساتھ اس کے گفتگوں سے گھبراتے تھے جس کی ایک وجہ شفیع کی نرمی مزاجی اور درگزر کا جذبہ تھا دوسرا وہ دنوں بچپن میں ساتھ کھیلے ساتھ پلے پڑے تھے کچھ عرصے تک ایک دوسرے کے ہم خیال بھی رہے تھے۔

پیر محمود ان کا بڑا بیٹا تھا اس کے بعد شفیع فاطمہ ہی اس سے ڈیڑھ سال چھوٹی اور پھر آٹھ سال کے طویل وقفے کے بعد پر بہات پیدا ہوئی اور پر بہات کی پیدائش کے بعد آسہ بہت پیار رہنے لگیں پر بہات سال بھر کی تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا اور پر بہات کو ان تینوں نے جملے کر بالا قائم اور فاطمہ نے خاصی مدد کی چھوٹی بہن انہیں جیسے کوئی فریال ملی تھی اور جب محمود نرم بھی کم دیش دیا یہی تھا جیسی شفیع تھی، انہیں لگتا تھا پہلے وکالت اور پھر سیاست ان کی بیٹی سے شادی کر کے محمود نے خود کو بقیہ ترجیحات سے فطرت کر دیا تھا اور اپنی سسرالی دنیا میں سستہ ہی جا رہا تھا کم

”شاید“ وہ ذہن پر زور دینے لگی۔
”میرے چھلے ہفتے ہی ملے تھے۔ سنا تھا کہ آپ کو“ انھیں پہلی یادداشتیں آ رہی تھیں
”یہ سنا ہے کہ آپ کی یادداشتیں آ رہی ہیں۔“ وہ ذہن پر زور دینے لگی۔
”تم ٹھیک تو ہو؟“
”مجھے کیا ہونا، میں تو ٹھیک ہوں۔“
”تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی؟“
”میں آپ سے کیا اور کیوں چھپاؤں گی۔“
”اچھا۔“
”اس کے بعد کوئی رابطہ نہیں ہے تمہارا اس کے ساتھ؟“
”نہیں، میرا اس سے رابطہ نہیں ہوا۔“
”شادی تو نہیں ہوئی اس کی ابھی؟“
”میں ایک ہفتے کے اندر شادی؟“ وہ اس بات پر حیران ہوتے ہوئے بے ساختہ ہنس

”ہاں کیا تھا، مگر بہت کچھ نہیں۔ بہت تھکا ہوا تھا۔“ وہ عذر نہیں کرنی تھی پہلی بار اس طرح کہا تھا پہلے تو
”اگر میرے اس کا تو ضرور کروں گی۔“ وہ عذر نہیں کرنی تھی پہلی بار اس طرح کہا تھا پہلے تو
”وہ چوکنے، پھر سکڑنے، ہلکی ہلکی آواز میں۔“ وہ عذر نہیں کرنی تھی پہلی بار اس طرح کہا تھا پہلے تو
”میں کہنے لگا تھا کہ..... اس ادھر سے گئے تو مل کر گئی ہو؟“ وہ عذر نہیں کرنی تھی پہلی بار اس طرح کہا تھا پہلے تو
”نہیں، پہلے ان کے چہرے کی طرف دیکھا پھر نزدیک آئی۔
”بابا میرے اچھے بابا، اسے مکمل کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے، میں آکر کیا لو جسٹ ضرور
ہوں مگر نہ تو میں مصور ہوں، نہ ہی مجسمہ ساز ہوں، میں اسے کیسے مکمل کر سکتی ہوں بھلا، اسے تو آپ
نے ہی مکمل کرنا ہوگا۔“

”میرے بس سے یہ کام نکلا جا رہا ہے پر بہات۔“ یکدم ہی وہ غڑھا ہوا تھا۔
”یہ صرف آپ کی سوچ ہے بابا، فرق صرف اتنا ہے کہ آپ بڑھاپے کو قبول کر رہے ہیں اگر
نہ کریں تو یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“ وہ قریب آئی ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھے تو محسوس ہوا کہ
صرف ہڈیوں پر ماس ہے چڑی ہے وہ افسردہ ہو گئی۔

”بڑھاپا آچکا ہے پر۔“ وہ یکاختہ افسردہ تھے پر بہات کی نظر ان سے گزر کر ہاتھ پر پڑی
اور تک گئی اس نے مجھے کے دھڑکے ہوئے دیکھا اور ہکا بکا رہ گئی، کبھی گئی کہ یہ ان ہی کا مجسمہ تھا چوڑے
سینے کی ہڈیاں جن پر ماس چڑھاپے ہڈیاں بھی جیسے بھر بھری سی ہوں، جیسے کندھے سے یاد آیا ڈاکٹر
نے کہا تھا کہ ان کی ہڈیوں میں ٹیکیم بہت حد تک کم ہو چکا ہے شفیقت بہت فکر مند تھی اُسے دن
دوایاں لے کر آئی انہیں کلینک لے جانی مگر وہ تھے کہ سستے ہی جا رہے تھے پر بہات سوچتی کہ اس
نے اپنے ارد گرد کتنی سزا سزا سالہ عروں کے افراد کو بہتر حالت میں دیکھا تھا انہیں کیا ہو رہا تھا تیزی
سے سستے جا رہے تھے۔

”پر بہات! کیا سوچ رہی ہو۔“ وہ اس کی پریشانی بھانپ گئے تھے۔
”کچھ نہیں بابا، بس سوچ رہی تھی اس مجھے کو کون مکمل کر سکتا ہے؟“
”کون کر سکتا ہے؟“ وہ بے چینی سے پوچھنے لگے۔
”آپ کا اسٹوڈنٹ، احرار خان۔“

”ہاں..... احرار خان..... وہ کر سکتا ہے واقعی میں۔“
”میں نے تو یہ سنا تھا کہ وہ ایک اچھا، اچھا، تجویز ہے، لوں تو جزل بھی ہے۔“
”جزل تو بہت ٹیلیفونڈ اور فنکارانہ صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔“ وہ فوراً بولی تھی۔
”ہاں مگر وہ فی الحال نہیں کر سکتا، اس نے پیشے کے طور پر جب سے صحافت اپنائی ہے مصوری
سے سازی سے دور ہو گیا ہے۔“ وہ خامے افسردہ تھے۔
”اس کا پیشہ آرٹ نہیں مگر اسے مجسمہ سازی سیکھنے میں ایک عرصہ لگے گا احرار کر سکتا ہے۔“ وہ
کے نام پر تھیلی بار چپ تھی۔

یہ جزل نہیں آیا، بہت دن نہیں ہو گئے؟“ وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔
”جزل تو بہت ٹیلیفونڈ اور فنکارانہ صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔“ وہ فوراً بولی تھی۔
”ہاں مگر وہ فی الحال نہیں کر سکتا، اس نے پیشے کے طور پر جب سے صحافت اپنائی ہے مصوری
سے سازی سے دور ہو گیا ہے۔“ وہ خامے افسردہ تھے۔
”اس کا پیشہ آرٹ نہیں مگر اسے مجسمہ سازی سیکھنے میں ایک عرصہ لگے گا احرار کر سکتا ہے۔“ وہ
کے نام پر تھیلی بار چپ تھی۔

”شاید“ وہ ذہن پر زور دینے لگی۔
”میرے چھلے ہفتے ہی ملے تھے۔ سنا تھا کہ آپ کو“ انھیں پہلی یادداشتیں آ رہی تھیں
”یہ سنا ہے کہ آپ کی یادداشتیں آ رہی ہیں۔“ وہ ذہن پر زور دینے لگی۔
”تم ٹھیک تو ہو؟“
”مجھے کیا ہونا، میں تو ٹھیک ہوں۔“
”تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی؟“
”میں آپ سے کیا اور کیوں چھپاؤں گی۔“
”اچھا۔“
”اس کے بعد کوئی رابطہ نہیں ہے تمہارا اس کے ساتھ؟“
”نہیں، میرا اس سے رابطہ نہیں ہوا۔“
”شادی تو نہیں ہوئی اس کی ابھی؟“
”میں ایک ہفتے کے اندر شادی؟“ وہ اس بات پر حیران ہوتے ہوئے بے ساختہ ہنس

”پر بہات! کیا سوچ رہی ہو۔“ وہ اس کی پریشانی بھانپ گئے تھے۔
”کچھ نہیں بابا، بس سوچ رہی تھی اس مجھے کو کون مکمل کر سکتا ہے؟“
”کون کر سکتا ہے؟“ وہ بے چینی سے پوچھنے لگے۔
”آپ کا اسٹوڈنٹ، احرار خان۔“

”ہاں..... احرار خان..... وہ کر سکتا ہے واقعی میں۔“
”میں نے تو یہ سنا تھا کہ وہ ایک اچھا، اچھا، تجویز ہے، لوں تو جزل بھی ہے۔“
”جزل تو بہت ٹیلیفونڈ اور فنکارانہ صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔“ وہ فوراً بولی تھی۔
”ہاں مگر وہ فی الحال نہیں کر سکتا، اس نے پیشے کے طور پر جب سے صحافت اپنائی ہے مصوری
سے سازی سے دور ہو گیا ہے۔“ وہ خامے افسردہ تھے۔
”اس کا پیشہ آرٹ نہیں مگر اسے مجسمہ سازی سیکھنے میں ایک عرصہ لگے گا احرار کر سکتا ہے۔“ وہ
کے نام پر تھیلی بار چپ تھی۔

یہ جزل نہیں آیا، بہت دن نہیں ہو گئے؟“ وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔
”جزل تو بہت ٹیلیفونڈ اور فنکارانہ صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔“ وہ فوراً بولی تھی۔
”ہاں مگر وہ فی الحال نہیں کر سکتا، اس نے پیشے کے طور پر جب سے صحافت اپنائی ہے مصوری
سے سازی سے دور ہو گیا ہے۔“ وہ خامے افسردہ تھے۔
”اس کا پیشہ آرٹ نہیں مگر اسے مجسمہ سازی سیکھنے میں ایک عرصہ لگے گا احرار کر سکتا ہے۔“ وہ
کے نام پر تھیلی بار چپ تھی۔

”شاید“ وہ ذہن پر زور دینے لگی۔
”میرے چھلے ہفتے ہی ملے تھے۔ سنا تھا کہ آپ کو“ انھیں پہلی یادداشتیں آ رہی تھیں
”یہ سنا ہے کہ آپ کی یادداشتیں آ رہی ہیں۔“ وہ ذہن پر زور دینے لگی۔
”تم ٹھیک تو ہو؟“
”مجھے کیا ہونا، میں تو ٹھیک ہوں۔“
”تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی؟“
”میں آپ سے کیا اور کیوں چھپاؤں گی۔“
”اچھا۔“
”اس کے بعد کوئی رابطہ نہیں ہے تمہارا اس کے ساتھ؟“
”نہیں، میرا اس سے رابطہ نہیں ہوا۔“
”شادی تو نہیں ہوئی اس کی ابھی؟“
”میں ایک ہفتے کے اندر شادی؟“ وہ اس بات پر حیران ہوتے ہوئے بے ساختہ ہنس

”پر بہات! کیا سوچ رہی ہو۔“ وہ اس کی پریشانی بھانپ گئے تھے۔
”کچھ نہیں بابا، بس سوچ رہی تھی اس مجھے کو کون مکمل کر سکتا ہے؟“
”کون کر سکتا ہے؟“ وہ بے چینی سے پوچھنے لگے۔
”آپ کا اسٹوڈنٹ، احرار خان۔“

”ہاں..... احرار خان..... وہ کر سکتا ہے واقعی میں۔“
”میں نے تو یہ سنا تھا کہ وہ ایک اچھا، اچھا، تجویز ہے، لوں تو جزل بھی ہے۔“
”جزل تو بہت ٹیلیفونڈ اور فنکارانہ صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔“ وہ فوراً بولی تھی۔
”ہاں مگر وہ فی الحال نہیں کر سکتا، اس نے پیشے کے طور پر جب سے صحافت اپنائی ہے مصوری
سے سازی سے دور ہو گیا ہے۔“ وہ خامے افسردہ تھے۔
”اس کا پیشہ آرٹ نہیں مگر اسے مجسمہ سازی سیکھنے میں ایک عرصہ لگے گا احرار کر سکتا ہے۔“ وہ
کے نام پر تھیلی بار چپ تھی۔

[illegible]

ہو۔ وہ بڑے اور داناں میں ہیں۔ ”تمہاری شرسے نہیں بچ سکا اور وہ سکرادتی جو کہ اس بارہ زکرا
اکثر پر بہات کو بھی کہتے کہ ”تمہاری شرسے نہیں بچ سکا اور وہ سکرادتی جو کہ اس بارہ زکرا
سکا عیو محمود جو فطری طور پر ادھاسیاست دان تھا اور پیشے کے لحاظ سے ایک وکیل تھا سراسر اور بیوی کی
محبت میں آکر پورا سیاست دان اور ادھاسیاست دان بن کر رہ گیا تھا اور اس کی اسیات ان سب کو ہر
اسے سسر کا چشم چراغ لگتا تھا۔

اچھے سربراہان اور اب بھی سیاسی صورتحال کے پیش نظر الکشنز کی گرم گرمی اور آخری میں انتخابات میں
مشتعل سر کے ساتھ مصروف تھا کچھ روز بعد وہ دونوں میاں بیوی باہر جا رہے تھے شفیع نے
اگلے ماہ کو بس کرنے کے لئے باہر جانا تھا حالانکہ گھر پر اچھا علاج ہو رہا تھا شفیع نے باہر جانے سے
کے پوچھتی تھی ان کا خیال رکھ رہی تھی ان کی دواؤں کا وہ ایک قلعہ اور ذمہ دار الکشنز اور بی بی
مگر اسے اپنے گھر کی ذمہ داریاں بھی تھیں اور جب سے شفیع کی شادی ہوئی تھی وہ مزید
رہنمائی بریڈنگ کرنے لگے تھے اور اب اس کے لئے پریشان تھے۔

"غلا کر رہی ہو میرے ساتھ پرہ رانی پھر یہ کہ تم جو چاہتی ہو جو چاہتے ہیں، وہ نیوٹی انڈاؤں؟"

”آپ نے بھی پیسے جمع نہیں کئے ہمیشہ تو کل کیا ہے تو یقین کر لیں کہ میری شادی بھی ہو جائے گی اور اس کے لئے میں کوئی بڑا خرچہ نہیں کرنے والی، ورنہ جمع تو میں خود بھی کر سکتی ہوں۔“

”رہنے دو میں نے محمود کی شادی جیسے کی تمہاری بھی ویسے ہی کروں گا شفیعہ نے بھی سادگی سے کر لی خدا جانے اس کے اندر اتنی سادگی اور صلہ جوئی کہاں سے آگئی وہ جو ہو ہو کی ہے اپنی بڑی پھوپھی شفیعہ فاطمہ جیسی۔“ یہ جملہ انہوں نے زیر لب کہا تھا مگر اس نے سن لیا پر بات نے ٹوڑنے پر نظر ہٹا کر انہیں دیکھا۔

”بابا..... بہت یاد آتے ہیں نا وہ لوگ آپ کو؟“ انہوں نے نہ اس کی طرف دیکھا اور نہ مسکرائے۔

”بابا..... بہت یاد آتے ہیں مادہ لوگ آپ کو۔“ اس نے ایک دفعہ پھر پوچھا۔

”پر بہات، تم میرے زخم کیوں ادھیڑنا چاہتی ہو؟“

”بابا میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی کجا کہ زخم ادھیڑتا۔“

Digitized by Google

Digitized by

Digitized by Google

www.urdubooks.org

”ہاں اسی لکھنا کیا“

”ڈاڑی لکھنا رکھو“

۱۱۔ مجھ سے جاگ کر کھڑے

جملہ دھراتے ہوئے آئے

”بابا!“ اس سے

میں جس کتاب لکھتا



مهم شادی ابرو

فہرستِ چوٹی اس باب پر



ہونگے

من نے مسق

”دیکھا، بن گئے“

URDU
www.urdu-urdu.com

روایتی باب

”عشق کرنے کے لئے وقت ساری صاف ہے۔“ وہ نے کہا۔
 ”عشق کرنے کے لئے صرف ایک عدد عاشق اور ایک معشوق کی ضرورت ہوتی ہے۔“ وہ نے کہا۔
 ”اور میں نے اسے پاس ایسا معشوق نہیں دیکھا۔“ وہ نے کہا۔
 ”تو دے رہی تھی۔“
 ”میں چاہتا ہوں عشق سے پہلے تم شادی کر لو۔“
 ”آپ مجھے تو زنا چاہتے ہیں؟ فوراً شادی۔“ وہ اتنی دیر میں پہلی بار فہم ہوئی تھی۔
 ”نہیں پرہ۔۔۔۔۔ میں نہیں ان دکھوں سے بچنا چاہتا ہوں جو میں نے دیکھے، عشق لا حاصل کی
 اذیت سے بچنا چاہتا ہوں میں نہیں جبر کی تکلیف سے بچنا چاہتا ہوں۔“
 ”جیسے آپ نے شفیع آپ کو بچا لیا؟“
 ”شفیع، اس نے تو خود ہی اپنے آپ کو معتدل مزاج رکھا تھا اس نے شادی بھی کر لی، مگر
 مجھے ایسا لگتا ہے وہ خوش نہیں ہے۔“
 ”وہ خوش ہیں بابا، نعمان بھائی بہت اچھے انسان ہیں۔“
 ”نعمان اچھا ہے اس نے شکر ہے کہ وہ مطمئن ہے۔“
 ”مگر اس کے چہرے پر خوشی دیکھنے کے لئے میں ترستا ہوں پرہ۔“
 یہ بات تو اس نے بھی محسوس کی تھی مگر ان کے سامنے اقرار کرنا ان کی فکر کو بڑھا دینے کے
 مترادف تھا ان کی فکر بڑی جلدی کسی دکھ کی شکل اختیار کرتی تھی اور پھر فوراً ہی جسے اندر دبانے کے
 لئے وہ اپنے اندر کوئی گڑھا کھود لیتے تھے اور اس میں دکھ کو دفن کر دیتے تھے اور دکھ ان کے اندر بڑا
 سو جاتا تھا، جس کی تکلیف کے تاثرات اور ہوک ان کے چہرے پر گڑی آنکھوں سے نکلتے تھے۔
 دکھائی دیتیں چنگاریاں چھوڑتیں اور پھر بجھ جاتی، یہ جل بجھنے کا مرحلہ اس سے کہاں چھلپ جاتا تھا
 کی پرہات سے جیسے پیار سے وہ بھی پری تو بھی پرہ رانی کہتے تھے حد ہی ہو گئی تھی وہ مسلسل
 سوچوں میں یاد رکھ میں مستغرق تھے۔
 ”آپ چاہتے ہیں میں شادی کر لوں؟“ پرہ ان کو دیکھ کر بولی۔
 ”میں چاہتا ہوں عشق نہ کرو۔“
 ”میں نہیں کروں گی؟“
 ”پرہات، عشق کی بہت ساری صورتیں ہوتی ہیں۔“ وہ پھر سے اسے غصہ خوار کرتے۔
 ”ایسا کہیں تو سوچوں گی۔“ آنکھ دبا کر کہنے کا مطلب سمجھ آتا تھا۔
 ”اور سوچنے لگی میں کہیں عشق کریں نہ بیٹھوں، عشق پر بات نہ کریں، چلیں آئیں کسی اور
 موضوع پر بات کریں۔“
 اس وقت اگر وہ کہہ دیتی کہ آپ کی آنکھ کے آنسو مجھ سے نہیں سہے جاتے تو وہ واقعی میں رو
 پڑتے اس لئے اس نے ایسا نہیں کہا۔

”ہاں، تقدیم سندھ کے آثار، مگر اس سے زیادہ اس جگہ کے بارے میں چیزل جانتا ہے اس
 سے پتا چلا کہ اس علاقے میں کچھ قدیم سندھ کی نشانیاں پائی گئی ہیں وہ فوٹو گرافی کے لئے جائے گا
 اور مجھے وہاں کھدائی کروانی ہے بس پھر ڈپارٹمنٹ فنڈ نہیں دے رہا تو میں نے سوچا میں خود ہی چلی
 ہاں آخر آپ کی فیلڈ آپ ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔“
 ”یہ پلان تم نے خیر سے کب کیا؟ بغیر بتائے پلاننگ کرنے لگی ہو، پتہ بھی ہے کہ ٹیم کا خرچہ
 کتنا ہوتا ہے؟ تم سر پھری ضرور ہو مگر میں تمہیں ایسی تفصیلات کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔“ وہ
 فخرانہ فرمائی کہیں کہہ سکے تھے وہ مسکرائی ان کے اعتراض پر۔

”ہاں، تقدیم سندھ کے آثار، مگر اس سے زیادہ اس جگہ کے بارے میں چیزل جانتا ہے اس
 سے پتا چلا کہ اس علاقے میں کچھ قدیم سندھ کی نشانیاں پائی گئی ہیں وہ فوٹو گرافی کے لئے جائے گا
 اور مجھے وہاں کھدائی کروانی ہے بس پھر ڈپارٹمنٹ فنڈ نہیں دے رہا تو میں نے سوچا میں خود ہی چلی
 ہاں آخر آپ کی فیلڈ آپ ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔“
 ”یہ پلان تم نے خیر سے کب کیا؟ بغیر بتائے پلاننگ کرنے لگی ہو، پتہ بھی ہے کہ ٹیم کا خرچہ
 کتنا ہوتا ہے؟ تم سر پھری ضرور ہو مگر میں تمہیں ایسی تفصیلات کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔“ وہ
 فخرانہ فرمائی کہیں کہہ سکے تھے وہ مسکرائی ان کے اعتراض پر۔

”ہاں، تقدیم سندھ کے آثار، مگر اس سے زیادہ اس جگہ کے بارے میں چیزل جانتا ہے اس
 سے پتا چلا کہ اس علاقے میں کچھ قدیم سندھ کی نشانیاں پائی گئی ہیں وہ فوٹو گرافی کے لئے جائے گا
 اور مجھے وہاں کھدائی کروانی ہے بس پھر ڈپارٹمنٹ فنڈ نہیں دے رہا تو میں نے سوچا میں خود ہی چلی
 ہاں آخر آپ کی فیلڈ آپ ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔“
 ”یہ پلان تم نے خیر سے کب کیا؟ بغیر بتائے پلاننگ کرنے لگی ہو، پتہ بھی ہے کہ ٹیم کا خرچہ
 کتنا ہوتا ہے؟ تم سر پھری ضرور ہو مگر میں تمہیں ایسی تفصیلات کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔“ وہ
 فخرانہ فرمائی کہیں کہہ سکے تھے وہ مسکرائی ان کے اعتراض پر۔

”ہاں، تقدیم سندھ کے آثار، مگر اس سے زیادہ اس جگہ کے بارے میں چیزل جانتا ہے اس
 سے پتا چلا کہ اس علاقے میں کچھ قدیم سندھ کی نشانیاں پائی گئی ہیں وہ فوٹو گرافی کے لئے جائے گا
 اور مجھے وہاں کھدائی کروانی ہے بس پھر ڈپارٹمنٹ فنڈ نہیں دے رہا تو میں نے سوچا میں خود ہی چلی
 ہاں آخر آپ کی فیلڈ آپ ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔“
 ”یہ پلان تم نے خیر سے کب کیا؟ بغیر بتائے پلاننگ کرنے لگی ہو، پتہ بھی ہے کہ ٹیم کا خرچہ
 کتنا ہوتا ہے؟ تم سر پھری ضرور ہو مگر میں تمہیں ایسی تفصیلات کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔“ وہ
 فخرانہ فرمائی کہیں کہہ سکے تھے وہ مسکرائی ان کے اعتراض پر۔

”ہاں، تقدیم سندھ کے آثار، مگر اس سے زیادہ اس جگہ کے بارے میں چیزل جانتا ہے اس
 سے پتا چلا کہ اس علاقے میں کچھ قدیم سندھ کی نشانیاں پائی گئی ہیں وہ فوٹو گرافی کے لئے جائے گا
 اور مجھے وہاں کھدائی کروانی ہے بس پھر ڈپارٹمنٹ فنڈ نہیں دے رہا تو میں نے سوچا میں خود ہی چلی
 ہاں آخر آپ کی فیلڈ آپ ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔“
 ”یہ پلان تم نے خیر سے کب کیا؟ بغیر بتائے پلاننگ کرنے لگی ہو، پتہ بھی ہے کہ ٹیم کا خرچہ
 کتنا ہوتا ہے؟ تم سر پھری ضرور ہو مگر میں تمہیں ایسی تفصیلات کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔“ وہ
 فخرانہ فرمائی کہیں کہہ سکے تھے وہ مسکرائی ان کے اعتراض پر۔

”ہاں، تقدیم سندھ کے آثار، مگر اس سے زیادہ اس جگہ کے بارے میں چیزل جانتا ہے اس
 سے پتا چلا کہ اس علاقے میں کچھ قدیم سندھ کی نشانیاں پائی گئی ہیں وہ فوٹو گرافی کے لئے جائے گا
 اور مجھے وہاں کھدائی کروانی ہے بس پھر ڈپارٹمنٹ فنڈ نہیں دے رہا تو میں نے سوچا میں خود ہی چلی
 ہاں آخر آپ کی فیلڈ آپ ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔“
 ”یہ پلان تم نے خیر سے کب کیا؟ بغیر بتائے پلاننگ کرنے لگی ہو، پتہ بھی ہے کہ ٹیم کا خرچہ
 کتنا ہوتا ہے؟ تم سر پھری ضرور ہو مگر میں تمہیں ایسی تفصیلات کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔“ وہ
 فخرانہ فرمائی کہیں کہہ سکے تھے وہ مسکرائی ان کے اعتراض پر۔

”ہاں، تقدیم سندھ کے آثار، مگر اس سے زیادہ اس جگہ کے بارے میں چیزل جانتا ہے اس
 سے پتا چلا کہ اس علاقے میں کچھ قدیم سندھ کی نشانیاں پائی گئی ہیں وہ فوٹو گرافی کے لئے جائے گا
 اور مجھے وہاں کھدائی کروانی ہے بس پھر ڈپارٹمنٹ فنڈ نہیں دے رہا تو میں نے سوچا میں خود ہی چلی
 ہاں آخر آپ کی فیلڈ آپ ہی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔“
 ”یہ پلان تم نے خیر سے کب کیا؟ بغیر بتائے پلاننگ کرنے لگی ہو، پتہ بھی ہے کہ ٹیم کا خرچہ
 کتنا ہوتا ہے؟ تم سر پھری ضرور ہو مگر میں تمہیں ایسی تفصیلات کی اجازت ہرگز نہیں دوں گا۔“ وہ
 فخرانہ فرمائی کہیں کہہ سکے تھے وہ مسکرائی ان کے اعتراض پر۔

”جی ہاں میں آپ بھی ناں، وہ انکی اٹھا کر فٹکی سے بولے۔
 ”نہیں کر رہی زچ، مگر جانے دیجئے ناں، دیکھئے پچھلے ایک ماہ سے ہمارا یہ پلان تھا۔“
 ”اوہ..... پچھلے ایک ماہ سے؟“ وہ بیٹھی مگر کچھ حیران ہوئے اس کے آگے۔
 ”جی..... مگر آپ کی طبیعت خراب ہوئی تھی اور ان دنوں خیر سے جہول کی شادی کا شوق
 اٹھا ہے اب وہ جانے کہ نہیں مگر مجھے تو بہر حال جانا پڑے گا۔“
 ”تم بہت عندی ہو۔“
 ”وہ تو میں ہوں ہی، آپ پر جوگی ہوں۔“
 ”بہت ڈھیٹ ہو۔“
 ”وہ بھی ہوں۔“
 ”اب اس میں بھی مجھ پرگی ہو، ہے نا۔“
 ”شکر ہے آپ نے خود کہہ دیا۔“ کہتے ہوئے ہنس پڑی تو وہ منہ پھلا کر دیکھنے لگے۔
 ”میرے بچے بابا۔“ کہتے ہوئے لپٹ گئی۔
 ”دور رہو مجھے سے نا لائق لڑکی۔“ معنوی فٹکی سے بولے۔
 ”دور کر کے دیکھیں۔“
 ”ہنر ہے۔“ وہ مسکراہٹ دہانے لگے۔
 ”کیسے ہوں، بچپن سے خراب کر دیا مجھے اب میری کوئی ماں تو نہیں جس نے جا رہیوں
 گی۔“
 ”تمہیں ماں کی ضرورت ہے۔“ گھورنے لگے، وہ نفی میں سر ہلا کر سیدھی ہوئی۔
 ”مجھے بس ابا ہی چاہیے۔“
 ”چلو بناؤ مت، یہ بتاؤ کب جانا ہے اور علاقہ زیادہ دور تو نہیں ہے؟“
 ”کوئی..... پھر سے مگر نہیں۔“
 ”دیکھو اسکی مت جانا۔“
 ”اچھا بابا ایم کو لے کر جاؤں گی۔“
 ”ساری ٹیم کے اخراجات تم نہیں بھرو گی؟“
 ”نہیں بھروں گی، بی۔ بی۔“
 ”پھر ٹیم کیسے ملے گی؟“

”خیر سے بناتے رہے۔“
 ”بت خیر نہیں شر سے بنائے جاتے ہیں۔“
 ”اب یہ جملہ شاہ بانو بی بی کا ہے یا آپ کی جیجی کا۔“
 ”جملہ بڑے پیر کا ہے۔“ کہتے ہوئے ان کی مسکراہٹ گہری ہو گئی تو وہ بھی ہنس پڑی۔
 ”میں تمہارے ساتھ چلوں؟“
 ”نہیں۔“
 ”بابا کو ستر و کر رہی ہو۔“
 ”ہاں، کیونکہ باب کا اس وقت میرے ساتھ صحراؤں میں موجود ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ
 میرا باغ و بیوی ہے۔“
 ”ہاں، مگر کے کئی ٹھک جاتا ہوں پری۔“
 ”فریڈ کریں، آپ کو سمجھتی ہوں باہر۔“
 ”باہر۔“



URDU TUBE
 HOME OF ENTERTAINMENT
 www.urdutubes.com



”ہاں ڈاکٹر شفیع کے ساتھ کیونکہ پیر محمود کے پاس تو آپ کے لئے وقت ہی نہیں ہے تو
 ”نہیں۔“ کا واقعی باہر جانے کا پلان ہے؟ مجھے تو اس نے نہیں بتایا تم لوگ ہر اک چیز مجھے
 ”نہیں۔“
 ”آپ کون سا شاہ بانو بنانے سے پہلے ہمیں بتاتے ہیں کہ اب میں لکڑی کا ڈھانچہ بناؤں گا
 اس کی شکل ماں پر مگر کی جسمہ یہاں تک بغیر سر کہ دھڑ تک بنا دیتے ہیں اور اچانک کہتے ہیں کہ
 ”اے مل کر دو پرہ رانی۔“
 ”مگر میں تم لوگوں کا باب ہوں، تم لوگ میرے باپ نہیں۔“ وہ غام باپوں جیسا رعب
 ”اے مل کر دو پرہ رانی۔“
 ”یہ بتاؤ شفیع کیوں جا رہی ہے باہر۔“
 ”اٹکس کچھ کورس وغیرہ کرنا ہے مزید اور نعمان بھائی کا تو آپ کو پتہ ہے کہ وہ ان کے بغیر
 کہاں رہا کرتے ہیں۔“ وہ پرہ کی بات پر فوراً ریلیکس ہو کر مسکرائے۔
 ”شکر ہے میرا بیٹا پوری طرح میری بہو کا خادم اور میری بیٹی کا شوہر میری بیٹی کا خادم ہے۔“
 ”خادم کہتے ان کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔“

ہوئے اس کی حمایت کی۔
 وہ اپنے آپ کو تو بڑا دانا سمجھتا تھا
 غصہ ہوا تو اس کی عمر
 میں گھر کی بائیں ستون ایسا لگتا ہے کہ جیسے
 پچاس سال کی بوڑھی روح ہے۔ اسی وقت
 شازمین کی اسی بھی وہی آگئیں شازمین کی بات
 سن کر انہوں نے غصے سے کہا۔

”آؤف ادا امی جان پریشان مت ہوں
 وقت آنے پر سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ یہ کہہ کر
 شازمین ناشتہ بنانے کے لئے کچن کی طرف بڑھ
 گئی جبکہ شیخ صاحب اخبار پڑھنے لگے اور زینہ
 بیگم اپنی فریوڈ کو دانہ ڈالنے لگیں۔

☆☆☆

”ہائے گرلز کبھی ہو؟ کیا ہسٹری کی کلاس
 لینے کا کوئی ارادہ نہیں۔“ علیحبہ نے کالج کے لان
 میں دھوپ سیتگی اور مونگ پھلیوں سے لطف
 اندوز ہوئی اپنی دوستوں کے گروپ سے پوچھا۔
 ”ارے یار چھوڑو، ہسٹری اتنا بورنگ
 سبجیکٹ اور اوپر سے پروفیسر ظہیر کے سوالات کی
 بوچھاڑ، بھی اس سے تو بہتر ہے کہ بندہ کلاس
 بنک کر لے، آؤ تم بھی انجوائے کرو، ردا اپنی
 تہہ ڈے کی pix لے کر آئی ہے۔“ عرش نے
 علیحبہ کو بھی آفر کی تو وہ بھی ان کے ساتھ تصاویر
 دیکھنے لگی۔

”او واؤ یار، یہ سیلفی کتنی پیاری آئی ہے
 چٹک کر تو تم پر کھل رہا ہے۔“ علیحبہ نے ساتوں کی
 رنگت والی ردا کو ہمیشہ کی طرح مسکے لگایا ان کے
 گروپ میں سب سے زیادہ امیر اور خود پرست
 ردا ہی تھی اسے اپنے پیورو کریٹ باپ کی دوت
 پر بڑا گھمنڈ تھا، اسی کمزوری کا فائدہ اٹھاتے
 ہوئے علیحبہ اس کی تعریف کے جھوٹے قصیدے
 سنا کر اس سے قیمتی تحفے بخورتی تھی، ابھی بھی وہ

راہ گھر بھی جاتا ہے مگر پکا طور سے ناں
 کسی رئیس کے گھر پیدا ہونا چاہیے تھا۔ زینہ
 بیگم بڑبڑاتے ہوئے کمرے میں چلی گئیں جبکہ
 شازمین کچن میں خاموشی سے آٹا گوندھنے لگی،
 اس نے علیحبہ کے خود مری اور جارحانہ پن پر اس
 کی ہدایت کے لئے اللہ سے دعا کی۔

☆☆☆

آج اتوار کی وجہ سے شیخ صاحب بھی گھر پر
 تھے شازمین صاحب معمولی فجر کی اذان کے ساتھ
 اپنی گھر کی گلی اور اب نماز کے بعد گھر کے پچھلے
 حصے میں چل دی گئی تھی وہ بچپن ہی سے سحر
 جرحی، اسی وقت شیخ صاحب بھی نماز پڑھ کر آ

تھے۔ یہاں آج تو اتوار ہے، اتنی صبح
 اٹھنے کی کیا ضرورت کی۔“
 ”نماز کے بعد کچھ دیر اور آرام کر لیتی
 روزانہ کالج اور گھر کے کام کاج کی وجہ سے تھک
 رہی ہوں۔“ شیخ صاحب نے شازمین کے سر پر
 ہاتھ پڑھایا اور بڑے نرمی سے فرقت سے کہا۔

بابا آپ کو معلوم تو ہے کہ مجھے ایک بار
 نے کے بعد دوبارہ تین دن کی آبی اور صبح اللہ کی حمد و
 شکر کرتے پرنوں کی چپکڑ، ٹھنڈی ہوا کے
 چمکے کے ساتھ چھل چھل دی میری کمزوری
 ہے۔“ اس نے شیخ صاحب کو گچائے دیتے ہوئے
 کہا۔

”میری ردا اپنی تمہارے دم سے ہی اس
 گھر میں سکون و اطمینان ہے ایک وہ علیحبہ ہے
 اس کو بھی تو ڈا سبھایا کرو، وہ بھی تمہاری طرح
 انداز دار اور غیڈ کی کو اپنا نہیں۔“

”ارے بابا! ابھی وہ کم عمر ہے یہی عمر تو ہے
 عمر کی ہوتی ہے۔“ شازمین نے مسکراتے

کے لئے اٹھارے پانچ فٹول میں سے
 ہونے کا خفیہ چارہ سے ہاسٹل کے کالون میں
 فیس بھی ادا کرتی ہے مگر کم کو کہاں گھر لے گی؟
 نہیں کالج تعلیم حاصل کرنے جاتی ہیں یا ٹی ٹی
 دوست بنانے اور پارٹی کرنے وہ نہیں، ایک میری
 صابر بچی شازمین ہے اپنی جائز خواہش کا بھی
 تمہاری وجہ سے گلہ گھونٹ دیتی ہے تم سے بچنے
 تو اس کے لئے کچھ جمع کروں ناں، کل کو تم دونوں
 کی شادی بھی کرتی ہے۔“ زینہ بیگم نے ہمیشہ کی
 طرح اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”آف، ایک تو آپ کی یہ کفایت شعاری
 لکچر سننے سننے ناں میں آئی ہوئی ہوں اب تو
 تمام جملے بھی اڑا کر کہے ہیں، پتہ لپٹا لپٹا پتہ لپٹا
 اس اصغری ٹائپ مینی کے لئے ہی سیال
 رکھیں مجھے دیر ہو رہی ہے ابھی مجھے اٹھنے سے
 گٹ بھی لینا ہے اتنی مشکل ہے تو بابا سے گٹ
 کے لئے ہزار روپے لئے ہیں جبکہ میری دوستیں
 مجھے کتنے مہنگے مہنگے گٹ دیتی ہیں۔“ علیحبہ نے
 منہ بناتے ہوئے کہا۔

”تو تم سے کس نے کہا ہے کہ آپ کو
 لڑکیوں سے دوستی کرو، دوستی و فریاد واری نہیں
 اپنے برابر کے لوگوں سے کرنی چاہیے یہ شازمین
 بھی تو اسی کالج میں چار سال سے پڑھ رہی ہے
 مگر اس نے تو بھی کوئی دوست نہیں بنائی یہی
 کسی پارٹی یا فنکشن میں جانے کے لئے
 جانے تم کس پر چلی گئی ہو اب میری باتیں نہیں
 لکچر لگنے لگی ہیں۔“ علیحبہ ان کی بات پر کان
 دھرے بغیر اپنی تیاری مکمل کر کے صحن کا دروازہ
 عبور کر چکی تھی، زینہ بیگم تا ساف سے سر ہلا کر وہ
 گئیں۔

”ایک تو یہ شیخ صاحب نے اس کی بے جا
 فرمائش پوری کر کے عادتیں بگاڑ دی ہیں کل کو

پر اس کی معصیت اور اپنی بے حسوری
 تیزی اس کو مزید جاذب و پسندیدہ بناتی
 علیحبہ اپنی بہن کی غیر معمولی حسن و خوبصورتی
 سے بھی حاسد بھی اس کے مقابلے میں
 آنے کے لئے وہ خود کو مستور رکھ کر کھتی، ہر
 فیشن کے بارے میں اس کو مکمل معلومات ہوتی،
 شازمین اکثر علیحبہ کو سمجھاتی رہتی تھی اس کو ڈر تھا
 کہ کہیں اس کی بہن کو لالچ اور باغیانہ پن کی وجہ
 سے کوئی بڑا نقصان نہ اٹھاتا ہے۔ زینہ بیگم بھی
 علیحبہ کی طرف سے بہت فکر مند رہتی تھیں۔

☆☆☆

”شازمین..... شازمین! میرے اس سوٹ
 کا دوپٹہ کیوں نہیں لہ رہا کہاں ہے؟“ ان مجھے دیر
 ہو رہی ہے آج میری فرینڈ کی بھڑے ڈے ہے اس
 نے ہم سب دوستوں کو اپنے گھر پر انوائٹ کیا
 ہے وہاں سب ایک سے بڑھ کر ایک ایلٹ فیشن
 کے لوگ ہونگے اور ایک میں..... یہ معمولی سوٹ
 اور ٹونڈ پہن کر جاؤں گی اس کا بھی دوپٹہ نہیں ل
 رہا۔“ علیحبہ نے تین ہزار کے ایجنے خاصے بلیٹک
 کے سوٹ میں ہمیشہ کی طرح مین بیچ نکالتے
 ہوئے کہا۔

”ارے کیا ہوا بھئی؟ کیوں چی رہی ہو؟
 صبح سے دیکھو یہی کہیں ہوگا اور میں تم کو بتا رہی
 ہوں کہ قاعدہ و کفایت شعاری سے چلنا سیکھو
 ابھی بھی پچاری شازمین نے اپنی ٹیوشن فیس سے
 تمہیں سوٹ لے کر دیا ہے، مگر تمہارا تو ناشکرا
 اور نندیدہ پن ہی نہیں جاتا اپنی بے جا خواہش کو
 لگام ڈالو ہم مڈل کلاس گھرانوں سے تعلق رکھنے
 والے تمہاری یہ روز روز کی عیاشی برداشت نہیں کر
 سکتے اور نہ ہی اس طرح کی پارٹی میں جانے کی
 ضرورت ہے یہ سب اخراجات بڑے لوگوں کے
 چونچلے ہیں تم کو ہر روز اتنے مہنگے، مہنگے گٹ

”خیر ایسا تو نہ کہیے اگر آپ کو میرا فون کرنا
آتا ہی برا لگتا تو پھر فوراً کال کیوں ریسیڈی اور
آپ میری آواز کیسے پہچان گئی، اگر واقعی میں
آپ کے لئے اہم نہیں ہوں تو؟“ علیہہ اس کی
بات سن کر لا جواب ہو گئی۔

”اے ارے آپ تو پریشان ہی ہو گئے، یقین جانے میرا مقصد آپ کو مرکزِ شرمندہ کرنا نہیں تھا علیہ! میں صرف آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھ سے دوستی کر سکتی ہے“، جینے نے ٹافٹ اہلہ عایان کیا اس بار علیہ نے حقیقتاً سہرا لگی۔

”آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ آپ مجھے کیسے جانتے ہیں۔“

”اے اے معصوم حینہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، نہ ہی میں کوئی کوفر ہوں اور نہ ہی دل بیک، بس آپ کو اپنی کرن ردا کی ہتھ ڈے دیں دیکھا تھا آپ مجھے اپنی شوخ باتوں اور حاضر و ابالی کی وجہ سے دل کو بھائیں اصل میں میں خود کی بہت ہی جلدی اور زندہ دل ہوں لہذا آپ کی ہضم صورت کے ساتھ ساتھ مجھے آپ کی حسن اراچھی کی سورتا کے موبائل سے آپ کا نمبر لیا۔ آپ کو کال کی مگر اس دن آپ نے بغیر پچھنے فون رکھ دیا لیکن مجھے آپ کی یہ عادت اچھی لڑکیوں کو اتنا ہی بولڈ ہونا چاہیے کہ کسی بھی سی راگم کار کو نہ توڑ جواب دے سکیں یقیناً میں آپ کو کال نہیں کروں گا مگر دل کے

[illegible]

ایسے ہی ہے کیف اور روٹین کے گے
بندھے دونوں میں آنے والی ایک راگ کال نے
بلدیہ کی زندگی بدل کر رکھ دی۔

تو کہتا ہے: "کون ہے بھی؟ کس سے
تو کہتا ہے: "کیوں نہیں گونگے ہو کیا۔"
یہ سب نے چکر پوچھا۔

”اے میم دھیرج، دھیرج نہ میں گونگا ہوں اور نہ
 آپ اسی سریلی آواز اور اتنا غصہ.....“

اس کا مطلب یہ کہ اگر علیشہ نے فون رکھ دیا، مگر اس کا سارا دھیان اسی کال کی طرف تھا شازمین اس کی کھولی کھولی کیفیت نوٹ کر رہی تھی، یہ معمول آج دستر خوان پر بغیر کسی چوں کے اس نے خاموشی سے کھانا کھا لیا جس پر شازمین کو اچھٹا ہوا مگر ان کو اس بات کی خوش ہوئی کہ شاید علیشہ کو اب عقل آگئی ہے اپنے بے حالات سمجھنے لگی ہے مگر یہ ان کی خام خیالی کچھ لوگوں کو زامانے کی ٹھوکر رہی راست پر ہے۔

ایک آنکھ نہیں بھائی تھی تو بڑی امیر خاندان کی
ہم ہر طور طریقے اور کسی اچھی چیز کو دیکھ کر لپٹا
اسے کسی مڈل کلاس کا ظاہر کرتا ہے۔“ عشی نے
ان دونوں کے جانے کے بعد تیرہ لیا جو بیوہ نے
بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

رات میں جب شازمین چن سمیٹ کر
کمرے میں آئی تو اس نے علیشہ کے ہاتھ میں
اتنا قیمتی موتیوں کا دھڑکا ہے جسے
پوچھا جو کان میں بیٹھوں لگائے شازمین کوئی کر
تھیل یہ تھیں۔
”علیشہ یہ... یہ اتنا مہنگا موتیوں کا

”آف اوہ ایک تو تم ایسی جلی جھڑا ہوں۔“

ڈورمٹ چوری نہیں کی تھی، نہ روئے، نہ باہر اس کے اگلے نے ایک لاکھ کا نیا موبائل بیچا ہے اب یہ اس کے کسی کام کا نہیں تھا تو اس نے نیٹے دے دیا، ہماری طرح وہ خیر ہے۔

اسے اسے کتنے موبائل براؤزر، فون، ڈیڑھ، ڈیڑھ

نئے ماڈل کی گاڑی اس کے لئے مٹوا کر لایا
اں، پیور کریڈ کی بی بی ہے، باپ گردن کا
لھلتا ہے تو اس کی اکھٹی بی بی کے لئے یہ چہرہ
وئی حیثیت نہیں رکھتی ہو کہ ”یہ کہہ کر
بارہ موبائل میں مصروف ہوئی، شاز شاز
ف سے اسے دیکھا۔

☆☆☆
دن آگے پیچھے پر لگا کر اڑتے گئے، موسم
ماکی ایک رخ بستہ بوجھل سی شام تھی زار و منہ
موسم نے اپنی پلیٹ میں لے لیا تھا وہ
اور فلو سے نڈھال ہو رہی تھی، ساز و منہ
کے لئے بوائے انڈہ، بختی اور جوشانہ تیار

میں کا خلیفہ ہے۔ چھوڑو۔ کہیں یہ بھی سچ ہے۔
 ”ہوں،“ سب ہی تعریف کر رہے ہیں کہ
 میں بہت خوبصورت بالکل صاف قرمبی طرح لگ
 رہی ہوں۔“ روانے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں مو
 نکاتے ہوئے ادا سے کہا اس کی بات پر عرش اور
 جویریہ دلی دلی آواز سے ہنسنے لگی، اپنی پسندیدہ
 اداکارہ کی اتنی بے عرقی پر علیحدہ کادل بھی جلتا تھا
 مردہ دراکے ہاں میں ہاں ملانے لگی۔

Allesha! you are so sweet!
ہمیشہ سچ بولتی ہو اور دوسروں کی طرح مجھ سے
جلس نہیں ہوتی۔“ ردا نے ان دونوں پر چوٹ
کرتے ہوئے کہا۔

”اَوْ عَلَیْهِمُ بَیِّنَاتٌ مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ اِنَّهُمْ یَکْفُرُوْنَ“
 یہیں جاٹ اور سینڈوچ بھی کھلاؤں گی اور
 اے انگل کینڈا سے میرے لئے نیا موبائل
 ہے تو تم میرا موبائل رکھ لو۔“ ردانے ہمیشہ
 لرح حاتم طائی کی قبر پر لاتے مارتے ہوئے

”واہ ردا! فریڈ ہو تو تمہاری طرح قسم سے
اس کی مجھے اشد ضرورت تھی یا میں پاپا سے
تو آج ہی دلوا دیں مگر میری ماما ٹھوڑی
نیالتا کی ہیں ان کے نزدیک یہ سب
بچوں کو بگاڑ دیتے ہیں اب انہیں کیا پتہ؟
دور میں یہ کتنی اہم ضرورت ہے۔“
ردا سے موبائل فون لئے ہوئے کہا۔

Samsul کا گولڈن کور کے ساتھ صورت ٹیچ موبائل تھا جو روانے تین برس ہزار کا لیا تھا، مگر اب اس کے بیکار تھا۔“

ہونے سے پہلے ہی کہیں کیا ہوگا؟
وہاں تک کہ اس کی بات ہے اس کی فکر
مت کرو وہ اپنے آپ میں رہنے والی لڑکی ہے۔
جینے نہ تو لگتا ہے پہلے ہی سب کچھ ملے کر رکھا
تھا، جینے کے حوصلہ افزائی پر علیہ کی گھبراہٹ اور
خداشات بھی دور ہو گئے تھے۔

☆☆☆

”علیہ..... علیہ! یہ تم سیرے کہاں
جانے کی تیاری کر رہی ہو، کاج تو تمہارا آج کل
آف ہے؟“ زربینہ بیگم نے علیہ کو کجالت میں
تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

”ارے سی! امیر ارزلت آنے والا ہے اس
کے بعد تھوڑا دیر میں ایڈیشن شروع ہو جائیں گے
آج ہم دوپہں اسی سلسلے میں کاج معلومات
حاصل کرنے جارہے ہیں ایسا نہ ہو کہ ایڈیشن کی
تاریخ نکل جائے۔“ علیہ نے پہلے سے سوچا
بہانہ گھڑا۔

”چھا مگر آج جلدی گھر آجانا۔“ زربینہ
بیگم نے کہا تو علیہ ان کے اتنی جلدی مان جانے
پر حیران رہ گئی اب اسے کاج جتنے کی جلدی تھی
جینے سے پہلی بار ملنے کی خوشی اور گھبراہٹ اس
کے چہرے سے عیاں ہو رہی تھی فون پر بات کرنا
اور اس طرح رو برو ملاقات دو الگ بات تھی۔

”کیوں ای! خیریت؟“ علیہ نے اپنی
گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں آج شازمین کا رشتہ لپکا کرنے کے
لئے وہ لوگ آرہے ہیں کانی اچھے اور شریف
لوگ ہیں لڑکا بھی ماشاء اللہ کانی پڑھا لکھا سلجھا ہوا
ہے اس کا اپنا کاروبار ہے۔“ زربینہ بیگم نے اسے
تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

”ہونہ کاروبار، ہوگی کوئی چھوٹی سی شاپ
بزس مین تو جینے کے پاپا جیسے لوگ ہیں جتنی اس

”اوہ کم آن ڈنیر، میرے پاس آئے ہوئے
ہیں اور میں کیا کر سکتی ہوں؟“ علیہ نے
تو تھرا وقت رہا اور خوبصورت ہوسٹا ہے۔
جینے پر اسرار مسکراہٹ سے جواب دیا۔
”کیا مطلب؟“ علیہ نے فوراً بے چینی
سے پوچھا۔

”میرا مطلب ہے کہ کل تم کوئی بہانہ بنا کر
اپنے کاج ٹیٹ پر میرا انتظار کرنا میں تم کو وہاں
سے یک کر لوں گا پھر ہم سارا دن خوب انجوائے
کریں گے تمہیں ڈھیر ساری شاپنگ کرواؤں گا،
تمہیں جو کچھ چاہو ریسٹورنٹ میں ڈنر کا شوق ہے
میری جان کل تمہاری یہ خواہش پوری کروں گا۔“
جینے نے علیہ کی لاپچی طبیعت کے پیش نظر اسے
بہا لہر کا دانہ ڈالا۔

”کیا تم کچھ کہہ رہے ہو مجھے خود تم سے ملنے
کا بہت شوق ہے میں تمہارے سنگت میں ساحل
سمندر پر درود رکھ چلتا چاہتی ہوں مگر آج کل کاج
کا آف ہے تو میں کیا بہانہ کر کے باہر نکلوں فون
پر ملے گی آج کل شازمین کو مجھ پر کچھ شک سا ہو
گیا ہے اور پھر وہ..... اگر اس کو کچھ معلوم ہو گیا
اور اس نے تمہارے گھر میں کسی کو کچھ بتا دیا تو؟“
علیہ نے اپنے خداشات کا اظہار کیا جبکہ دل تو
اس کا کسی ملاقات کا چاہ رہا تھا۔

”اوہ کم آن بے بی میں تمہاری آنکھوں
میں اپنے چار کاغذ دیکھنا چاہتا ہوں، تمہارے
دندوں کے کس کو محسوس کرنا چاہتا ہوں کیا تم اپنے
دبانے کی اتنی سی آرزو پوری نہیں کر سکتی؟ اور پھر
تم جیسی بولڈ اور پر اعتماد لڑکی کے منہ سے ان
فیکل لڑکیوں جیسی باتیں اچھی نہیں لگتیں تمہیں
پتہ ہے تمہارا بولڈ انداز ہی تو مجھے Attract
کرتا ہے، بس کل تم ریڈی رہنا میں کاج آف

کس پہنچ گئی، آج کل لڑکیوں کے پاس
اور بلیوں کی طرح وقت بیک وقت ہاتھ
چلے سے بیوی کی مانی زیادہ لئے انہیں پسند نہیں
کرتے انہیں تو ایسی لائف پارٹنر چاہیے جو ان
کے ساتھ سوسائٹی میں مودود کر سکے ان کے ساتھ
قدم سے قدم ملا کر چل سکے۔“ علیہ کو کل ہی تو
جینے نے اپنے آئیڈیل کے بارے میں بتایا تھا
اور وہ دے ہی زندگی کا خواب دیکھتی تھی بیگ
بیلنس، مینجے لمبوسات، براؤڈ ڈریموز، گاڑی،
شاپنگ اور پارٹی میں تو اس کے جانی آنکھوں
میں بے بس تھے جن کی تعبیر جینے کی سورت پتھر
قدم پر کھڑی تھی جس سے وہ تیار ہونے کا وہ
سوچ بھی نہیں سکتی تھی چاہے اس سے لے اسے
اپنے والدین کے فیصلوں سے بغاوت ہی کیوں
نہ کرنا پڑے یا ان کی عزت و توقیر کو آج آئے وہ
اپنی خوش قسمتی کے دروازے کو خود پر بند نہیں کر
سکتی تھی، بقول اس کے یہ اس کی زندگی ہے جس
کو اپنے مطابق گزارنے کا اسے پورا حق ہے۔

آج کل گھر میں شازمین کے رشتے کی
بات چل رہی تھی مگر علیہ کو اس میں کوئی دلچسپی
نہیں تھی اس کا خیال تھا کہ شازمین کی شادی تھی
اس کے جیسے کسی سفید پوش گھرانے میں ہو رہی ہو
گی جہاں اسے اپنی خواہشات اور آرزوؤں کا نگہ
گھونٹ کر محرومی کی زندگی گزارنی ہوگی۔
”ہیلو جینہ! بے ہو؟ کالی دن ہو گئے تم نے
کوئی کال نہیں کی۔“ علیہ نے شکوہ کیا۔

”ہاں بس کچھ مصروف تھا، تم سناؤ کیا ہو رہا
ہے آج کل۔“ جینہ نے بھی اس کی خیریت
پوچھی۔

”کچھ نہیں یار، بس وہی بورنگ لائف۔“
علیہ نے بیزاریت سے کہا۔

باؤل ہو کر من چرل کر دی اگر کسی کے پاس
کا ہو سکتا ہے چاہتا ہوں۔“ جینہ نے اسے
کارپا کھلاڑی تھا اور بے معلوم تھا کہ کون سا
تپ کا پتہ کہاں بیٹھتا ہے اور شکار کو کب اور
کہاں دانہ ڈالنا ہے کہ شکاری خود قفس میں آ
جیسے، علیہ کو پہلے ہی اپنے حالات سے عاجز
اور بیزار تھیں اب جینہ جیسے امیر اور خوب رو جوان
کی صورت میں اسے اپنی خواہشات کی تکمیل اور
اس کئے ماحول سے نجات دہندہ ملا تھا لہذا چند
خوبصورت جملے اور حسن کی تعریف میں نادان
بنت حوا میں آدم کے بھکاوے میں آگئی، روزانہ
گھنٹوں فون کال پر بات کرتا، اس کا معمول بن
گیا اب اس نے چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ ہوتا یا
الٹنا چھوڑ دیا تھا نہ ہی اپنی غریبی کا ردنا روتی، ای
اس کی طرف سے کچھ مطمئن ہوئی تھی اور آج کل
وہ دیے بھی شازمین کی شادی کے لئے فکر مند
تھیں ملا شازمین انتہائی خوبصورت اور خوب
سیرت تھیں اس کی سادگی اور سفید پوشی کی وجہ
سے اب تک کوئی مناسب رشتہ نہیں آیا تھا آج
کل شازمین کو علیہ کی حرکتیں کچھ مشکوک سی
لگتیں، راتوں کو دیر تک جاگتا، نہ جانے کس
دوست سے اتنی لمبی باتیں کرتی رہتی تھی پھر اس کا
کھویا کھویا انداز ایک مکان ہر وقت ہونٹوں پر
موجود رہتی تھی۔

”علیہ میں دیکھ رہی ہوں تم آج کل سارا
وقت موبائل پر لگی رہتی ہو تمہارا رزلت آنے والا
ہے، اس وقت تک کوئی سلائی یا کوئنگ کوئس کرلو
تاکہ گھر داری میں کچھ میرا ہاتھ بٹاسا کوئی بیمار
رہتی ہیں میری کچھ مدد کر دیا کرو۔“ شازمین نے
اس کو زنی سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”اف او، ایک تو تم اور تمہارا لیکچر شازمین
کس دنیا میں رہتی ہو باہر نکلو دیکھو دنیا کہاں سے

”اگر ہاں کے کہیں کوئی ہوئی تھی اپنی جگہ کا
معاشرے ہوئے وہ چونک گئی۔“

”مرید پڑ، وہ بھی ہماری اس تنگ جگہ میں
وہ بھی ہمارے گھر کے سامنے؟“ علیہ کو
حیرانگی کے ساتھ ساتھ تجسس بھی ہوا گھر کے اندر
داخل ہوتے ہی اسے غیر معمولی چہل پھل کا
احساس ہوا۔

”اُسے علیہ تم آ گئی، امی تمہارا دوبار
پوچھ چکی ہیں چلو جلدی سے فریش ہو کر کھانا کھا لو
آج تو تمہاری پسندیدہ ڈسٹرٹری ہے لہذا آج تم
خوش ہو کر کھانا کھاؤ گی۔“ شازمین نے خوشدلی
سے اسے کہا۔

”ہوں، ہاں کھانا تو میں کھا لو گی مگر یہ بتاؤ
کہ ہمارے گھر ایسا کون مہمان آیا ہے، ہمارا تو
کوئی اتنا امیر رشتہ دار نہیں نہ ہی اب کے کوئی واقف
کار اتنے دولت مند ہیں۔“ علیہ نے شازمین کے
معمول سے ہٹ کر سنجے سنوے روپ کو دیکھ کر
پوچھا اس نے کائن کا سادہ سا سوٹ زیب تن کیا
تھا اور اماں کی ڈانٹ پر ہلکا ہلکا میک اپ کانوں
میں، سلور کی بالیاں پہن لی تھیں جس نے اس
کے معصوم حسن کو دو آتشہ بنا دیا تھا، اس وقت
علیہ کو شازمین سے کچھ جیسی محسوس ہوئی اس
سے پہلے شازمین اس کو کوئی جواب دیتی امی کی
پکار پر اسے اندر جانا پڑا۔

”علیہ تم بس بھی کر ڈرانگ روم میں آ
جاؤ امی ویسے ہی تمہارے اتنی دیر سے آنے پر خفا
ہیں۔“ شازمین نے جانے اور ٹیلفونٹ کی بجائی
ٹرائی پر ایک تنہیدی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا، علیہ
یہ سب دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہی۔

”ابا کی اتنی قلیل تنخواہ میں تو مہینے کے آخر
میں ایسی عیاشی کا سوچ بھی نہیں سکتے جبکہ ٹرائی

خیر فرشتہ راج کی طرف دیکھتے ہوئے
کہا ”اوسے یار تم کہیں ہو تو چھوڑ دینا ہوں،
وہ تمہارے زلف کے سحر اور وجود کی مہک میں
خود قید کرنے کا دلی چاہ رہا ہے۔“ جنید نے تھوڑا
اس کی طرف جھٹکتے ہوئے خراب لہجہ میں کہا۔
”اوف جنید ایک تو تم بھی ناں، بعض
اوقات اتنی فضول باتیں کرتے ہو۔“ علیہ حقیقتاً
اس کی گفتگو سے خائف ہو گئی تھی۔

”اوسے اوکے ناراض نہ ہوں بس میرا
دماغ ہی دوسٹیک ہے اور پھر تمہارا ہوشیار حسن
دیکھ کر دل تھوڑا بے قابو ہو گیا تو مجھ بچپارے کا کیا
خبر؟“ جنید نے معصومیت سے کہا تو علیہ کی
جھلیکھ گئی جنید جیسے گھاک شکاری کو اندازہ تھا
کہ وہاں پرندے کو اپنے ہوس کے نفس میں قید
کرنے کے لئے کب کس وقت اور کیسے عیارانہ
نفلوں کا جال پھینکتا ہے۔

”مگر یار ایک چھوٹی سی معصوم خواہش ہے
میرے ساتھ سیلفی بنوا لو میں یہ تمہارے
ساتھ ڈرائے خوبصورت لمحات کو اپنے دل میں
بیکھرتے لئے قید کرنا چاہتا ہوں تاکہ تمہاری عدم
موجودگی میں تم کو دیکھ سکوں تم نہ ہی تمہاری تصویر
ہی تھی اسی سے جب دل چاہے باتیں کر
سکوں۔“ جنید نے اداس لہجے میں کہا علیہ کو کیا
اعراض ہو سکتا تھا پھر انہوں نے اپنے موبائل
فون اس کی اپنے ساتھ مختلف زاویے سے سلیکی
لی، ہر تصویر میں اس کا ہاتھ کبھی علیہ کے کندھے
پر اور کبھی اس کے رخسار پر تھا علیہ چاہے کبھی اس
کو ٹوک نہ سکی، وہ جنید جیسے دولت مند شخص کو کسی
طرح ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی واپسی میں وہ
بہت خوش تھی جنید نے اسے ایک مہنگے بوتیک سے
ڈریس اور برائڈ ڈپر فیوم لے کر دیا تھا۔

قسمی کا روزہ خوبصورت لکھنؤ میں نہیں بلکہ
انٹرنیشنل اور انڈی کی چلی۔“ علیہ نے کھانے کے بعد
کی سادی کو ایک عام سے سمرانے میں ہونے جا
رہی ہے وہاں سچی دن رات اس کا روٹی روزی کی
فکر کرتے گزرے گا، اس کی خوبصورتی کی
چھوٹے سے گھر کے آگن کی صفائی کرتے، برتن
مانجھے ماند پڑ جائے گی جبکہ میں مسز جنید بن کر
ایک بیورو کریٹ کی بیوہ کھلاؤں گی روزانہ گیٹ ٹو
گیڈر پارٹی، مہنگے ملبوسات، برائڈ ڈپر فیوم،
ڈانمنڈ اور گولڈ کی چوڑی۔“ مسز میرا ہوشیار
والا ہے۔“ علیہ نے خود کو فخر کرتے ہوئے
سوچا۔

”اُسے مادام کہاں کھو گئی؟“ سر دیکھا جا کر
ہے پھر اک دو ایس ڈرائے بھی لکھنا۔“ جنید
نے اپنی پیٹ میں چکن سٹیک اور رائز ڈائٹ
ہوئے کہا۔

”ارے ہاں، تمہارے رنگ وقت گزرنے
کا پتہ ہی نہیں چلا۔“ you know آج میری
بڑی بہن کے رشتے کے لئے شادی ہے۔“
تو مجھے جلدی جانا ہے۔“

”اوہ کم آن ڈیئر ابھی آئے تمہیں صرف
ایک گھنٹہ ہوا ہے اور جانے کی رشتہ لگا دی، ابھی تو
میں نے دل بھر کر تمہیں دیکھا بھی نہیں۔“ جنید
نے لگاؤ سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور
وہ نادان حوا کی جی امی کی اتنی الفت اور محبت
بھرے لمس پر ہی ہنس گئی۔

”ارے میں کون سا تم سے دور ہونا چاہتی
ہوں مگر جانا تو پڑے گا ناں، کانچ نا تم گزر گیا تو
مسکد ہو جائے گا اب مجھے کانچ ڈراپ کر دو تاکہ
چھٹی سے پہلے کانچ کے اندر چلی جاؤں ورنہ
میری دوستوں نے دیکھ لیا تو مصیبت ہو جائے گی
ان کے احقانہ سوالات کا کون سا مانتا کرے۔“

”کسے دیا۔“ علیہ نے ہونے سے کہہ دیا۔
”نہیں! آج بچہ دو گا۔“ علیہ نے دل
سوچا۔
”اچھا امی کوشش کروں گی جلدی آنے
کی۔“ علیہ نے اپنی حیرت کو مصلحت کے
خول میں چھپاتے ہوئے کہا اس وقت وہ کوئی
ایسی بات نہیں کرنا چاہتی تھی جس کی وجہ سے اسے
زیر تنقید کان جانے کی اجازت نہ دے۔

☆☆☆
”ہیلو یو! بیوٹی فل یار تم تو پہلے سے بھی
زیادہ حسین ہو گئی ہو۔“ جنید نے اس کی تعریف
میں زمین و آسمان کے قلا بے ملاتے ہوئے کہا۔
”یار! میں تو پہلے ہی تمہاری معصوم اداؤں
اور شوخ باتوں کا دیوانہ تھا اب تو لگتا ہے یہ دل
بھی میرے ہاتھوں سے کیا قسم سے اب تو مجھے
جانتی آگھوں سے بھی صرف تمہارا پری چہرہ ہر
جگہ دکھائی دیتا ہے۔“ جنید نے اپنے دل پر ہاتھ
رکتے ہوئے ایک آنکھ دباتے لوفرانہ انداز میں
کہا۔

علیہ کو کچھ عجیب سا محسوس ہوا لیکن جلد ہی
وہ مسرت جھٹک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئی ویسے بھی
حسن کی تعریف تو علیہ جیسی خود پرست اور کم
صورت لڑکی کی کمزوری تھی اسے اس حقیقت کا
اچھی طرح ادراک تھا کہ وہ عام سے عین نقش
والی مگر پرکشش سراپے کی مالک ہے، آج ایک
صنف مخالف کے منہ سے اپنی تعریف وہ بھی
ریٹورنٹ کے رومانٹک ماحول میں سننا اچھا لگ
رہا تھا، دن کے وقت بھی ریٹورنٹ کا ماحول
تاریک اور خوابناک تھا، میوزک کی ہلکی ہلکی دھن
میں وہ خود کو ہواؤں میں اڑتی محسوس کر رہی تھی
اس کو اپنی خوش قسمتی پر ناز ہو رہا تھا۔

”بونہ اب میں دکھاؤں گی شازمین کو خوش

میں شادی کے اچھے دن شادی کیا ہے،
 ہنسی کی لہر لگے گی۔ ہنسی کی لہر لگے گی۔
 موجود ہے۔
 ”تو کیا؟“ یہ لوگ شازمین کے رشتے
 کے لئے آئے تھے دولت مند لوگوں کو شازمین اور
 ہمارے سادہ سے گھر میں ایسا کیا نظر آ گیا اب تو
 ان لوگوں کی حیثیت کے مطابق جہیز بھی نہیں
 دے سکتے، یقیناً لڑکے کی دوسری شادی ہوگی یا
 لڑکے میں کوئی جسمانی معذوری ہوگی جس کی وجہ
 سے غریب گھرانے کی لڑکی کو بیاہ رہے ہو گئے
 تاکہ اسے دیا کر رکھ سکیں۔“ اپنے آپ سے اچھے
 خود ہی سے سوال جواب کرتے آخری بات پر
 علیشہ نے خود کو ٹکی دی۔

”یقیناً یہی بات ہوگی۔“ یہ سوچ کے
 مارے جس کے اس نے کھانا بھی نہیں کھایا ویسے
 بھی جنید کی سنگت میں بچ کر چکی تھی، فائدہ
 کچھ نہ پہنچ کر کے ڈرائنگ روم میں پھٹی تو وہاں
 ک محظوظ دیکھ کر حیران رہ گئی، وہاں دو بہت ہی
 ڈینٹ اور سویری خاتون تھیں ایک امی کی عمر کی
 یقیناً لڑکے کی والدہ تھی اور دوسری نڈل اتج کی
 لڑکے کی بہن لگ رہی تھیں ان کے ساتھ ایک
 گول منڈل پیدا سا بچہ بھی تھا دونوں نے صوفے
 کے درمیانی حصے میں شازمین کو بٹھایا ہوا تھا اس
 سے بڑے پیار سے ملنے پھلنے سوالات کر رہی
 تھیں، جن کا شازمین شرمیلی مسکان کے ساتھ
 جواب دے رہی تھی ایک با پھر علیشہ کے اندر
 حد کے سانپ نے پھن پھیلایا۔

”ارے ارے آؤ علیشہ، وہاں کیوں رک
 گئی، ان سے ملو اور ان کو سلام کرو اب تو ماشاء اللہ
 یہ ہمارے گھر کا ہی فرد ہیں ان سے بچکانے کی
 ضرورت نہیں۔“ اماں نے علیشہ کو آواز دی تو
 مجبوراً اسے اندر قدم بڑھانا پڑا، ورنہ دل چاہ رہا

تھا وہ سے واپس لوٹ جائے
 ”السلام علیکم“ اس نے ہنسی سے ملا کر
 ”ہی“ سے پہلے تم سے ملاقات نہیں ہو سکی، آؤ دھر آ کر
 بیٹھو۔“ انہوں نے اپنے برابر میں جگہ دینے
 ہوئے کہا علیشہ ان کے اخلاق سے بے حد متاثر
 ہوئی۔
 ”تو آپ شازمین کی چھوٹی بہن ہیں یعنی
 ہمارے بھائی کی اکلوتی سالی۔“ دوسری خاتون
 نے خوشدلی سے کہا۔
 ”سالی! تو کیا رشتہ رکھا ہو گیا ہے؟“ علیشہ
 نے دل میں سوچا۔

”جی ہاں، شازمین اب صرف ایک ماہ کے
 لئے آپ لوگوں کے پاس لیٹے ہوئے ہیں۔“
 بہرا کو اپنے گھر کی عزت بنا کر دول میں بٹھا کر
 لے جائیں گے، کیوں شہریار، ٹھیک کر رہی ہوں
 ناں میں۔“ ان کی بات پر علیشہ نے اپنے سائبر
 والے صوفے کی طرف دھیان دیا جہاں اس کے
 ساتھ ڈارک براؤن آنکھوں اور سنہاروں کے ساتھ
 ساتھ ایک نوجوان ایسے کسی سائی اور ہونٹوں
 کر رہا تھا، اس نے مسکرا کر علیشہ کی طرف اشارہ
 دیکھا۔

”بھئی میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ یہ تو آپ
 خواتین کا شعبہ ہے۔“ اسی وقت ایک عرصہ کی نماز
 پڑھنے اٹھ گئے ان کی وجہ سے عورتوں پر کثافت ماحول
 تھا، اب وہ لوگ فری ہو رہے تھے۔
 ”ارے علیشہ دیکھو ذرا، جناب کے کن
 میں لٹو پھوٹ رہے ہیں بھی شازمین جیسی حسین
 لڑکی آپ کا نصیب بنے جا رہی ہے آپ کو تو ہمارا
 شکر یہ ادا کرنا چاہیے۔“ زمین نے علیشہ کو بھی
 اپنی گفتگو میں گھسینا چاہا مگر اب وہاں اس کا بیٹنا
 محال ہو رہا تھا وہاں تھکاوٹ اور سردی کا بہانہ بنا کر

اٹھ بیٹا کو اس کے روئے پر
 ”ہاں بیٹا تم جا کر آرام کرو کالج سے آ کر
 ملتی ہوگی ویسے بھی اب بہن کی شادی کی
 جہاز اور بازار کے چکر لگیں گے۔“ اب ان کی
 بزم گھر کی شازمین کی طرف تھی علیشہ
 وہاں سے فوراً ہٹ گئی اپنے کمرے میں آ کر بھی
 نہیں مل رہا تھا۔

”شازمین جیسی دیو سیدھی سادی گھر میں
 ہے وہاں لڑکی کا نصیب اتنا اچھا بھی ہو سکتا ہے،
 دولت، دھن داری اور اتنا خوب روٹا کا، جینو تو اس
 کے ہاتھ بھی نہیں ہاں دولت میں اس کے ہی
 ہوتے ہیں، میں آج ہی جنید سے بات کر دیتی کہ
 میرے لئے اپنے والدین کو بھیجے، شازمین کی
 ملائی تھی سے پہلے اتنے امیر خاندان میں ہو،
 یہ ایسا بھی نہیں ہونے دو گئی جنید کی سے کم ہے
 ان کے مال ہو جائے گی، خود کو کیا مہتی ہے، اگر
 ان کی صورت ہے تو میں بھی گڈ لکنگ اسمارٹ
 اب سے بڑھ کر زمانے کے ساتھ قدم ملا کر چلنا
 ہے۔“ علیشہ ایک ان دیکھی آگ میں جل
 رہی تھی سوچے بنا کہ قسمت بنانا اور والے کا
 کام ہے ہاں ماں باپ کی دعائیں قسمت کی
 مگر بدل دیتی ہیں، شازمین کی فرمانبرداری و
 فطرت نگراری اور والدین کی دعائیں آج اس
 کے اچھے نصیب کا وسیلہ بنی تھی اس کا رشتہ ایک
 نفس امیر گھرانے میں ہوا اور شہر یار جیسے شریف
 اور با اخلاق جیون ساتھی کے ساتھ اس کا نصیب
 بڑھا تھا۔



دو لگے اس کا کھانا کھا کر اور تاریخ طے کر
 سے باہر نہیں لی اب بھوک نے ستایا تو کمرے
 سے باہر نکلی شازمین جیسی مسکان لئے برتن دھو
 رہی تھی جیسے ہی علیشہ کچن میں داخل ہوئی وہ اس
 کی طرف بڑھی۔
 ”ارے علیشہ تمہاری طبیعت اب کیسی ہے
 تم نے تو کھانا بھی نہیں کھایا تم بیٹھو تمہارے لئے
 کھانا گرم کرتی ہوں۔“ شازمین نے اپنے ہاتھ
 پونچھے ہوئے کہا۔

”بس رہنے دو اتنا خیال ہوتا تو پہلے ہی
 میرے کمرے میں آ کر کھا جاتا لیکن مگر تمہیں تو بتا،
 نیا امیر سرسرا ل گیا سنا ہے ان لوگوں نے تمہیں
 دس ہزار روپے اور اپنا خاندانی جڑاؤ لکھن پٹنا
 ہے ذرا دکھاؤ تو مجھے بھی۔“ یہ کہہ کر خود ہی
 شازمین کی کلائی آگے کی، اس کی دو دھیا کلائی
 میں ہیرے کا جڑاؤ لکھن بہت ہی خوبصورت لگ
 رہا تھا لیکن علیشہ کو اپنی سگی بہن کی خوش نصیبی پر
 رشک کی بجائے ہمیشہ کی طرح حسد محسوس ہوا۔
 ”ہوں، تمہاری تو لاٹھری نکل گئی مگر یاد رکھنا

شازمین اپنے سے اونچے خاندان میں کیے گئے
 رشتے پاؤں پر نہیں ہوتے دیکھو میں تمہاری بہن
 ہوں تمہارا بھلائی جا ہو گئی اللہ کرے شہر یار اچھا
 جیون ساتھی ثابت ہو مگر ان امیر لڑکوں کا کچھ پتہ
 نہیں ہوتا شادی بھی ان کے لئے مشکل ہی ہوتا
 ہے کئی ایسا نہ ہو تمہاری خوبصورتی سے دل بھر
 جائے اور تم کو جلد ہی.....“ علیشہ نے اپنے اندر
 کی ساری جن اور کھوں اس پراثر لی۔

”اللہ نہ کرے شازمین تم بہن ہو کر کیسی
 باتیں کر رہی ہو ارے ہمیں تو ایسے موقع پر خوش
 ہونی ہیں مگر تم نے آج تک مجھے بوی بہن کا درجہ
 دیا ہی نہیں نہ بھی میرا دکھ شیر کیا۔“ شازمین

نے دکھ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 "میں نے مجھے جو ایسی نیند سونے کی
 ملائی ہو اس نے اس کی بھلائی نہ کہ ہمارا بیمار
 مریض" علیچہ نے کندھے اچکا تے ہوئے کہا۔
 "اور ہاں ان دس ہزار میں سے دو ہزار
 ...

مجھے دے دینا اگر تمہارا پیوستی جان لوں میرے
 بھی ان پیوستوں پر حق ہے۔ علیحدہ کھانا کھا چکی
 تھی ٹیکل سے اٹھے ہوئے شان بے نیازی سے
 بہا شائین کو اس کی بے حس پرودا آیا، اس کا
 اب ڈرامنگ روم کی طرف تھا جہاں اماں اپنا
 شادی کے اخراجات پر ہونے والے خرچے کا
 کتاب کر رہی تھی۔

”اے بہت ہی وضع دار اور خاندانی لوگ
تمہیں امیر اور غرو نام کہیں اتنی انکساری آج
دور میں کہاں پائی جاتی ہے؟ شازمین کو
یہ جڑاؤ کلن اور دس ہزار روپے دیئے
یہ مٹھائی و پھل کے اتنے سارے
میں تو رب کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے،
تو اچھا رشتہ مل گیا بس یہ سب میری
نیک بختی کے صبر اور فرمانبرداری کا
لہجہ میری بچی کو بدتر نصیب کرے، صبح
داروں اور محلے میں مٹھائی بھجوائی

اب پڑی،
سب کو
گر وید

لوٹنا انکارے چائے رکھنا اور
 تھک کر کیوں چلی گئی تھی یہ کوئی
 تہ ہوئے وہ لوگ اور وہ لڑکا
 تھی ہے اس کی عزت کرنا
 کل سے شازمین کو یکسر
 نکالا ہے

بودی لڑ
 میں ہے
 شازمین
 ہوگا مجھے
 رہی۔۔۔ عل

Digitized by Google

عجب نے فیصلہ کر لیا تھا کہ شازمین کی شادی کے فوراً بعد وہ جلد سے اپنے اور اس کے رشتے کی بات کرے گی کہ وہ جلد از جلد اپنے گھر والوں کو پیچھے شازمین کی خوشیاں دیکھ کر اس کے اندر کالاج اور حرمیں حریہ بڑھ گئی تھی وہ کسی طور پر بھی شازمین کو اپنے سے آگے بڑھنے دیکھنا نہیں چاہتی تھیں پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے دکھاوے کے لئے شازمین کی ہر رسم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ شازمین کی بری میں آیا زرتار سرخ لباس اور طلائی زیورات، براہر ڈمیک اپ ہر چہرے اور ٹیس بھی ہر ایک شازمین کی قسمت پر رنگ کر رہا تھا۔

بابا اور اماں بہت خوش اور مطمئن تھے علیحدہ کے لئے بھی شہر یار کی والدہ نے سونے کے جھکے اور یونٹیک کا خوبصورت لباس بھجوا یا تھا لیکن علیحدہ کی آنکھوں پر لالچ و حرص کی بیٹی بندی بھی وہ تو شازمین کی ہر اچھی چیز پر اپنا حق سمجھتی تھی۔

☆☆☆

شازمین کی شادی بخیر و خوبی انجام پائی خوبصورت تو وہ پہلے ہی بھی مگر اب قیمتی لباس فاخرہ اور یونیشن کے ماہر ہاتھوں سے کیے گئے سنگھار نے اس کے سادہ سے روپ کو ماروا کی حسن بخش دیا تھا شہر یار بھی اس کی سنگت میں بہت خوش تھا اس کو شازمین کی صورت میں اپنا آئینہ مل گیا تھا۔

”ماشاء اللہ آپ تو بہت ہی خوبصورت ہیں شازمین، میں نے نیک سیرت ہم سفر کا خواب دیکھا تھا مگر اللہ نے نیک سیرت کے ساتھ اپنی

جتنی اللہ کا شکر ادا کروں کم ہے۔“ شہر یار نے اس کے ہاتھوں میں لگا کر اس کے دل کو گرم کیا۔ اس ادا پر فریفتہ ہو گیا پھر شازمین نے جلد ہی اپنی سادہ طبیعت اور سلیقہ مندی سے گھر کے کیٹوں کا دل جیت لیا اس کی تندر بھی اس کو ڈھیروں پیار دے کر واپس اپنے گھر جا چکی تھی گھر میں نوکر چاکر کے باوجود شازمین صبح کا ناشتہ اور رات کا کھانا اپنے ہاتھوں سے بناتی شہر یار کی طرف کی تیاری میں مدد کرتی رہی۔ شہر یار کی غرض تمام ذمہ داری وہ خوش اسلوبی سے ادا کر رہی تھی شہر یار کو یہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ دن بدن اس کے خلوص و محبت سے شازمین اس کی صبح اب شازمین کے چہرے پر دیکھ کر ہوتی اور گھر آ کر بھی اس کی شازمین کو ڈھیروں پیار ہوتی، جو کسی ماما کو ادا کر بڑھ کر سنار ہی ہوتی تھی ان کے ہاتھوں کا سامان گر رہی ہوتی بھی ان کو دور سے دیکھ کر کچن میں مصروف ہوتی، اس کو یہ سب خوبصورت لگ رہا تھا آبی کی شادی کے بعد شازمین ماما کے فوج سے متاثر ہوتے پر گھر ورت کی چوڑیوں کی کھنک اور اس کے ہاتھ کے کھانوں کی خوشبو کے لئے جس گناہاں شہر یار روزانہ رات کا کھانا گھر ہی کھاتا تو پہلے زیادہ تر ڈنر باہر اپنے دوستوں کے ساتھ ہی کھاتا تھا ماما بھی اس سے بہت خوش تھیں شازمین کے روپ میں انہیں اپنی باتیں شیر کرنے والال لیا تھا وہ اس سے شہر یار کے بچپن کی باتیں اس کی شرارتیں اور تعلیمی کیریئر کے بارے میں باتیں کرتیں جنہیں شازمین بڑی توجہ سے سنتی دے بھی اسے شہر یار کے بارے میں باتیں کرنا چاہا

”ارے بھئی! تم لوگوں کی شادی کو پورا ایک ہو گیا مگر اب تک تم بہو کو کبھی گھمانے لے کر نہیں گئے۔ بیٹی کی کیا سوچ رہی ہو گی کہ شادی کے فوراً بعد ہی مجھے گھر گھر ہستی میں الجھا دیا۔“ شازمین نے کہا تو ہوتے ہیں گھومنے پھرنے کے پھر انشاء اللہ میرے پوتے پوتی ہو جائیں گے تو ان کی شادیوں اور کاموں سے کہاں فرصت ملے گی؟“ شازمین جو ان کے لئے چائے لے کر آ رہی تھی ان کی آخری بات سن کر مارے حیا کے

☆☆☆

”ارے ماما! آپ تو بالکل اپنی بہو کی ہو کر رہیں ہیں اب بس کی وجہ سے مجھے اپنے لئے بیٹے کو ڈانٹ رہی ہیں۔“ شہر یار نے معذرت خواہی سے کہا۔

”ہاں تو شازمین ہے ہی اتنی پیاری بیٹی کہ اگر کسی اس کا گردیدہ ہو جائے تمہارے پاس تو میرے لئے غامض ہی نہیں ہوتا اب میری بیٹی، میری بیٹی بھی بن گئی ہم ماں بیٹی دن بھر اتنا اچھا وقت گزارتے ہیں اور تم بھی تو اس کی خوبیوں کے متعارف ہو گئے ہو جب ہی اب سر شام گھر آ جاتے ہو تمہارا دل بھی تو اس کے بغیر نہیں لگتا۔“

”دیکھ لو میرا انتخاب کتنا لا جواب ہے ماشاء

اللہ چاند سورج کی جوڑی ہے اللہ پاک تم دونوں کو ہمیشہ شاد و خوش رکھے۔“ ماما نے شازمین کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر پہنچا تو شہر یار ان کی محبت پر مسکرائے لگا، پھر شہر یار کو تین ماہ کے لئے بڑس فور پر لنڈن جانا تھا لہذا وہ شازمین کو بھی اپنے ہمراہ لے گیا، جہاں شام کا سارا وقت وہ شازمین کے مہنگے وجود کے ساتھ گزارتا شازمین کے ہاتھ ہر وقت ہندی اور چوڑیوں سے سجی رہتی کیونکہ شہر یار کو اس کے ہاتھوں میں چوڑیوں کی کھنک بہت پسند تھی، علیحدہ کو جب سے پتہ چلا تو وہ انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔

”ہونہہ اس دو کمرے کے چھوٹے سے مکان میں رہنے والی اس دیو شازمین کی قسمت اتنی اچھی لگی لندن جیسا شہر جسے صرف خواب میں ہی دیکھا جاسکتا ہے آج وہ وہاں محوم پھر رہی ہے اللہ نے صورت کے ساتھ اس کی قسمت بھی اتنی اچھی بنائی ہے اور ایک میں ہوں ابھی تک حید نے اپنے گھر والوں سے بات نہیں کی روز آج کل پر ٹال دیتا ہے آج میں بھی اس سے دو ٹوک بات کر کے رہوں گی، آخر کب تک صرف یوں فون کالز اور ملاقات سے کام چلے گا، مجھے موبائل، گولڈ کی ہلکی ریگ جیسے معمولی گفٹ پر ٹالنا جا رہا ہے، کیا میں اتنی معمولی ہوں۔“ آج پھر اس کو اپنی کم صورتی کی وجہ سے احساس کمتری کا دورہ پڑا تھا، وہ یہ بھول گئی تھی کہ صورت سے زیادہ انسان کا اخلاق اور خوب سیرت ہونا زیادہ اہمیت رکھتا ہے پوری رات اس کی کانٹوں پر بسر ہوئی تھی، صبح اماں کو وہ کانٹوں میں ایڈیشن فارم لینے کا بہانہ بنا کر وہ حید سے ملنے مخصوص ریٹورنٹ میں آگئی جسے اپنے آنے کا وہ پہلے ہی بتا چکی تھی، آج اس نے شازمین کی شادی میں دیا گیا ڈریس اور جھکے پہنے تھے آئینہ گواہی دے رہا تھا کہ وہ

کاجی خیاں تھیں اور تم نے اس کا خلاف کیا۔
خیر تمہاری سزا میں تم نے دل بدل دیا۔
شام رنگین بنائی ہے لوہیں ہزار کا چیک اس وقت کی
قیمت جو تم نے میرے ساتھ لڑا تمہاری اوقات
سے نہیں زیادہ ہے ویسے بھی گولڈی رنگ اور کئی
میتھی لباس تم جیسی معمولی لڑکی کے میں نہ کر چکا
ہوں آئندہ میرے راستے میں آنے کی کوشش
مت کرنا ورنہ تمہاری ساری تصویریں جمع
ایڈیٹنگ تمہارے گھر پہنچ جائیں گی جو تم نے مجھے
سینز کی اور میرے ساتھ لڑکی سیلف میرے
موبائل میں بھیجا ہیں صرف اس کی ایک کاپی
تمہارے عزت و نام و باپ کا جنازہ نکالنے کے لئے
کانی ہو گا پھر اعراس کے ساتھ ساتھ جان سے
جی بچاؤ دھوئے اور تمہاری بہن کی نئی شادی
ہوئی ہے کی ایسا ہے وہ طلاق کا داغ لگائے آ
جائے ظاہر ہے چھٹی بہن کی بد کرداری و رسوائی
کا اس کی زندگی پر بھی اثر پڑ سکتا ہے اور میں ایسا
نہیں چاہتا ڈیر کیونکر تمہارے ساتھ بہر حال اچھا
وقت ہے اس لیے اس جی بچاؤ کو بھی کلوز کرو۔“ جنید نے اپنے
گولڈرنگ لٹے سفائی سے سج کا آئینہ دکھایا۔
”جنید... جنید... میرے ساتھ ایسا کیسے کر
سکتے ہو؟“ علیہ نے کہا اس کی بے حس و سفائی
پر ہراسی، جنید اس کی عزت و ناموس کو شوکار مار کر
آگے بڑھ چکا تھا علیہ جیسی لڑکیوں کا یہی انجام
ہوتا ہے مگر کچھ لڑکیاں شوکر گرنے کے بعد بھی نہیں
اپنی اس کی عیوب سے اور لالچ ان کو لے ڈیتی
ہے علیہ کا شمار بھی ان میں ہی ہوتا تھا۔

”ارے علیہ کیا ہو گیا ہے تمہیں دو دن
سے کمرے میں بند ہو، غیر ذمہ دار اور لا پرواہ تو تم
ہو، یہی جی گھر اب تو بالکل ہی گھر سے لائق ہو کر
رہ گیا ہو، نہ تمہیں پونڈی ماں کا خیال ہے جو سارا
دن جوڑوں کے درد کے باوجود گھر کے کام کاج
میں لگی رہتی ہے، نہ بیار باپ سے تمہیں کوئی لگاؤ
ہے اور تو اور بڑی بہن دو ماہ سے پردیس میں بیٹھی
ہے اس کی کوئی خیر خیریت کبھی معلوم کرنے کی
تو قی نہیں ہوئی جبکہ وہ تم سے کتنی محبت کرتی ہے
ہمیشہ تمہاری غلطی پر تمہیں بچانے کے لئے ڈھال
بن جاتی تھی۔“ زریبہ نے اسے لتاڑے ہوئے
کہا۔

”ارے شاز مین میری بہن ابھی ہے اس کی
موجودگی میں مجھے کبھی چٹن میں جھکا نہیں پڑا
اپنے باپ کی میڈیسن، کپڑے کی دھلائی، استری
کرنا گھر کی صفائی سارے کام منٹوں میں ختم
تھی، ابھی اس کے پیشانی پر تھکاوٹ کس سیکر نظر
نہیں آتی ہر وقت چہرے پر ایک بر سکون
مسکراہٹ رہتی، مگر تم سے تو کئی اچھائی کی امید
رکھنا ہے بس اپنی ذات میں کم رہنا۔“ زریبہ
بیگم نے تاسف سے اس کو دیکھا جو ابھی بھی
لا تعلقی و بے زاری سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔

”بس امی! ہر وقت شاز مین یہ، شاز مین وہ
بہی سنتے ہو وہ اس گھر سے چلے گئے ہے مگر ابھی
بھی آپ صرف اس کے ہی گن گاتی ہیں میں تو
آپ کو کبھی نظر ہی نہیں آئی بس سارے عیب مجھ
میں ہی نظر آتے ہیں اور وہ جی مینی صورت کے

کہا۔
”تو تم بھی بچہ ہو اس کا اس کا خلاف کیا
ہاں اور بول دولت کرسی کا میں کو مسئلہ ہے
جہاں مجھ جیسا امیر اور خور و لاکو دیکھا فوراً شادی
کے خواب دیکھنے کی ارے میرا میٹ اتنا خراب
نہیں کہ تم جیسی معمولی لڑکی کو لائف پارٹنر بناؤں
گا، ویسے بھی شادی تو میں اپنے پیسے کی پسند
سے ان کے بزنس سرکل میں کروں گا، وہ تو میں
اپنی سوسائٹی کی حسین، طرہ دار و شیرازوں کی
اداؤں کو دیکھ کر کھوڑا اور ہو گیا تھا تو سوچا پھر
میٹ پیچ کر لیا جائے، پھر میں اپنی کون کون
برتھ ڈے پر دیکھا تو بس دانہ قاتل دیا اور تم کو
کلاس کلاس میلی کی خواہشات کی ماری لڑکی میری
ذرا سی تعریف پر پھسل گئی چند مٹی جھانک پھیل
گئی ڈیر یہاں تک تو سب کچھ تھا اگر تم جی بچاؤ تو
آگے بھی یہ کرم نوازیں تم پر کی جاسکتی ہے مگر
صرف ناٹم پاس اور میرا دل بھلانے کے عوض،
شادی وادی کا خیال دل سے نکال دو۔“ جنید نے
کچھ حقارت اور تکبر سے کہا۔

”جنید... جنید دیکھو ایسا مت بولو میں
تو اپنی تمام دوستوں کو بھی بتا رہا ہے کہ تم مجھ سے
شادی کرنے والے ہو اب میری کئی بھائی ہو گئی اور
میں تو گھر میں بھی شاز مین کے توسط سے
تمہارے اور میرے رشتے کا بتانے والی تھی۔“
علیہ نے روتے ہوئے کہا۔
”کیا؟ تمہارا دماغ؟“
پوچھے بغیر تم نے خود ہی کیلے فیصلہ کر لیا تھا
اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تم نے کس کو کیا بتایا
ہے اور وہ تمہاری بہن شاز مین تم سے کتنی مختلف
ہے میں نے ایک دوبار تمہارے ساتھ اسے کانٹ
آتے دیکھا تھا، بڑی سی چادر میں خود کو سمیٹ کر
حیاء کا چکر اور ایک تم... جسے اپنی عصمت و وقار

چھین نہیں لینے دے رہی تھی یہ سوچے بغیر کہ وہ
کون سا اس کے ساتھ مخلص اور با وفا تھی اس کی
محبت بھی تو لالچ اور حرص میں لپیٹی تھی وہ بھی تو

پر کشش رہی تھی۔
”ہوں میں ہی سے نہیں بھرا، اس کا بار
جینہ سے شادی ہو جائے تو پھر جی لاس، میک
اپ، جیولری یہ چیزیں مجھے خود خوبصورت بنا دیں
گی، جیکس، یو پ، جرنی کا دورہ دوپٹی کے
شاٹنگ مال میرے لئے معمول کی بات ہوگی۔“
اسے میں جینہ بھی آگیا وہ نیوی بلیو شرٹ اور اپنے
پونی میں قید کے بالوں کے ساتھ جاذب نظر لگ
رہا تھا مگر شہر کی شخصیت کے آگے وہ بہت
معمولی لگ رہا تھا۔
”اوہ آج تو ڈیر بہت ہی خوبصورت لگ
رہی ہو یہ لباس تو تم پر بہت سوٹ کر رہا ہے کیا
مجھے اپنی قاتل اداؤں سے قتل کرنے کا ارادہ
ہے۔“ جینہ نے آنکھ دہاتے ہوئے کہا۔
”اوہ جینہ میں تمہاری ان باتوں سے اب
نہیں بھٹکتی والی، تم اپنے گھر والوں سے ہمارے
رشتے کی بات کرو آخر کب تک بغیر کسی مضبوط
رشتے کے ہم اس طرح ملتے رہیں گے شاز مین کی
شادی کے بعد اب اماں میرے لئے بھی رشتہ
ڈھونڈ رہی ہیں کی دن میری شادی ہو جائے گی
اور تم یوں ہی غیر سنجیدہ بیٹھے رہنا۔“ علیہ نے
ایک اداسے روٹنے والے انداز میں کہا۔

”ہا ہا ہا او تمہاری شادی زبردست یار مجھے
ضرور انوائز کرنا آخر تمہارا میٹ بوائے فرینڈ
ہوں میں بھی تو دیکھوں وہ کون خوش نصیب ہے
جو ہماری بلبل کے اداؤں کے جال میں غر بھر قید
ہو رہا ہے۔“ جینہ نے لا پرواہی سے فریش لیمن
جوس کا سب لیتے ہوئے کہا علیہ نے بے یقینی
سے اس کی طرف دیکھا۔
”کیا... کیا... تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم
مذاق کر رہے ہو ناں؟ دھو جنید I am
serious۔“ علیہ نے پریشان ہوتے ہوئے

کہا۔
”کیا... کیا... تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ تم
مذاق کر رہے ہو ناں؟ دھو جنید I am
serious۔“ علیہ نے پریشان ہوتے ہوئے

میں نے جہاں جاکا تھا وہاں اچھے گھرانے میں
گھرانا تھا وہاں شادی کے گھر والوں نے تو
شروع سے ہی شازمین ہی کو پسند کیا تھا اور اسی
کے رشتے کے لئے آئے تھے۔

☆☆☆

”شخص صاحب! شازمین کی ساس کا خون آیا
تھا۔“ زریہ بیگم نے انہیں پانی کا گلاس دیتے
ہوئے بتایا۔

”اچھا کیا کہہ رہی تھی؟ شہریار اور شازمین
ٹھیک تو ہیں ناں، کب تک وہ لوگ واپس آرہے
ہیں؟“ شخص صاحب نے ان کی بات پوچھا۔

”ہاں ہاں سب خیریت ہے بلکہ ایک اچھی
خبر ہے۔“ زریہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا،
علیہ جو بی وی دیکھنے کے لئے لاؤنج کی طرف
جا رہی تھی ان کی بات سن کر چونک کر وہی رک
گئی۔

”اچھا کیسی خوشخبری؟ ہمیں بھی پتہ چلے۔“
ان کی بات پر علیہ کے بھی کان کھڑے ہو
گئے۔

”ارے یہ لیں منہ میٹھا کریں آپ خیر سے
نانا بننے والے ہیں۔“ زریہ بیگم نے مٹھائی کی
پلیٹ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے خوشی سے
بتایا۔

”کیا واقعی یہ تو بہت بڑی خوشی کی خبر ہے
ارے علیہ کے بعد تو کوئی چھوٹا بچہ اب اس گھر
میں رہا ہی نہیں جس کی شرارتوں سے رونق گلے
اب شازمین کا بچہ اپنے بوڑھے نانا کے ساتھ کھیل
گا شرارتیں کرے گا بالکل علیہ کی طرح میری
پیٹھ پر چڑھ کر مجھ پر سیر کرے گا بھی انشکرم کی
مذکرے گا تو بھی نئے کھلونے کی خواہش اور
علیہ کی طرح تمہارے ڈانٹنے پر مجھ سے تمہاری
شکایت کرے گا، دیکھو کتنی جلدی وقت گزر گیا کل

اس کا ہرگز مطلب نہیں کہ مجھے تم سے نہیں ہوئی
میں ہوں نہیں یہی سارا حال ہے۔“ شازمین نے
ادانچ، سچ سمجھائی ہوں اپنا دل بہن کے لئے
کشاہدہ کرو اپنے حراج میں نرمی اور انکساری پیدا
کرو، دیکھنا اللہ تمہاری قسمت کیسے کھولتے ہے۔“
علیہ پر ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

”نہنہ رہنے دے ای! یہ سب کتابی باتیں
ہیں انسان کو اپنی قسمت خود بنانا پڑتی ہے جیسے
شازمین نے شہریار کے گھر والوں کو اپنی سلیقہ
مندی اور محبت اور انہیں دکھا کر اپنی طرف راغب
کر لیا کہ وہ واپس آئے۔“ شازمین نے علیہ کی طرف راغب
شادی ہے انکار کر دیتی مگر اتنا امیر خاندان، خوبرو
شہر، ایک بیک بیلنس اتنی آسانی سے کون چھوڑتا
ہے، آپ لوگوں کے سامنے نیک پروین بھی بن
گئی اور شادی بھی منہ پر بند جگہ ہو گئی۔“ علیہ کے
منہ سے الفاظ نہیں اٹھائے نہ نکل رہے تھے۔

”تم کو سمجھانا جس ہے کچھ لوگوں کو وقت ہی
سمجھنا ہے مگر مادر کھنا علیہ ایسا نہ ہو کہ جب تم
کھنا کھا رہے ہو اس وقت بہت دیر ہو چکی ہو اپنی بے
جا خواہشات اور لا لچ کے سرکش گھوڑے کو لگام دو
اور نہ خدا خواستہ منہ کے بل نہ کرو اور یاد رکھو اگر
ایسا ہوا تو ہم بھی نہیں جی پائیں گے میری دعا ہے
کہ تم جیسا جانتی ہو اللہ تمہاری ساری جائز
خواہشات پوری کرے نہیں زمانے کے سرد و گرم
سے محفوظ رکھے۔“ یہ کہہ کر وہ علیہ کو اس کے
حال پر غور کر چلے گئیں۔

جب سے علیہ کو پتہ چلا تھا کہ شازمین
اپنی جگہ اس کی شادی شہریار سے کروانا چاہتی تھی
تب سے اس کے دل میں اس کے خلاف مزید
نفص و عناد پیدا ہو گیا تھا اس کو ایسا لگ رہا تھا کہ
شازمین نے اس کے حق پر ڈاکہ ڈالا ہے یہ
سوچے بغیر کہ یہ اس کی بہن کی محبت ہی تھی جو اس

کر تمہاری خواہشات پوری کرنے کی کوشش
کے لئے کر رہی ہے۔“ شازمین نے شہریار کو بتایا
یہ جو اس نے اپنے دل کے راز کا حقدار
بنیض پال رکھا ہے اور اس کی خوشیوں کی دشمن بنی
ہوئی ہو جبکہ اس نے ہمیشہ تمہارا خیال رکھا اپنا ہر
اچھا سوٹ جو وہ اپنے پیسے جمع کر کے اتنی شوق
سے بناتی مگر تمہارے ایک بار کہنے پر تم کو دے
دیتی کہ تم خوش رہو، کیا وہ لڑکی نہیں ہے؟ کیا اس
کے ارمان نہیں تھے اور آج تم اس کی جس
خوشیوں سے حسد محسوس کر رہی ہو اس کے لئے
محبت، غلوں اور قحط عیندگی کا انعام ہے۔“
پتہ ہے جب یہ رشتہ آیا تو اس نے تمہاری شادی
کی بات کرنے کے لئے کہا کیونکہ اسے معلوم تھا
کہ تمہیں بہت ساری دولت، محبت، جلدی اور
وغیرہ کا کتنا جنون ہے۔“ علیہ نے چونک کر ان
کی طرف دیکھا۔

”مگر بیٹا یہ تو قسمت کے کھیل ہوتے ہیں
شہریار کے گھر والوں کو شازمین کی سلیقہ مندی
نگی، اللہ نے چاہا تو تمہارا نصیب بھی اچھا
ہوگا اپنے دل سے ساری فضول باتیں نکال کر
صرف پڑھائی پر توجہ دو میں نے رشتے کرانے
والی سے کہا ہے انشاء اللہ اللہ بھر تب پہلا
کرے گا ویسے بھی ابھی فائنل میں پورے دو
سال ہے، بیٹا اللہ کو ناشکری ناپسند ہے۔“
پسندی کو اپنا دو دیکھو منزل خود بخود آسان ہو گئی۔“
زریہ بیگم نے اپنی اس نادان بینی کو ساتھ لگاتے
ہوئے پیار سے سمجھایا۔

”اگر تمہارے بابا یا شازمین کو تمہارے
خیالات کا پتہ چل جائے تو سوچو، انہیں کتنا رنج
ہوگا اپنے دل میں جی بدگمانی کو دودھ کر دی تو ہم
سب کا پیارا اور غلوں صاف نظر آئے گا اگر میں تم
کو ڈانٹتی ہوں یا کسی غلطی پر سرزنش کرتی ہوں تو

ساتھ ساتھ دور سے بھی لڑ چکی ہوں۔“
طرح سے اس نے اپنے دل میں جی اندر سے
ہوں ویسے ہی نگاہی بھی ہوں اور مجھے بتائیں
اس کی کیا خبر خیریت دریافت کروں وہ تو دولت
میں کھیل رہی ہے دنیا کے خوبصورت ترین ملک
کی کسی دہانے کر رہی ہے ارے اس نے اسی
زندگی کی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہو گی اور
آپ کو بھی بھی اس کی ہی فکر ہے ہونہرہ، ویسے
شازمین ہے بڑی چالاک اور کھنی اپنی خوبصورت
معصوم شکل اور اداؤں کے سامنے والے کو گردیدہ
بنا لیتی ہے پہلے آپ لوگ کیا کہتے وہاں سسرال
میں بھی سب نے خاص طور پر اس کے شوہر نے
جسکی کا چھالہ بنا رکھا ہے، وہ شازمین جو اپنی
نزدیکی پوری کرنے کے لئے کئی محلے کے بچوں
کو ٹیٹھ پڑھاتی تھی آج اس کے جسم پر پندرہ
پزارے تم کا لباس ہی نہیں ہوتا، ایک میری
قسمت ہے گلتا ہے ساری زندگی اس ڈر سے میں
گت گت کر گزرتے گی دم گھٹتا ہے اب یہاں
میرا“ علیہ نے چیختے ہوئے اپنے دل کا غبار
کالا، زریہ بیگم تو سکتے میں آگئی تھی اس کے دل
میں اپنے والدین اور بہن کے لئے اتنی بدگمانی
تھی اپنی سچی بہن کی خوشیوں سے حسد محسوس کر
رہی تھی جانے کون کون سی ناحوری اپنے دل
میں پال رکھی تھی۔

”علیہ! ام ہوش میں تو ہو تمہیں یہ پتہ ہے تم
کیا کہہ رہی ہو، ارے تم دونوں ہمارے جگر کا ٹکڑا
ہو بیچن میں تم زیادہ بیمار رہتی تھی تو پوری رات
میں تمہارے ساتھ جاگ کر گزارتی تمہاری وجہ
سے شازمین کو بھی نظر انداز کر دیتی مگر وہ میری
صابر بچی خود ہی فیڈر بن کر سوجانی اور تمہارے
باپ نے شازمین سے پہلے ہمیشہ تمہاری خواہش
اور ضد پوری کی ہم نے ہمیشہ اپنی سباط سے بڑھ

میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ مجھے بھاگ رہے ہیں۔ ایک ایک رخسار کے چہرے چھپ جاتا ہے۔ آپ اس کو ڈھونڈ کر گود میں لے کر میری طرف آ رہے ہوتے ہیں مگر اسی وقت میرے پاؤں کے نیچے کوئی ٹوکلیا پتھر آ جاتا ہے اور میں ٹوٹھکتے ہوئے کسی گہری کھائی میں گر جاتی ہوں۔ آپ مجھے شاید آوازیں دے رہے ہوتے ہیں مگر مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا۔ "شازمین نے کھوئی کھوئی کیفیت میں اپنا خواب سنایا۔

"تم پاگل ہو گئی ہو، میں ہوں ناں تمہارے پاس پھر ہمارا بی بی آ جائے گا ہماری فیملی مکمل ہو جائے گی یاد ہے ناں ہم نے اس کے لئے کیا کیا پلاننگ کی ہے، تم اسی ایک کمرے میں سارا دن بند رہتی ہو اسی لئے تمہارے ذہن میں ایسے اگلے سیدھے خیالات آتے ہیں باہر قریبی پارک میں چلے جایا کرو کچھ ہمت کرو سوئیٹ ہارٹ۔" شہریار نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"انشاء اللہ سب بہتر ہوگا۔"

"اور کیا شہریار بھائی یہی تو میں اس سے کہتی ہوں مگر یہ میری بات مانتی ہی نہیں کہ شام میں میرے ساتھ داکر چلا کر و فریئر ایئر میں اچھا فیل کرو گی مگر یہ انکار کر دیتی ہے اس لئے مجھے اکیلے ہی جانا پڑتا ہے۔" علیشہ نے کافی کا گگ شہریار کی طرف بڑھاتے ہوئے لگاؤ سے کہا۔

"کیا..... کیا..... علیشہ تم اسے اس حالت میں اکیلے چھوڑ کر چلی جاتی ہو خدا نخواستہ اسے اگر کچھ ہو جائے تو..... میں تو تمہاری وجہ سے بہت ہی بے فکر ہو گیا تھا آگئی نے مجھ سے تمہاری لاپرواہی اور لاابالی پن کا ذکر کیا تھا مگر تم ہی غیر ذمہ دار ہو گئی میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

شہریار نے ناراض ہوتے ہوئے اس کی طرف

مانگیں کے احساس میں شہرت آ رہی تھی۔

اپنے اپنے کمرے میں جا کر سو گئے۔

"اچھا اب اپنی بہن کے آنے پر مجھے بھول مت جانا اور اپنا بہت خیال رکھنا اور ہاں تیار رہنا آج علیشہ کے آنے کی خوشی میں باہر ڈنر کریں گے۔" شازمین اس کی اتنی محبت پر غر محسوس کر رہی تھی۔

"اور ہاں۔" شہریار نے جاتے جاتے کان میں سرکشی کی۔

"آج آپ وہی بلیک اور سلور کمیشن کا ڈنر میں زیب تن کریں گی جس میں آپ کا یہ چاند چہرہ مزید حسین ہو جاتا ہے۔" شازمین اس کی دیوانیہ بے ہوشی پر شہریار اس کے رخسار پر اپنی چاہت کی ایک اور گہر لگا کر چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

علیشہ بظاہر اس کا بہت خیال رکھتی تھی جیسے جیسے ڈیوڑھی کے دن قریب آ رہے تھے اس کی نقاہت بڑھتی جا رہی تھی کھانے پینے کی چیزوں کے ذریعے اس کی دلچسپی نہیں رہی تھی جو کبھی کھانی فوراً کھا لیتی اور باقی دینی صرف فروٹ اور جوس پر گزارہ ہو رہا تھا شہریار سب کچھ بھول کر طرف اس کا ہو کر رہ گیا تھا ابھی بھی اس کو زبردستی سب کا جوس نکال کر اپنے ہاتھ سے پلا رہا تھا۔

"جان شہریار دیکھو تمہارا چہرہ کتنا کملا کر رہ گیا ہے تمہیں یہ ہے ناں تمہاری تکلیف مجھے دل پر محسوس ہوتی ہے اور تم کھاؤ پیو گی نہیں تو ہمارا بے بی بھی سخت مند مکیں ہوگا۔" شہریار نے اس کے بال پیار سے سنوارتے ہوئے کہا۔

"کیا کروں شہری، کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہتا بس ایک دھڑکا سالگرہ ہوتا ہے کہ جیسے میری خوشیوں کو نظر لگ جائے گی مجھے کچھ ہو جائے گا میں نے ایک عجیب سا خواب دیکھا کہ

شہریار اپنے کمرے کی طرف بھاگ گیا۔

میں نے اپنے کمرے میں جا کر سو گئے۔

ہوں مجھے پتہ ہے سوچ کر میرے جیسے یاری میں دشواری ہو رہی ہوگی۔" علیشہ نے شازمین کی طرف بغور دیکھا شہریار کی محبت اور چاہت نے اس کی خوبصورتی کو مزید نکھار دیا تھا اور اب اس نے اپنے دل کی خوشی کے چہرے کو مزید پر نور اور روشن بنا دیا تھا۔

"ہوں اوکے جب تک میں تمہارا کمر دیکھتی ہوں پھر کچھ دیر آرام کر سکتی۔" علیشہ نے اپنے لہجے کو نارمل رکھتے ہوئے کہا۔

"اوف او شہریار مجھے یہ ہے آپ نے پوری وار ڈرو ب کا سٹینڈا س کر دیا ہو گا مکمل یہاں سے میں آپ کا سوٹ نکالتی ہوں۔" شازمین نے آگے بڑھتے ہوئے کہا، شہریار نے اس کا حتمی ہاتھ تمام کرا اپنی طرف سنبھال لیا چاکلہ انار پر شازمین اس کی ہاتھوں میں بھول گئی۔

"ارے جان شہریار! جب سے تمہاری مومن صورت ان آنکھوں میں رہی ہے تو میں اور کہاں دکھائی دیتا ہے اور پھر آپ نے اپنا اناج اور کھانا بنا لیا ہے کہ آپ کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا وہ غالب نے کیا خوب کہا ہے۔"

عشق نے ہنسا کر دیا غالب ورنہ آدمی تھے ہم میں بڑے کام کے شہریار نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ایک ایک سے کہا۔

"اف او باتیں بنانا تو کوئی آپ سے سیکھیں جناب، آپ کو آفس کی دیر ہو رہی ہے اور جناب کو روٹینس سوچ رہا ہے۔" شازمین نے مصنوعی خفگی سے اسے دور کرتے ہوئے کہا۔

علیشہ کو ساری آوازیں سنائی دے رہی تھی شہریار کی اتنی چاہت و الفت دیکھ کر علیشہ کی کم

یہاں آکر کچھ نرم سے اسے اسے بھونک رہی تھی۔

احسان کیا ہے مجھے شازمین نے بہتر کر کے شہریار نے شازمین کی طرف محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے آپ کیوں فکر کر رہے ہیں؟ شازمین میری بہن ہے یہ تو میرا فرض تھا اس میں احسان دالی کیا بات۔" علیشہ نے بظاہر خوشدلی سے جواب دیا، پھر شازمین نے نیل پر کھانا لگایا، اس نے خاص طور پر علیشہ کی پسندیدہ ڈشز بنوائی تھی، مگر علیشہ کے دل میں اس کے لئے کوئی نرم گوشہ و ہمدردی نہیں تھی یہاں بھی وہ صرف اپنی فرض اور خواہش کے ہاتھوں مجبور ہو کر آئی تھی۔

"علیشہ ڈیر تم اب آرام کرو شام میں ملاقات ہوئی ہے اور ہاں یہاں یہ رہے تمہارے گفٹ۔" شازمین نے ایک شاپر بیک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے سرکا کر کہا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی؟" شہریار کے سامنے علیشہ نے گفٹ برتا چاہا۔

"ارے پاگل! تم میری بہن ہو یہ تو کچھ بھی نہیں اب تم آگئی ہو تو خوب گھومنا پھرنا اور اپنی مرضی کی شاپنگ کرنا۔"

"ارے نہیں میں یہاں گھومنے پھرنے تو خدوئی آئی ہوں مجھے تو تمہارا خیال رکھنا ہے تاکہ میرا بھانجا بھی ابھی خوبصورت اور صحت مند ہو کیوں شہریار بھائی۔" شازمین اس کی بے باکی پر شرمندہ ہوئی۔

"ہاں تم نے ٹھیک کہا یہ تو اپنا خیال رکھتی نہیں فروٹ، دودھ جوس ہر چیز فرج میں موجود ہے مگر یہ کھانے کی چور ہے۔" شہریار نے پیار بھری خفگی سے شکوہ کیا تو علیشہ جل کر رہ گئی۔

"اوکے سوئیٹ گرل تم اپنی بہن سے خوب باتیں کرو شام میں ملاقات ہوئی ہے۔" یہ کہہ کر

”اللہ تعالیٰ کا نام شہر یار بس چند گھنٹے کی دوری کے بعد ہم پھر آپ کے سامنے ہونگے۔“ یہ کہہ کر شہر یار وہاں سے چلا گیا، اس کے جانے کے بعد علیہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ ”شازمین تم آرام کرو میں لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہی ہوں، اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے دینا۔“ شازمین نے سر ہلانے پر اکتفا کیا اب اس کے لئے بیٹھنا محال ہو رہا تھا لہذا علیہ کی بد سے قبل اودھ کر وہ سوئے کی کوشش کرنے لگی، ابھی اسے سوئے ہوئے کچھ ہی دیر گزری تھی نہ جانے کس احساس کے تحت اس کی آنکھ کھلی، کمرے میں کھپ اندھیرا تھا۔ ”کمر میں اس قدر درد کیوں ہو رہا ہے؟ علیہ کو آواز دیتی ہوں، علیہ علیہ“ مگر جواب نہ دار۔

شاید کچن میں ہوگی میں خود کسی طرح ڈھونڈ کر کنڈیل جلا یا اور بیٹے سے اتر کر زینے کے پاس آ کر علیہ کو آواز دینے لگی اسی وقت نہ جانے کیسے اس کا پاؤں پھسلا اور وہ زینے سے گرتی چلی گئی، لایٹ بھی آن ہو چکی تھی، آخری میزمری میں پہنچتے پہنچتے اسے لگا کہ کسی نے اس کو سہارا دیا ہے پھر اس کو کچھ ہوش نہ رہا، درد سے وہ بے حال ہو رہی تھی، سر سے شاید خون بہہ رہا تھا، شہر یار نے جلدی جلدی علیہ کے ساتھ مل کر اسے گاڑی میں ڈالا، اب گاڑی روڈ پر فل اسپید سے دوڑ رہی تھی شازمین کو ایمر جیسی وارڈ میں پہنچا دیا گیا تھا ڈاکٹر زاس کو بچانے کی پوری کوشش کر رہے تھے مگر کافی خون بہنے کی وجہ سے کیس کافی پیچیدہ ہو گیا تھا۔

”ڈاکٹر صاحب! پلیز آپ کسی طرح بھی میری شازمین کو بچالیں، آپ روئے پیسے کی بالکل پرواہ نہ کریں میں میری شازمین کو کچھ نہیں

اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“ علیہ نے دیکھا اس کے لئے کے پیار سے پارے، کھلانے وغیرہ خریدے ہیں بعد میں ہم اپنے بے بی کے ساتھ خوب شاپنگ کریں گے اپنی پہلی ویڈیو اپنی دوسری اس کے ساتھ منائیں گے۔“ شہر یار نے اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے اسے تسلی دی شازمین بھی سکڑانے لگی، ممتا کے احساس نے کمزوری کے باوجود اس کے چہرے کو مزید خوبصورت اور پر نور بنا دیا تھا شہر یار اسے بے خودی سے دیکھنے لگا تو شازمین اس کی اس حرکت پر سکڑنے لگی۔

”اے اللہ میری خوشیوں کو میرے شہر یار اور اپنے بچے کے ساتھ یوں ہی برقرار رکھنا میری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے آمین۔“ شازمین نے اللہ سے دعا کی۔

”اچھا شازمین اپنا خیال رکھنا اگر یہ اہم میننگ نہ ہوتی اور تم اصرار نہ کرتی تو میں کبھی نہیں جاتا خیر میں شام تک واپس آ جاؤں گا، جب تک شازمین کو کسی کی نظر نہ لگے آمین۔“ شازمین نے اللہ سے دعا کی۔

”اے اللہ بالکل پریشان نہ ہوں، علیہ ہے ناں، پھر فکر کی کیا بات، میری بہن میرا بہت خیال رکھتی ہے کل بھی آپ نے اسے بلا وجہ ڈانٹ دیا لیکن اس نے بالکل برا نہیں منایا۔“ شازمین نے علیہ کی تعریف کرتے ہوئے جڑایا۔

”اوکے اوکے وہ میری بہنوں کی طرح ہے آکر اس سے بھی سواری کرو لوں گا میں تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے معاملے میں بہت حساس ہوں اب تو خوش ہو جاؤ اس کی پسند کی چاکلیٹ بھی لے کر آؤں گا۔“ شہر یار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اے اللہ میری خوشیوں کو میرے شہر یار اور اپنے بچے کے ساتھ یوں ہی برقرار رکھنا میری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے آمین۔“ شازمین نے اللہ سے دعا کی۔

”اچھا شازمین اپنا خیال رکھنا اگر یہ اہم میننگ نہ ہوتی اور تم اصرار نہ کرتی تو میں کبھی نہیں جاتا خیر میں شام تک واپس آ جاؤں گا، جب تک شازمین کو کسی کی نظر نہ لگے آمین۔“ شازمین نے اللہ سے دعا کی۔

”اے اللہ بالکل پریشان نہ ہوں، علیہ ہے ناں، پھر فکر کی کیا بات، میری بہن میرا بہت خیال رکھتی ہے کل بھی آپ نے اسے بلا وجہ ڈانٹ دیا لیکن اس نے بالکل برا نہیں منایا۔“ شازمین نے علیہ کی تعریف کرتے ہوئے جڑایا۔

”اوکے اوکے وہ میری بہنوں کی طرح ہے آکر اس سے بھی سواری کرو لوں گا میں تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے معاملے میں بہت حساس ہوں اب تو خوش ہو جاؤ اس کی پسند کی چاکلیٹ بھی لے کر آؤں گا۔“ شہر یار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

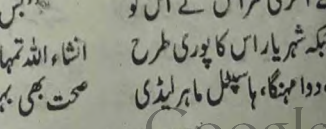
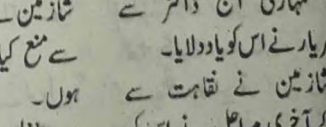
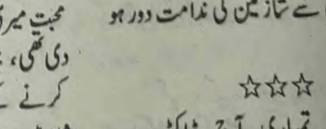
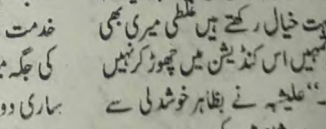
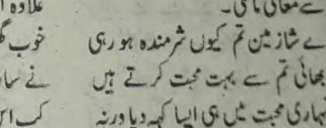
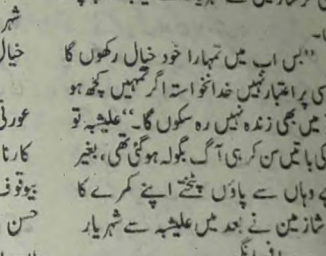
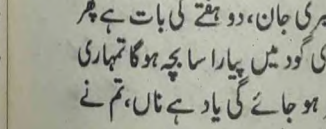
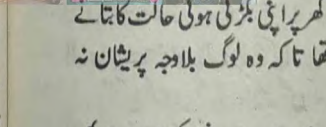
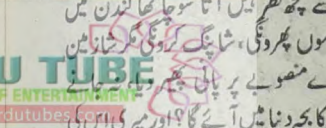
”اے اللہ میری خوشیوں کو میرے شہر یار اور اپنے بچے کے ساتھ یوں ہی برقرار رکھنا میری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے آمین۔“ شازمین نے اللہ سے دعا کی۔

”اے اللہ میری خوشیوں کو میرے شہر یار اور اپنے بچے کے ساتھ یوں ہی برقرار رکھنا میری خوشیوں کو کسی کی نظر نہ لگے آمین۔“ شازمین نے اللہ سے دعا کی۔

”اچھا شازمین اپنا خیال رکھنا اگر یہ اہم میننگ نہ ہوتی اور تم اصرار نہ کرتی تو میں کبھی نہیں جاتا خیر میں شام تک واپس آ جاؤں گا، جب تک شازمین کو کسی کی نظر نہ لگے آمین۔“ شازمین نے اللہ سے دعا کی۔

”اے اللہ بالکل پریشان نہ ہوں، علیہ ہے ناں، پھر فکر کی کیا بات، میری بہن میرا بہت خیال رکھتی ہے کل بھی آپ نے اسے بلا وجہ ڈانٹ دیا لیکن اس نے بالکل برا نہیں منایا۔“ شازمین نے علیہ کی تعریف کرتے ہوئے جڑایا۔

”اوکے اوکے وہ میری بہنوں کی طرح ہے آکر اس سے بھی سواری کرو لوں گا میں تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے معاملے میں بہت حساس ہوں اب تو خوش ہو جاؤ اس کی پسند کی چاکلیٹ بھی لے کر آؤں گا۔“ شہر یار نے مسکراتے ہوئے کہا۔



تہاں سے بیمار اور توبہ کی ضرورت ہے آخر کب تک وہ یہاں رہے گا؟ ایک دن تو اسے دیکھا گیا کہ وہ رات بھر سو رہا تھا۔ اس کے روم و کمر پر نہیں چھوڑا گیا۔“

”علیہ تمہارا بہت بہت شکریہ تم نے اتنے دن حادث کا خیال رکھا مگر مجھے مزید تمہارے احسان کی ضرورت نہیں، تم نے اپنی بہن کا جتنا اور جس طرح خیال رکھا میرے لئے وہی تجربہ کافی ہے میں اب دوبارہ کوئی رسک نہیں لے سکتا تمہاری تعلیم کا بھی حرج ہو رہا ہے بہتر ہوگا تم اپنے گھر چلی جاؤ۔“ یہ کہہ کر شہر یار حادث کو اپنے ساتھ لگائے کمرے میں آ گیا اس کے نین نقش بالکل شازمین کی طرح تھے جبکہ اس کی بالوں کی رنگت اور پیشانی میں شہر یار کی شبیہ نظر آتی، شہر یار کو اس کے وجود میں اپنی شازمین کی خوشبو محسوس ہوئی اسے ساتھ لگا کر پیار کرتے اس کی آنکھیں اٹکھار ہو گئیں۔

”یہ... یہ شہر یار خود کو سمجھتا کیا ہے؟ مغرور خود غرض انسان ارے شازمین میری بھی سگی بہن تھی مجھے بھی اس کی موت کا دکھ ہے مگر اس کی زندگی اتنی ہی تھی اب غم منانے سے کیا وہ واپس آ جائے گی، ایک تو اس کے بچے کا خیال رکھ رہی ہوں اور موصوف الہا مجھے ہی سنا کر چلے گئے ہونہ مانی فٹ، مجھے بھی کوئی شوق نہیں یہاں رکھنے کا مگر میرا وعدہ ہے ایک دن تم نے میرے پاس ہی آتا ہے، اب شازمین تمہاری زندگی میں نہیں رہی اب صرف تم پر، تمہاری ہر چیز پر میرا قبضہ ہوگا مگر مدھی بھی تمہارا زندگی نہیں گزار سکا چند دن میں ہی شازمین کی محبت کو بھول کر تم کو کسی ساتھ کی رفاقت کی ضرورت ہوگی اور اس وقت صرف میں ہی تمہاری زندگی میں شامل ہوگی۔“ علیہ کا دل جو دہی طور پر بہن کی موت پر دھکی ہوا تھا ایک بار پھر اس کی فطری خود غرضی اور لالچ نے

تہاں سے بیمار اور توبہ کی ضرورت ہے آخر کب تک وہ یہاں رہے گا؟ ایک دن تو اسے دیکھا گیا کہ وہ رات بھر سو رہا تھا۔ اس کے روم و کمر پر نہیں چھوڑا گیا۔“

”نام مت لیں اس کا، یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے میں بھی اسے معاف نہیں کروں گا اگر وہ شازمین کا خیال رکھتی اس کی لاپرواہی نے شازمین کی جان لے لی، اس کی لاپرواہی طبیعت کے باوجود نہ جانے میں نے کیوں اس پر بھروسہ کیا، کاش اس دن میں بینک میں نہ جاتا تو یہ حادثہ نہ ہوتا۔“ شہر یار نے نفرت سے کہا۔

”نئی بات سنیے، کیا یہی میری تربیت ہے، اس میں اس بچی کا کیا تصور، تم بھول رہے ہو اگر وہ تمہاری بیوی تھی تو علیہ کی سگی بہن اس کا خون بھی اس کی خاطر ہی وہ اپنی پڑھائی چھوڑ کر خود اپنی خوشی سے اس کے پاس رہنے کے لئے گئی، مگر جو کاتب تقدیر کو منظور ہو تو انسان کی کوئی تدبیر اسے ٹال نہیں سکتی، شازمین کی زندگی اتنی ہی تھی اس کی موت اس کی بات کو اور اس کی موت کو دل سے قبول کر لو، اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئیں جبکہ شہر یار اس بار دور ہی اذیت میں تھا اس دن جب وہ گھر واپس لوٹا تو شازمین کو میزبیں سے گرے ہوئے پایا اس کے پیچھے تک بہت دیر ہو چکی تھی شازمین ہوش و حواس سے بیگانہ ہوئی تھی جبکہ علیہ جو اپنے کمرے میں جا کر سو گئی تھی شہر یار کے دو تین بار آواز دینے پر باہر آئی تھی اس وقت شہر یار نے اس کے لئے جو نفرت محسوس کی تھی اس میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا، شہر یار نے اپنے بال کھنی میں جکڑتے ہوئے اپنے حواسوں پر کنٹرول رکھنے کی کوشش کی۔

”اور اب میرے بیٹے کو بھی اسی طرح کوئی

فکر کر کے یہ بری غصائی تھی، اس، اب تو بیٹی کا وہ جسم کہ جس کی ہڈیاں اڑ گئے تھے، شہر یار کے گھر والے کی اس درد سے، وقت سب سے بڑا مرہم ہے آہستہ آہستہ بظاہر سب کچھ معمول پر آنے لگا مگر شہر یار کے دل پر لگاؤ نہیں بھروسہ، وہ سارا دن ششیں کی طرح آکس میں کام کرتا رہتا اور رات کو شازمین کی یادوں کے ساتھ کانٹوں پر بسر کرتا اسے کھانے پینے یہاں تک کہ اپنے بچے کا بھی ہوش نہیں تھا۔

”شہر یار بیٹے ایسا کب تک بچے گا، میں مانتی ہوں تمہارا دکھ بہت بڑا ہے شازمین مجھے بھی بہت پیاری تھی مگر جیسا کاتب تقدیر کے آگے ہم سب بے بس ہیں اور یہ مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا جو لوگ زندہ ہیں ان کے لئے جتنا پڑتا ہے مجھ بڑی مائی کی طرف دیکھو، نہیں اذیت میں دیکھ کر کیا میرا دل نہیں ٹہرا اور وہ کئی جان جو شازمین کی تمہارے پاس لگاتار ہے جسے اس نے اپنی جان پر کھینچ لیا ہے، اس کے دل میں ایسے ہی دوسروں کے جسم و دھار کے لئے کی محبت تو اس کے نصیب میں نہیں مل سکی گی، باپ کی شفقت سے بھی محروم رہے گا، کیا شازمین کی روح اپنے بچے کی تکلیف برکتیں ترے ہی ہونے شہر یار! روز قیامت تم شازمین کو کیا جواب دو گے، یہی کہ اس کی امانت کی حفاظت نہیں کر سکے؟“ ماما نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے سمجھاتے ہوئے کہا شہر یار کے آنسو انہیں اپنے دل پر گرے محسوس ہو رہے تھے۔

”دیکھو علیہ نے حادث کو اتنے دنوں سے سنبھالا ہوا ہے اسے بھی اپنی بہن کی موت کا دکھ ہے مگر اپنی پرواہ کیے بغیر وہ حادث کا خیال رکھ رہی ہے مگر بیٹا وہ تمہاری ذمہ داری ہے اسے

ہمارے بیٹے وہی خوں کوں کوں نظر آئے گا جس میں اس کو جبر کر نہیں جاتا۔“ لگتی کاش میں اس طرح روتے ہوئے کہا اس کا شہر یار نے بچوں کی طرح روتے ہوئے کہا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ شازمین کا دہانے جسم میں متخل کر لے اور اسے دوبارہ ہنستا مسکراتا دیکھے، اس وقت علیہ کا دل بھی تھوڑا پتپتا تھا، بہر حال وہ ایک انسان اور اس کی بہن تھی اس نے شہر یار کوئی دی۔

”شہر یار صاحب! دعا کریں دعا میں بڑی طاقت ہے وہ رب ضرور کرم کرے گا ہم ماں اور بچے دونوں کو بچانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔“ ڈاکٹر نے شہر یار کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر لکھی دی، شہر یار وہی سجدے میں گر کر اللہ سے اپنی شازمین کی زندگی کی ہیکھ مانگنے لگا مگر اس کی معصوم شازمین کی مسکراہٹ کو کسی کی حسد اور بد نظری لکھا تھی، اس کی خوشیوں کی مدت بس اتنی ہی تھی، شازمین کی روح شہر یار کا ساتھ چھوڑ کر کئی دور آسمانوں کی وسعت میں کھو گئی تھی، اس نے ایک صحت مند بیٹے کو جنم دیا تھا، شہر یار تو شازمین کے مردہ جسم سے لپٹ کر پاگلوں کی طرح دروہا تھا ہر ایک آنکھ اس جوان معصوم لڑکی کی موت پر اٹکھار تھی، نرس نے بچے کو علیہ کے گود میں لا کر ڈال دیا۔

”یا اللہ ایہ... یہ کیا ہو گیا کیا میں اپنی بہن کی خوشیوں کی قاتل ہوں، نہیں نہیں میں نے کچھ نہیں کیا، میں نے تو اس کا ہر طرح خیال رکھا پھر پھر یہ سب کیسے ہو گیا۔“ علیہ کے دل کو اندامت محسوس ہوئی مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی شہر یار کی محبت روٹھ چکی تھی اس کی ہستی بستی زندگی برباد ہو گئی تھی وہ ہر وقت کمرے میں بند رہتا شازمین کی تدفین پاکستان میں ہوئی تھی علیہ نے سب کو

میں نے اس کی طرف سے جو غلط پیدا ہوئی ہے وہ بھی دور نہیں ہو سکتی۔ شہریار نے اپنے خیمے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”مگر جانا بدگمانی کی عینک اتار کر حقیقت کا سامنا کرنا ہی عقلداری ہے میں بوڑھی جانِ حارث کی دیکھ بھال نہیں کر سکتی تم بھی سارا دن اس کے لئے وقت نہیں نکال سکتے ظاہر ہے جاب بھی تو ضروری ہے، علیحدہ کا احسان مانو کہ وہ بچی اس کا خیال رکھ رہی ہے اسے ماں کی طرح پیار کرتی ہے بغیر کسی غرض اور لالچ کے اپنا وقت دے رہی ہے، اس کو بھی شازمین کی موت کا دکھ اور پریشانی بھی ہے اس لئے وہ اپنی پڑھائی اور اپنا مستقبل سب کچھ بھلا کر صرف حارث کی ہو کر رہ گئی ہے اس طرح وہ اپنی غفلت کا زوال کرنے کی کوشش کر رہی ہے اور حقیقت کی نظر سے دیکھو تو بہر حال علیحدہ اس کی سنگی خالہ ہے اور ایک خالہ ہی ماں کی طرح اس کی پرورش کر سکتی ہے اس لئے میں نے اسے اپنی بہنوئی بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔“ مانا نے آخری میں لہجہ کو سخت بناتے ہوئے کہا۔

شہریار کو لگا اس کے آس پاس کوئی ہم بلاست ہوا ہے۔

”کیا کیا مانا یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں اس لڑکی نے اپنی چچی چچی باتوں سے آپ کو اتنا شیشے میں اتار لیا ہے کہ آپ مجھ سے پوچھتے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کر رہیں، اول تو شازمین کے علاوہ میرے دل میں کسی کی گنجائش نہیں اس کی یادیں ہی میرے لئے کافی ہیں اور علیحدہ، تو سر کر بھی میری زندگی میں شامل نہیں ہو سکتی، وہ شازمین کی قاتل ہے اور میں کیسے اس سے شادی کر کے اس کی روح کو تکلیف پہنچا سکتا ہوں؟“ شہریار کا بس نہیں چل رہا تھا کہ علیحدہ اگر سامنے ہوتی تو وہ

”ہوں واقعی شازمین بہراچھی اور اب یہی ہمارے گھر کی رونق اور جینے کا سہارا ہے اللہ جیلا کرے علیحدہ کا بڑی پیاری بچی ہے حارث کا بہت خیال رکھتی ہے حارث بھی اس سے بہت مافوس ہو گیا ہے۔“ مانا نے علیحدہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا، شہریار نے چونک کر ان کی طرف سے

”اب بھی اس گھر میں آتی ہے؟“ وہ انتہائی لاجواب لڑکی جو اپنی تیار بین کا خیال نہیں دھکے کی کیا پرواہ کرے گی اور آپ نے یہ فیصلہ کیا ہے؟“ شہریار نے تھوڑی سی

”یال لی ہے، بہت ہی پیاری بچی ہے اور پھر مانا نے اس کی بھی کوئی تعلق ہے وہ اس کا بھائی ہے میں کیسے اسے آنے سے یا حارث کو پیار کرنے سے روک سکتی ہوں اور یہی بات میڈ کی تو میں علیحدہ کے منع کرنے پر ہی تم کو نہیں بتایا تھا میں کی آخری عجلت کر کے بھروسہ کر سکتی ہوں کہ وہ حارث کا خیال رکھے گی جبکہ تم اس کی سنگی خالہ پر اعتبار نہیں کر رہے، تمہاری بے رفتی کے اوپر وہ بھی تمہارا احترام کرتی ہے مان لو شہریار کہ سارا رشتہ کی زندگی اتنی ہی بھی تم اور میں ہم سب اللہ کی رضا کے آگے بے بس ہیں، اس کا گرتا تو بس ایک بہانہ تھا ورنہ اس کی موت ایسے ہی لکھی تھی۔“ مانا نے شہریار کا دل علیحدہ کی طرف سے صاف کرنا چاہا۔

”بہر حال مانا آپ کچھ بھی کہے میرا دل اس

”ارے نہیں آتی آپ مجھے کیوں شرمندہ کر رہی ہیں، شہریار بھائی کا غصہ فطری ہے انشاء اللہ جلد ہی ان کی غلط فہمی دور ہو جائے گی اور قسمت کے فیصلے کو وہ دل سے قبول کرے گی۔“ علیحدہ نے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے لکاوٹ سے کہا بہت جلد ہی اس نے شہریار کی والدہ کو اپنا پروردہ بنا لیا تھا پھر علیحدہ کے کہنے پر ہی انہوں نے شہریار کی حارث کی طرف سے

”ارے مانا آپ؟“ شہریار نے اپنے بھائی کو کیوں زحمت دی۔“ شہریار نے اپنے بھائی کو بھاتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں میں نے اس کے لئے اپنے تھک چالی ہوں، سب سے پہلے میں نے اسے غور سے دیکھا تو اس کی ہڈیوں میں کٹھن (مادی) کو میں نے کافی سامنے دیکھا ہے۔“

”اور نیلی مانا کافی تھی تو مجھے طلب ہو رہی تھی بس میں فارغ نہیں ہوں۔“ شہریار نے نیلی ناپ شٹ ڈاؤن کرنے ہوئے کہا۔

”حارث سو گیا کیا؟“ آج اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی۔“ انہوں نے کات میں لپے حارث کو پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہوں بہت پیارا ہے بالکل اپنی ماں کی طرح مجھے بالکل تنگ نہیں کرتا۔“ شہریار نے بھی

اب شہریار نے اپنے بچے کی خاطر خود کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا وہ اپنی شازمین کی محبت کی نشانی کو کوئی عروسی اور تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا شازمین نے اپنے بچے کے لئے جو خواب دیکھے تھے اب اسے پورا کرنا تھا۔

”شازمین تمہاری بس اتنی ہی محبت تھی حارث اور مجھ کو کرب سے بچنے کے لئے تمہارا چھوڑ گئی تم تو کبھی ہی تم تا زندگی میرا ساتھ نبھادو گی اور اب اس طرح کچھ کہنے سے بغیر مجھ کو کبھی گی کام نے حارث کا بھی نہیں سوچا کہ ماں کی ممتا اور شفقت کے بغیر تمہارا بچہ کیسے پرورش پائے گا میں اسے ایسے کیسے پال سکوں گا تم نے میرے ساتھ بے وفائی کیوں کی؟“ شازمین کی تصویر

تھا تو وہ مضبوط اعصاب کا مرد در پڑا۔

”اور علیحدہ کا لالچی اور شاطرانہ دماغ نے منصوبے بنانے میں مصروف تھا آج کل شہریار کی غیر موجودگی میں اس کے گھر آ جانی حارث کے کپڑے پہنچ کر، اس کو فیڈ کروانا سب اس نے اپنے ذمہ لے لیا تھا اس نے شہریار کی مامات اس کا ذکر کرنے کے لئے شہریار کو منع کیا تھا۔

”آئی آپ شہریار بھائی کے سامنے میرے آنے کا تذکرہ مت کیجئے گا ان پر یہی ظاہر کریں کہ حارث کا خیال رکھنے کے لئے آپ نے کوئی کوشش رکھ لی ہے جو شام میں گھر واپس چلی جاتی ہے میں نہیں چاہتی کہ وہ مجھ دیکھ کر مزید متفر ہوں اور میری بھی مجبوری ہے میں شازمین کے بیٹے اور اپنے بھائی سے دور نہیں رہ سکتی، اگر وہ نہیں رہی تو کیا ہوا، خالہ بھی تو ماں کی جگہ ہوتی ہے۔“ شہریار کی سیدھی سادی والدہ اس کی



اس کی شادی ہوا۔ اس نے شادی کے بعد سے ہونے والے آج مجھے سب سزا شہر کے نام سے جانتے ہیں اف اسی زندگی کا تو میں نے خواب دیکھا تھا اور آخر اللہ نے میری قسمت بدل ہی دی۔“ علیہ نے ڈائمنڈ لنگن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔

”بس اب گیت ٹو گیدر پارٹیز ارج کر دی خوب گھوموں پھیر دی دینی مال سے شاپنگ کرو گی گھر میں اس بوڑھی اپنا بیج ماں سے ان کے یورگ قصبے سن کر اکتانگی ہوں اور رات میں اس ٹریل انسان کا کیچر بل ہی عارث کے لئے بھی کی میڈ کا انتظام کرنی ہوں میں نے اس مفرور انسان سے شادی اس لئے تھوڑی کی تھی کہ صرف اس کے بچے کی آپائن کر گزاروں، زندگی پر میرا بھی پورا حق ہے کل ہی کسی پارلر سے اپائنٹ ہوئی ہوں۔“ یہ سوچتے سوچتے علیہ شازمین کے وارڈ روم کا جائزہ لینے لگی جہاں اس کے ڈریسز لٹکے ہوئے تھے بہت سے ڈریس تو اس کو پہننا ہی نصیب نہیں ہوئے تھے۔

”اف بچاری شازمین! میری بہن مجھے تمہاری موت کا دکھ ہے مگر تمہاری زندگی اتنی ہی تھی اب ان تمام چیزوں پر میرا حق ہے۔“ یہ سوچتے ہوئے اس نے گرین اور مہرون کلر کا ٹراؤزر اور لوگ شرٹ نکالی اور ہاتھ لینے چلی گئی اسی وقت شہریار کمرے میں داخل ہوا تو اس وقت وہ آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی۔

”تم... تمہاری جرأت کیسے ہوئی شازمین کے ڈریس کو ہاتھ لگانے کی؟ فوراً یہ ڈریس اتار دو اور آئندہ اس کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو ہاتھ توڑ دوں گا، لڑکی تم کو اتنی تیز نہیں کہ کسی کی چیز کو بغیر اجازت ہاتھ نہیں لگاتے۔“ شہریار نے غصے سے

اپنے ہاتھ کا تختہ لٹکا کر شادی کے بعد سے ہونے والے آج مجھے سب سزا شہر کے نام سے جانتے ہیں اف اسی زندگی کا تو میں نے خواب دیکھا تھا اور آخر اللہ نے میری قسمت بدل ہی دی۔“ علیہ نے ڈائمنڈ لنگن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔

”بس اب گیت ٹو گیدر پارٹیز ارج کر دی خوب گھوموں پھیر دی دینی مال سے شاپنگ کرو گی گھر میں اس بوڑھی اپنا بیج ماں سے ان کے یورگ قصبے سن کر اکتانگی ہوں اور رات میں اس ٹریل انسان کا کیچر بل ہی عارث کے لئے بھی کی میڈ کا انتظام کرنی ہوں میں نے اس مفرور انسان سے شادی اس لئے تھوڑی کی تھی کہ صرف اس کے بچے کی آپائن کر گزاروں، زندگی پر میرا بھی پورا حق ہے کل ہی کسی پارلر سے اپائنٹ ہوئی ہوں۔“ یہ سوچتے سوچتے علیہ شازمین کے وارڈ روم کا جائزہ لینے لگی جہاں اس کے ڈریسز لٹکے ہوئے تھے بہت سے ڈریس تو اس کو پہننا ہی نصیب نہیں ہوئے تھے۔

”اف بچاری شازمین! میری بہن مجھے تمہاری موت کا دکھ ہے مگر تمہاری زندگی اتنی ہی تھی اب ان تمام چیزوں پر میرا حق ہے۔“ یہ سوچتے ہوئے اس نے گرین اور مہرون کلر کا ٹراؤزر اور لوگ شرٹ نکالی اور ہاتھ لینے چلی گئی اسی وقت شہریار کمرے میں داخل ہوا تو اس وقت وہ آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی۔

”تم... تمہاری جرأت کیسے ہوئی شازمین کے ڈریس کو ہاتھ لگانے کی؟ فوراً یہ ڈریس اتار دو اور آئندہ اس کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو ہاتھ توڑ دوں گا، لڑکی تم کو اتنی تیز نہیں کہ کسی کی چیز کو بغیر اجازت ہاتھ نہیں لگاتے۔“ شہریار نے غصے سے

اس کی شادی ہوا۔ اس نے شادی کے بعد سے ہونے والے آج مجھے سب سزا شہر کے نام سے جانتے ہیں اف اسی زندگی کا تو میں نے خواب دیکھا تھا اور آخر اللہ نے میری قسمت بدل ہی دی۔“ علیہ نے ڈائمنڈ لنگن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔

”بس اب گیت ٹو گیدر پارٹیز ارج کر دی خوب گھوموں پھیر دی دینی مال سے شاپنگ کرو گی گھر میں اس بوڑھی اپنا بیج ماں سے ان کے یورگ قصبے سن کر اکتانگی ہوں اور رات میں اس ٹریل انسان کا کیچر بل ہی عارث کے لئے بھی کی میڈ کا انتظام کرنی ہوں میں نے اس مفرور انسان سے شادی اس لئے تھوڑی کی تھی کہ صرف اس کے بچے کی آپائن کر گزاروں، زندگی پر میرا بھی پورا حق ہے کل ہی کسی پارلر سے اپائنٹ ہوئی ہوں۔“ یہ سوچتے سوچتے علیہ شازمین کے وارڈ روم کا جائزہ لینے لگی جہاں اس کے ڈریسز لٹکے ہوئے تھے بہت سے ڈریس تو اس کو پہننا ہی نصیب نہیں ہوئے تھے۔

”اف بچاری شازمین! میری بہن مجھے تمہاری موت کا دکھ ہے مگر تمہاری زندگی اتنی ہی تھی اب ان تمام چیزوں پر میرا حق ہے۔“ یہ سوچتے ہوئے اس نے گرین اور مہرون کلر کا ٹراؤزر اور لوگ شرٹ نکالی اور ہاتھ لینے چلی گئی اسی وقت شہریار کمرے میں داخل ہوا تو اس وقت وہ آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی۔

”تم... تمہاری جرأت کیسے ہوئی شازمین کے ڈریس کو ہاتھ لگانے کی؟ فوراً یہ ڈریس اتار دو اور آئندہ اس کی کسی چیز کو ہاتھ لگایا تو ہاتھ توڑ دوں گا، لڑکی تم کو اتنی تیز نہیں کہ کسی کی چیز کو بغیر اجازت ہاتھ نہیں لگاتے۔“ شہریار نے غصے سے

اس کی شادی ہوا۔ اس نے شادی کے بعد سے ہونے والے آج مجھے سب سزا شہر کے نام سے جانتے ہیں اف اسی زندگی کا تو میں نے خواب دیکھا تھا اور آخر اللہ نے میری قسمت بدل ہی دی۔“ علیہ نے ڈائمنڈ لنگن پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سوچا۔

”بس اب گیت ٹو گیدر پارٹیز ارج کر دی خوب گھوموں پھیر دی دینی مال سے شاپنگ کرو گی گھر میں اس بوڑھی اپنا بیج ماں سے ان کے یورگ قصبے سن کر اکتانگی ہوں اور رات میں اس ٹریل انسان کا کیچر بل ہی عارث کے لئے بھی کی میڈ کا انتظام کرنی ہوں میں نے اس مفرور انسان سے شادی اس لئے تھوڑی کی تھی کہ صرف اس کے بچے کی آپائن کر گزاروں، زندگی پر میرا بھی پورا حق ہے کل ہی کسی پارلر سے اپائنٹ ہوئی ہوں۔“ یہ سوچتے سوچتے علیہ شازمین کے وارڈ روم کا جائزہ لینے لگی جہاں اس کے ڈریسز لٹکے ہوئے تھے بہت سے ڈریس تو اس کو پہننا ہی نصیب نہیں ہوئے تھے۔

”اف بچاری شازمین! میری بہن مجھے تمہاری موت کا دکھ ہے مگر تمہاری زندگی اتنی ہی تھی اب ان تمام چیزوں پر میرا حق ہے۔“ یہ سوچتے ہوئے اس نے گرین اور مہرون کلر کا ٹراؤزر اور لوگ شرٹ نکالی اور ہاتھ لینے چلی گئی اسی وقت شہریار کمرے میں داخل ہوا تو اس وقت وہ آئینہ کے سامنے کھڑی اپنے بال سنوار رہی تھی۔



ابن انشا کے سفر نامے



لاہور اکیڈمی
 جلی منزل محلہ اٹن میڈین مارکٹ 207 سرگرم روڈ اور دو بازار لاہور
 فون: 042-37310797, 042-37321690

خدا کا ذکر کیا ہوتا ہے آپ کی شادی کو یاد تیار کیجیے
 اور ہر روز صبح سویرے اس کو یاد تیار کیجیے
 اور ہر روز صبح سویرے اس کو یاد تیار کیجیے
 اور ہر روز صبح سویرے اس کو یاد تیار کیجیے

پوری پوری رات ننگے پاؤں لان میں شبلی
 رات بھر سو توڑ چھوڑ دیتی اب تو ملازمین بھی اس
 سے ڈرتے تھے کی بار حارث کو بھی نقصان
 پہنچا تھا لہذا ماہر نفسیات کے مشورے سے اسے
 پاگل خانے داخل کر دیا گیا، شہر یار اس کو پوری
 خود دے رہا تھا اس کا علاج ہو رہا تھا بہر حال وہ
 اس کی محبت شازمین کی بہن بھی انسانیت اور اعلیٰ
 غریب کا مظاہر کرتے اس کو معاف کر دیا تھا کیونکہ
 قدرت اس کو خود سزا دے رہی تھی اس کے والد کو
 بھی اپنے پاس رکھ لیا تھا پہلے جوان بیٹی کی موت
 بعد اس کو قریبی باپیل میں دہشت گردی کی حالت نے ان کو جیتے
 بجا مار دیا تھا ایسے میں حارث کی معصوم صورت ہی
 ان کے لئے جینے کی امید تھی، ایک انسان کی لالچ
 اور خود غرضی نے اس کے ساتھ ساتھ تمام رشتوں
 کو تباہ و برباد کر دیا تھا، مگر سب سے زیادہ خسارہ
 علیحدہ گھر میں آتا تھا ہوش و خرد سے بیگانہ
 اسے اپنی تازندگی اسی پاگل خانے کی قید بند میں
 گزار رہی تھی، انسان اپنی ناجبھی اور کم عقلی کی وجہ
 سے ہمیشہ خسارے میں ہی رہتا ہے، جیسا کہ سورہ
 عصر میں اللہ پاک انہی جیسے لوگوں کے لئے فرماتا
 ہے۔

”قسم ہے زمانے کی! بے شک انسان
 خسارے میں ہے۔“

اللہ نے ہمیں بھی بے اولاد رکھا کیا فائدہ آتی
 دہلی کے اندر ایک شخص نے ہفت روزہ میں لکھا تھا
 کہ میں نے اپنے والد کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا
 تمہاری دھنسی جوانی اور بڑھاپے میں تمہارا سہارا
 بن سکے۔ علیحدہ کو اس کی حیرت کی آواز نے سمجھوڑ
 کر رکھ دیا تھا۔

”نہیں نہیں میں کسی کی قاتل نہیں ہوں،
 شازمین کی موت اسی طرح لکھی تھی اور اپنی
 خواہشات کے حصول کے لئے کوشش کرنا کیا گناہ
 ہے، مجھے کوئی بچہ نہیں چاہیے اور میں، میں نہیں
 خوش ہوں، دیکھو دیکھو میرے پاس کیا نہیں ہے؟
 اس نے وارڈ ڈوب سے سارے لباس نکال کر
 بیڈ پر پھیلا دیے ساری برقعہ کی بھینٹ اٹھا کر
 پھینک دی شیشے میں اس کو اپنا اصل کردار ظاہر
 رہا تھا گلدان اٹھا کر شیشہ جلا کر خود دیا۔ اس سے
 اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا تھا اور اس کی پراسٹریڈ
 روم سے اس کے کمرے میں آیا تو مگر اس کا
 بیڈ کے کنارے اترتا تھا میں نے بھی کچھ کو دیکھ
 کر فوراً آگے بڑھا وہ شازمین کی حالت دیکھ کر
 میں اس کو قریبی باپیل میں لے کر گیا۔

اس کے ہاتھوں کے زخم تازہ تھے کچھ
 دل پر دھرا گناہوں کا بوجھ اسے چھین نہیں دیتا
 تھا اس نے نیم خود گردی میں شہر یار کے سامنے اپنی
 لالچ، خود غرضی شازمین سے حسد اور اس دن
 جان بوجھ کر اس کی طرف سے غفلت سب باتوں
 کا اعتراف کر لیا تھا شہر یار کو اس لئے اس سے
 نفرت کی بجائے ترس آ رہا تھا۔

”کاش علیحدہ تم نے یہ سب کچھ نہ کیا ہوتا
 کیا ملا تمہیں، آج تمہارے پاس دولت ہے، مگر
 ذہنی سکون نہیں کاش تم نے اپنی بہن سے حدود
 رقابت کی بجائے اپنی اچھی قسمت کی دعا کی ہوتی
 اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر کیا ہوتا، مجھ سے اپنی

☆ ☆ ☆
 ”یاد خدا یا مجھے کیا ہوا ہے؟“
 ”علیحدہ تمہاری زندگی میں سکون اور
 رشتوں کی کمی ہے ماں بچاری بھی تم کو سمجھاتے اور
 صحت کرتے اس دنیا سے منہ موڑ گئی باپ تمہا
 زندگی گزار رہا ہے کیا بھی تم نے اپنی نام نہاد
 مصروفیت سے وقت نکال کر ان کی خبریت معلوم
 کی؟ ان کی ضرورتوں کا خیال رکھا، وہ جو تمہیں
 اپنی چھٹی بیل کہتے تھے ان کو بھول گئی اور وہ
 تمہاری بہن ماں لوٹ ہی اس کی قاتل ہو اس دن
 لائیٹ نہیں تھی مگر تم نے حسد بنی اپنے کمرے میں
 میگزین پڑھتی رہی اس کی درد میں ڈوبی آواز سن
 کر تم کو تڑپ محسوس نہیں ہوئی لا پرواہی سے اس
 کی پکار کو انکود کرتی رہی اگر تم فوراً اس کے پاس
 چلی جاتی تو وہ یوں میز جیوں سے نہ گرتی، تم قاتل
 ہو، رشتوں کی قاتل، اپنی بہن کے اعتماد کی قاتل،
 اپنے ماں باپ کی محبتوں کی قاتل، شہر یار کی محبت
 کو جدا کرنے کی قاتل، اور حارث اس معصوم
 سے اس کی ماں کو چھیننے کی قاتل، تم روز قیامت
 کس کس کا حساب دوگی، یہ دولت کی چکا چوند نے
 تمہیں اتنا اندھا کر دیا تمہاری بے لگام خواہشات
 نے تمہارے دل کو اتنا سنگدل بنا دیا جہاں ماں
 باپ اور بہن جیسی مخلص رشتوں کی جگہ نہ بن سکی
 اور اب شہر یار جیسے شریف انفس انسان کو مسلسل
 دھوکہ دے رہی ہو، خدا کی لالچی بے آواز ہے
 جس بچے کو مہرہ بنا کر تم نے شہر یار کی دولت تک
 رسائی حاصل کرنا چاہی اس سے غافل ہونے پر

☆ ☆ ☆
 ”یاد خدا یا مجھے کیا ہوا ہے؟“
 ”علیحدہ تمہاری زندگی میں سکون اور
 رشتوں کی کمی ہے ماں بچاری بھی تم کو سمجھاتے اور
 صحت کرتے اس دنیا سے منہ موڑ گئی باپ تمہا
 زندگی گزار رہا ہے کیا بھی تم نے اپنی نام نہاد
 مصروفیت سے وقت نکال کر ان کی خبریت معلوم
 کی؟ ان کی ضرورتوں کا خیال رکھا، وہ جو تمہیں
 اپنی چھٹی بیل کہتے تھے ان کو بھول گئی اور وہ
 تمہاری بہن ماں لوٹ ہی اس کی قاتل ہو اس دن
 لائیٹ نہیں تھی مگر تم نے حسد بنی اپنے کمرے میں
 میگزین پڑھتی رہی اس کی درد میں ڈوبی آواز سن
 کر تم کو تڑپ محسوس نہیں ہوئی لا پرواہی سے اس
 کی پکار کو انکود کرتی رہی اگر تم فوراً اس کے پاس
 چلی جاتی تو وہ یوں میز جیوں سے نہ گرتی، تم قاتل
 ہو، رشتوں کی قاتل، اپنی بہن کے اعتماد کی قاتل،
 اپنے ماں باپ کی محبتوں کی قاتل، شہر یار کی محبت
 کو جدا کرنے کی قاتل، اور حارث اس معصوم
 سے اس کی ماں کو چھیننے کی قاتل، تم روز قیامت
 کس کس کا حساب دوگی، یہ دولت کی چکا چوند نے
 تمہیں اتنا اندھا کر دیا تمہاری بے لگام خواہشات
 نے تمہارے دل کو اتنا سنگدل بنا دیا جہاں ماں
 باپ اور بہن جیسی مخلص رشتوں کی جگہ نہ بن سکی
 اور اب شہر یار جیسے شریف انفس انسان کو مسلسل
 دھوکہ دے رہی ہو، خدا کی لالچی بے آواز ہے
 جس بچے کو مہرہ بنا کر تم نے شہر یار کی دولت تک
 رسائی حاصل کرنا چاہی اس سے غافل ہونے پر



URDU TUBE
A HOUSE OF ENTERTAINMENT
www.urdutube.com

جانتی ہے کہ اسلم کی بیٹی نادیہ کو وہ افضل کے نام کرنا چاہتے ہیں۔ ”اپنے بھائیوں کا نام لینے وہ شدید پریشانی سے ہاتھ ملتے ہوئے۔“

کر رہے ہیں۔ ”وہ یکدم جوش سے بولیں، ہوں جیسے اللہ رتے بے جبر ہو اس بات کے۔“ مگر شیرا کا تو نکاح اس کے ناموں زاد واحد سے ہو چکا ہے نا۔ ”وہ چونکتے ہوئے۔“

”تو نکاح تو نے میں کی دیر لگتی ہے، دیکھ لے۔“ بھی شیرا واحد سے نہیں ہمارے افضل سے محبت.....

”یہ تو کیا کہہ رہی ہے شیم مائی، دماغ تو خراب نہیں ہو گیا تیرا۔“ اس کی بات کا تختہ وہ ایکدم غصے سے دھاڑے۔

”تیری اپنی پانچ بیٹیاں ہیں، تو کس طرح کسی دوسرے کی بیٹی کے لئے اس طرح سوچ سکتی ہے۔“ وہ شدید بے یقینی سے بولے۔

”مجھے صرف اتنا پتا ہے کہ افضل شیرا سے محبت کرتا ہے، وہ دونوں صرف ایک دوسرے کے لئے بنے ہیں۔“ گہری سانس بھرتے کہا۔

”یہ ناممکن ہے۔“ وہ قطعیت سے کہنے لگے۔

کھڑے ہوئے۔

”یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔“ اللہ رتے چارپائی سے یکدم اٹھتے بولا، اس کے انداز میں قطعیت محسوس کرتیں شیم مائی ترپ اٹھیں۔

”کیوں نہیں ہو سکتا، کیا کی ہے شیرا میں، سعادت مند شریف ہونا لڑکی ہے اور پر سے میری خالہ زاد کی بیٹی ہے۔“ شیم مائی شیرا کی تعریف کرتیں اچھاتی ہوئیں مگر وہ لڑکے سے مس نہیں ہوئے۔

”رشتے مردوں کی رضامندی سے ہوتے ہیں شیم مائی، عورتوں کے کہہ دینے سے نہیں۔“ مڑ کر باقاعدہ انہیں گھورتے کہا۔

”مردوں کی رضامندی سے نہیں بلکہ دولہا دلہن کی رضامندی سے ہوتے ہیں، کیونکہ کہتے ہیں نادر دولہا دلہن راضی تو کیا کرے گا قاضی۔“ وہ مثال دیتیں ان کے سامنے تن گئیں۔

”آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتیں۔“ اب کے وہ بے بسی سے بولے۔

”مجبور تو میں خود ہوں اللہ رتے، اس معصوم لڑکی کی آنکھوں میں بہتے خواب اور افضل کی نظروں میں بھی اتنا مجھے بار بار آپ سے لڑنے پر مجبور کر رہی ہے۔“ بے اختیار آنکھیں نم ہوئیں۔

”تم چاہے جتنا لڑو یہ ممکن نہیں ہے۔“ وہ چارپائی پر بیٹھنے سے انداز میں بولے۔

”کیوں، کوئی وجہ بھی تو ہوگی انکار کی۔“ وہ بے اختیار ان کے قریب بیٹھیں بولیں۔

”اکرم اور اسلم نہیں مائیں گے تو..... تو

راکھ کر دینے کی طاقت رکھنے والی۔
درختوں پہ بیٹھے پرندے سارکتے سے گرمائی
دھوپ میں نکلے بچہ مسجد کے صحن میں نکلے سر
دوپٹے سے چھاؤ لگائی اس لڑکی کو حیرت سے
دیکھ رہے تھے، بہتے آنسو مسجد کی زمین پہ گرتے

تھا۔
”سب سے۔“ وہ بڑبڑائیں جیسے اور اللہ
دہ انہیں گھورتے باہر نکل گئے۔
☆☆☆
تیز تہق دھوپ تھی، گرمادینے والی جلا کر

”ہاں، شام سے پہلے شہر بھی تو پہنچتا ہے۔“
”مگر شہر کی طرف بڑھا۔“
”نم آواز نے اس کے قدم جکڑ لئے، وہ بے اختیار مڑا۔“

دیکھے۔
”تم دور رہی ہو۔“ حیرت سے بچتے آنسو

”تم جا رہے ہو۔“ اسی کے انداز میں کہہ کر
”تھم میں پکڑا شاپر اس کے سائیکل کے ہینڈل
میں اٹکا۔“

”جانا تو پڑے گا۔“ وہ بے بسی سے بولا۔
”تو پھر کب آؤ گے۔“ کامل بھری نظریں
اٹھائیں۔

”پرسوں۔“ دودن بعد آنے کا کہا۔
عجب محبت جی جانے سے پہلے آنے کا وعدہ
لے رہی تھی۔

”وعدہ؟“ اس نے ہاتھ بڑھایا۔
”وعدہ۔“ محبت سے ہاتھ تھا، قسمت نے
تج سے انداز میں انہیں دیکھا تھا اور تقدیر دور

کھڑی افسردہ انداز میں انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔
☆☆☆

”پری بیٹا، کام ختم کر کے میرے سر میں تل
ڈال دے تم سے بڑا سرد کر رہا ہے۔“ دوپٹے
کو ماتھے پہ باندھتے شمیم مائی کچے صحن کی لپائی
کرتی اپنی بڑی بیٹی سے بولیں۔

”اماں ابھی میرے پاس ٹائم نہیں ہے،
ابھی صحن کی لپائی کر کے برتن دھوئے ہیں اور
افضل کے لئے کھیرنی بھی بنائی ہے، اور بے شاء
کو صبح سے موٹن لگے ہوئے ہیں اس کی دوای
لینے بھی جانا ہے۔“ مٹی سے صحن کی لپائی کرتے
پری مصروف سے انداز میں بولی۔

جسے اندر داخل ہوئی شیزا نے سنا تو شمیم بیگم

دیکھنے لگا۔
”بلکہ السلام، تم کس کا سوچ رہے ہو۔“
چائے پیچھے کھڑا کرانے کے سامنے رکے
پوچھا۔
”پچھ نہیں اماں ابا کو منا پائیں گی یا نہیں۔“

وہ اداسی سے بولا شیزا نے بے اختیار اس کا ہاتھ
تھپا۔
”ضرور منا لیں گی، تم پریشان نہ ہو۔“

کب اٹھا کر اس کی طرف بڑھایا وہ اس پہ نگاہیں
کاٹتا تھا۔
”میرے خط کا تم نے جواب نہیں دیا۔“ وہ

”کیا جواب دیتی۔“ وہ شرمائی محبت کی
سرخیاں کے چہرے پہ پھرنے لگی۔
”کچھ بھی۔“ وہ سوچتے بولا۔

”کچھ بھی تو نہیں لکھ پائی ہوں لگا جیسے
میرے قلم سے سارے لفظ چھن گئے ہوں
احساسات جذبات منہ چھپا کر شرمانے لگے ہوں

”میری ناراضگی کی برکت میں۔“
چائے کے لئے برتن رکھتے اسے دیکھا جو بڑی
توجہ سے اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ دیرم شرمائے

نظریں چرا گئی۔
”اسی لئے تو آیا ہوں۔“ دیکتے جذبول
بھری آواز اس کی سماعت سے غائب وہ دوپٹے کا

پلو دانتوں میں دبائی گئی۔
”افضل!، اب کڑائی آواز سے لپکارا۔
”ہاں جان افضل۔“ وہ غار ہوا۔

”تم مجھے چھوڑو گے تو نہیں۔“ نظریں کھولتی
چائے پہ جماتے پوچھا۔
”جی نہیں۔“ وہ پورے یقین سے بولا۔

”اماں سلام کہہ رہی تھی۔“ وہ اسے نظریں
مٹا کے بڑے سے کچے صحن میں دوڑتی مرغیوں کو

بولی۔
”تھم میں پکڑا شاپر اس کے سائیکل کے ہینڈل
میں اٹکا۔“
”جانا تو پڑے گا۔“ وہ بے بسی سے بولا۔
”تو پھر کب آؤ گے۔“ کامل بھری نظریں
اٹھائیں۔
”پرسوں۔“ دودن بعد آنے کا کہا۔
عجب محبت جی جانے سے پہلے آنے کا وعدہ
لے رہی تھی۔
”وعدہ؟“ اس نے ہاتھ بڑھایا۔
”وعدہ۔“ محبت سے ہاتھ تھا، قسمت نے
تج سے انداز میں انہیں دیکھا تھا اور تقدیر دور
کھڑی افسردہ انداز میں انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔
☆☆☆
”پری بیٹا، کام ختم کر کے میرے سر میں تل
ڈال دے تم سے بڑا سرد کر رہا ہے۔“ دوپٹے
کو ماتھے پہ باندھتے شمیم مائی کچے صحن کی لپائی
کرتی اپنی بڑی بیٹی سے بولیں۔
”اماں ابھی میرے پاس ٹائم نہیں ہے،
ابھی صحن کی لپائی کر کے برتن دھوئے ہیں اور
افضل کے لئے کھیرنی بھی بنائی ہے، اور بے شاء
کو صبح سے موٹن لگے ہوئے ہیں اس کی دوای
لینے بھی جانا ہے۔“ مٹی سے صحن کی لپائی کرتے
پری مصروف سے انداز میں بولی۔
جسے اندر داخل ہوئی شیزا نے سنا تو شمیم بیگم

”کیا واقعی محبت تھی۔“
”پر اس کے لئے۔“
”پھر سے ہندی جلدی تلاش میں اڑ گئے، کراب
مزید دھوپ میں بیٹھنا محال تھا۔
☆☆☆

”کیسی ہو؟“ سائیکل درخت کے نیچے
کھڑی کرتا وہ اس کے قریب آکھڑا ہوا، شیزا نے
چونک کر سر اٹھایا۔
”تم آ گئے؟“ خوشی سے چٹا لب و لہجہ

”آنا تو تھا ہی۔“ وہ اس کے ساتھ چل ہوا
”مٹی کے بنے چوہے کے قریب آ بیٹھا۔
”کیوں؟“ تیزی سے

اٹھاتے پوچھتے وہ شرمائی۔
”میں نہ آتا تو تم ناراض ہو جاتی۔“ محبت
بھری نظریں اس پہ جمائی جو کڑی لپاں چوہے میں
رکھ کر اب مچس جلا رہی تھی۔

”میری ناراضگی کی برکت میں۔“
چائے کے لئے برتن رکھتے اسے دیکھا جو بڑی
توجہ سے اسے ہی دیکھ رہا تھا وہ دیرم شرمائے

نظریں چرا گئی۔
”اسی لئے تو آیا ہوں۔“ دیکتے جذبول
بھری آواز اس کی سماعت سے غائب وہ دوپٹے کا

پلو دانتوں میں دبائی گئی۔
”افضل!، اب کڑائی آواز سے لپکارا۔
”ہاں جان افضل۔“ وہ غار ہوا۔

”تم مجھے چھوڑو گے تو نہیں۔“ نظریں کھولتی
چائے پہ جماتے پوچھا۔
”جی نہیں۔“ وہ پورے یقین سے بولا۔

”اماں سلام کہہ رہی تھی۔“ وہ اسے نظریں
مٹا کے بڑے سے کچے صحن میں دوڑتی مرغیوں کو

بولی۔
”تھم میں پکڑا شاپر اس کے سائیکل کے ہینڈل
میں اٹکا۔“
”جانا تو پڑے گا۔“ وہ بے بسی سے بولا۔
”تو پھر کب آؤ گے۔“ کامل بھری نظریں
اٹھائیں۔
”پرسوں۔“ دودن بعد آنے کا کہا۔
عجب محبت جی جانے سے پہلے آنے کا وعدہ
لے رہی تھی۔
”وعدہ؟“ اس نے ہاتھ بڑھایا۔
”وعدہ۔“ محبت سے ہاتھ تھا، قسمت نے
تج سے انداز میں انہیں دیکھا تھا اور تقدیر دور
کھڑی افسردہ انداز میں انہیں ہی دیکھ رہی تھی۔
☆☆☆
”پری بیٹا، کام ختم کر کے میرے سر میں تل
ڈال دے تم سے بڑا سرد کر رہا ہے۔“ دوپٹے
کو ماتھے پہ باندھتے شمیم مائی کچے صحن کی لپائی
کرتی اپنی بڑی بیٹی سے بولیں۔
”اماں ابھی میرے پاس ٹائم نہیں ہے،
ابھی صحن کی لپائی کر کے برتن دھوئے ہیں اور
افضل کے لئے کھیرنی بھی بنائی ہے، اور بے شاء
کو صبح سے موٹن لگے ہوئے ہیں اس کی دوای
لینے بھی جانا ہے۔“ مٹی سے صحن کی لپائی کرتے
پری مصروف سے انداز میں بولی۔
جسے اندر داخل ہوئی شیزا نے سنا تو شمیم بیگم

”خاک ہوتے گئے، اس کے سر پر جی کریم زمین پہ
لگتے خشک سے تار۔ وہ بے خود کیا، دھوپ
کی لہریں اسے آڑ میں لے گئے۔
دوپٹے سے جھاڑو لگی بڑبڑا رہی تھی۔
”یا اللہ میرے دل میں بیٹے اس انسان کو
میرا ہم سفر بنا دے، یا ابھی اس کے بنا زندگی کا
تصور یوں ہے جیسے بنا روح کے جسم، اے میرے
مالک، افضل اور بشر اکو ملا دے۔“

”شیزا ادھیڑا کیا کر رہی ہو۔“ شمیم بھاگتی
ہوئی اس کے قریب آئی، ہانپتے ہوئے روٹی بشیرا
کو بچھوڑا۔
”دعا۔“ وہ بڑبڑائی۔
”کیسی دعا؟“ ماتھے پہ آیا پسینہ صاف
کرتے کہا۔

ادھ یہ گری اٹھا سورج، گھور کے آسمان
کے سینے پہ سجے سورج کو دیکھنا جا کر لمبے بھر میں
آنکھیں چندھیا سی گئیں تو جلدی سے نظریں جھکا
کر ننگے پیر ننگے سر دہکتی زمین پہ بیٹھی شیزا کو

دیکھا۔
”اپنے مقدر کے سنور جانے کی دعا۔“
کھوٹے سے انداز میں جواب دیا۔
”اٹھ یہاں سے مرنے کا ارادہ ہے کیا،
اماں کب سے بلا رہی ہے، گاں میں کو چارہ ڈال
اور دودھ نکال دے۔“ جھک کر اس کے دوپٹے کو

کھینچا پھر اس کے سر پہ ڈالا جیسے وہ تیزی سے
اتار کر دوبارہ مسکڑی زمین پہ مارنے لگی۔
”پائسل ہوئی ہے کیا، اتنی دھوپ میں یہاں
بیٹھی ہے بنا رو جانے کی چل اٹھا اب۔“ بازو
سے پکڑتے کھینچا جسے جھکا دیتی وہ چھڑا گئی۔

”بنا رو میں بجائے کب کی ہوگی اب تو اپنی
صحت یابی کی دعا کر رہی ہوں۔“ آہستہ سے سر
اٹھا کر اسے دیکھا شمیم اس کی آنکھوں کی سرخی پہ

دیکھا۔
”اپنے مقدر کے سنور جانے کی دعا۔“
کھوٹے سے انداز میں جواب دیا۔
”اٹھ یہاں سے مرنے کا ارادہ ہے کیا،
اماں کب سے بلا رہی ہے، گاں میں کو چارہ ڈال
اور دودھ نکال دے۔“ جھک کر اس کے دوپٹے کو

کھینچا پھر اس کے سر پہ ڈالا جیسے وہ تیزی سے
اتار کر دوبارہ مسکڑی زمین پہ مارنے لگی۔
”پائسل ہوئی ہے کیا، اتنی دھوپ میں یہاں
بیٹھی ہے بنا رو جانے کی چل اٹھا اب۔“ بازو
سے پکڑتے کھینچا جسے جھکا دیتی وہ چھڑا گئی۔

”بنا رو میں بجائے کب کی ہوگی اب تو اپنی
صحت یابی کی دعا کر رہی ہوں۔“ آہستہ سے سر
اٹھا کر اسے دیکھا شمیم اس کی آنکھوں کی سرخی پہ

دیکھا۔
”اپنے مقدر کے سنور جانے کی دعا۔“
کھوٹے سے انداز میں جواب دیا۔
”اٹھ یہاں سے مرنے کا ارادہ ہے کیا،
اماں کب سے بلا رہی ہے، گاں میں کو چارہ ڈال
اور دودھ نکال دے۔“ جھک کر اس کے دوپٹے کو
کھینچا پھر اس کے سر پہ ڈالا جیسے وہ تیزی سے
اتار کر دوبارہ مسکڑی زمین پہ مارنے لگی۔
”پائسل ہوئی ہے کیا، اتنی دھوپ میں یہاں
بیٹھی ہے بنا رو جانے کی چل اٹھا اب۔“ بازو
سے پکڑتے کھینچا جسے جھکا دیتی وہ چھڑا گئی۔
”بنا رو میں بجائے کب کی ہوگی اب تو اپنی
صحت یابی کی دعا کر رہی ہوں۔“ آہستہ سے سر
اٹھا کر اسے دیکھا شمیم اس کی آنکھوں کی سرخی پہ

”سہارا“ کے نام سے ایک نیا ٹی وی چینل شروع کیا گیا۔ اس کے مالک نے اس کے لیے ایک بڑی رقم خرچ کی تھی۔

”تمہارا اور میرا ناراض یا راضی ہونے کا رشتہ ہے ہی نہیں۔“ اسی طرح رخ پھرے جواب دیا دوسرے لفظوں میں پھر اس نکاح سے انکار کیا، جوان کے بچپن میں ہی بیڑوں سے کر دیا تھا۔

”رشتہ تو ہے مرنے جانے تم کیوں اس کو نہیں مانتی۔“ افضل نے تڑپ کر بے اختیار اس کے سنہری مائل بالوں کو دیکھا وہ اس کی طرف پشت کیے کھینچ کھینچتی تھی، اس وقت اس کے بال دیکھ سکتا تھا اور اس میں ہی وہ خوش تھا۔

”محبت وہ نہیں جو محبوب کو کچھ کرے گی اٹھے محبت تو وہ ہے جو محبوب کے نام پہ جی اٹھتی ہے۔“ اور واجد شہزاد اس کی محبت کرتا تھا۔

”دجود کے راگ سے پاک محبت۔“

”تو پھر ختم کر دو اس رشتے کو جب تم جانتے ہو کہ میں اس رشتے کو نہیں مانتی۔“ وہ غصے سے کہتی چلی، ہاتھ میں مٹی اٹھائی جسے وہ کھیل رہی تھی، بے اختیار واجد کے منہ پہ پھینکی جو اس کے سفید بے داغ کپڑوں کو داغ دار کر گئی بالکل اس کی محبت کی طرح۔

”نہیں کر سکتا۔“ خود کو جھاڑتے کہا اعزاز میں بڑی بے بسی تھی۔

”تو مجھے ختم کر دو، کیونکہ تمہارے نام سے جڑا میرا نام مجھے کچھ بہ کچھ موت کے قریب کر رہا ہے۔“ وہ بے دردی سے کہتی اٹھی، رخ پھیر کر جیسے اپنے آنسو اس سے چھپائے۔

”اور یہ خیال کہ تم میری ہو مجھے محبت کے قدموں میں محبت کا بھکاری بنا ہو تو پھر تم مر جاؤ تاکہ میری جان چھوٹے۔“ وہ رخ سے اعزاز میں

”اگر تم بھی مجھے یاد کرنا چاہو“

”جی ہاں“ نے شیزا کے لئے یہ کچھ چیزیں بھیجیں۔

”کہہ کر نظریں درخت سے پشت لائے مٹی شیزا کی کمر کو چھونے لگیں، نظریں اس کے پیادوں کو چلی گئیں۔

”اس کی کیا ضرورت تھی۔“ سہلی بیگم لالچ کر رہی تھی کہ اس کے ہاتھوں میں پکڑے

”ایک دن چھوڑ کے ہر دوسرے دن آتا ہوں۔“ اسے جیسے یاد دلایا۔

”میں تمہیں ہر بل ہر لمحہ ہر منٹ ہر لمحوہ دیکھنا چاہتی ہوں میری تڑپ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن تمہیں دیکھنے سے ختم نہیں ہوں بلکہ ہر گز رتا بل ہر گز رتا لمحہ اسے مزید بڑھا دیتا ہے۔“ تم آواز میں کہتی وہ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام گئی۔

”میں کیا کروں افضل مجھے اپنا آپ بے اختیار میں ڈوبا لگتا ہے، میرا اپنا آپ میرے بس میں نہیں رہا۔“ اب کے آواز میں بھی

”تم فکر مت کرو شیزا، وہ وقت اب دور نہیں جب تم مجھے ہر بل ہر لمحہ اپنے جانے دیکھو گی۔“ وہ اک نئی امید اک نئے جذبے سے بولا، جیسی آنکھوں میں خوشی کی لہریں دوڑ رہی۔

”بچ۔“ وہ بے ساختہ بولی۔

”بالکل بچ۔“ جیسے اس نے تصدیق کی مگر لگاوی تو وہ خوشی اس کے روم روم سے پھوٹنے لگی۔

”جی ہاں“ نے شیزا کے لئے یہ کچھ چیزیں بھیجیں۔

”کہہ کر نظریں درخت سے پشت لائے مٹی شیزا کی کمر کو چھونے لگیں، نظریں اس کے پیادوں کو چلی گئیں۔

”اس کی کیا ضرورت تھی۔“ سہلی بیگم لالچ کر رہی تھی کہ اس کے ہاتھوں میں پکڑے

”ایک دن چھوڑ کے ہر دوسرے دن آتا ہوں۔“ اسے جیسے یاد دلایا۔

”میں تمہیں ہر بل ہر لمحہ ہر منٹ ہر لمحوہ دیکھنا چاہتی ہوں میری تڑپ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن تمہیں دیکھنے سے ختم نہیں ہوں بلکہ ہر گز رتا بل ہر گز رتا لمحہ اسے مزید بڑھا دیتا ہے۔“ تم آواز میں کہتی وہ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام گئی۔

”جی ہاں“ نے شیزا کے لئے یہ کچھ چیزیں بھیجیں۔

”کہہ کر نظریں درخت سے پشت لائے مٹی شیزا کی کمر کو چھونے لگیں، نظریں اس کے پیادوں کو چلی گئیں۔

”اس کی کیا ضرورت تھی۔“ سہلی بیگم لالچ کر رہی تھی کہ اس کے ہاتھوں میں پکڑے

”ایک دن چھوڑ کے ہر دوسرے دن آتا ہوں۔“ اسے جیسے یاد دلایا۔

”میں تمہیں ہر بل ہر لمحہ ہر منٹ ہر لمحوہ دیکھنا چاہتی ہوں میری تڑپ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن تمہیں دیکھنے سے ختم نہیں ہوں بلکہ ہر گز رتا بل ہر گز رتا لمحہ اسے مزید بڑھا دیتا ہے۔“ تم آواز میں کہتی وہ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام گئی۔

”سہارا“ کے نام سے ایک نیا ٹی وی چینل شروع کیا گیا۔ اس کے مالک نے اس کے لیے ایک بڑی رقم خرچ کی تھی۔

”تم بھی مطلب!“ وہ تیزی سے مڑ کے بے اختیار افضل کا مسکراتا چہرہ دیکھا۔

”مجھے لگا صرف میں تمہاری یاد میں تڑپا ہوں۔“ کہہ کر وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”اگر اتنا ہی یاد کرتے ہو تو ملنے کیوں نہیں آتے۔“ ناراضگی سے کہتے اس کے قریب آ بیٹھی۔

”ایک دن چھوڑ کے ہر دوسرے دن آتا ہوں۔“ اسے جیسے یاد دلایا۔

”میں تمہیں ہر بل ہر لمحہ ہر منٹ ہر لمحوہ دیکھنا چاہتی ہوں میری تڑپ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن تمہیں دیکھنے سے ختم نہیں ہوں بلکہ ہر گز رتا بل ہر گز رتا لمحہ اسے مزید بڑھا دیتا ہے۔“ تم آواز میں کہتی وہ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام گئی۔

”میں کیا کروں افضل مجھے اپنا آپ بے اختیار میں ڈوبا لگتا ہے، میرا اپنا آپ میرے بس میں نہیں رہا۔“ اب کے آواز میں بھی

”تم فکر مت کرو شیزا، وہ وقت اب دور نہیں جب تم مجھے ہر بل ہر لمحہ اپنے جانے دیکھو گی۔“ وہ اک نئی امید اک نئے جذبے سے بولا، جیسی آنکھوں میں خوشی کی لہریں دوڑ رہی۔

”بچ۔“ وہ بے ساختہ بولی۔

”بالکل بچ۔“ جیسے اس نے تصدیق کی مگر لگاوی تو وہ خوشی اس کے روم روم سے پھوٹنے لگی۔

”جی ہاں“ نے شیزا کے لئے یہ کچھ چیزیں بھیجیں۔

”کہہ کر نظریں درخت سے پشت لائے مٹی شیزا کی کمر کو چھونے لگیں، نظریں اس کے پیادوں کو چلی گئیں۔

”اس کی کیا ضرورت تھی۔“ سہلی بیگم لالچ کر رہی تھی کہ اس کے ہاتھوں میں پکڑے

”ایک دن چھوڑ کے ہر دوسرے دن آتا ہوں۔“ اسے جیسے یاد دلایا۔

”میں تمہیں ہر بل ہر لمحہ ہر منٹ ہر لمحوہ دیکھنا چاہتی ہوں میری تڑپ ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن تمہیں دیکھنے سے ختم نہیں ہوں بلکہ ہر گز رتا بل ہر گز رتا لمحہ اسے مزید بڑھا دیتا ہے۔“ تم آواز میں کہتی وہ بے اختیار اس کا ہاتھ تھام گئی۔

”سلام چائی، لائے میں آپ کو تیل لگا دوں۔“

”جی ہاں۔“

”میں صدقے میں داری میری شیزا آئی ہے، کس کے ساتھ آئی ہو۔“ عیم مائی نے اسے پیار کرتے مڑ کر داغی دروازے کو دیکھتے پوچھا۔

”داری کے ساتھ شہزادی تھی تو یہاں بھی چلی آئی انہیں بازار جانا تھا تو میں نے کہا کہ میں تب تک آپ سب سے مل لوں گی۔“ متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے کہا۔

”اچھا کیا، یہ تلے میرے سر میں ڈال دے، تم سے بڑا درد کر رہا ہے مج سے۔“ خوشی سے بول اس کی طرف بڑھائی جسے تھمائی وہ مسکرائی۔

”کیوں نہیں۔“ پری تم محن کی لہائی کر کے حاکی دوئی لے آؤ میں چائی کو تیل لگا کر برتن دھو کر باقی کام بھی ختم کر دیتی ہوں۔“ وہ خوشی سے بولی۔

”فیک ہے۔“ پری سکون سے کہتی ٹپ اٹھا کے نکلے کی طرف بڑھی۔

”جی ہاں۔“

”میں صدقے میں داری میری شیزا آئی ہے، کس کے ساتھ آئی ہو۔“ عیم مائی نے اسے پیار کرتے مڑ کر داغی دروازے کو دیکھتے پوچھا۔

”داری کے ساتھ شہزادی تھی تو یہاں بھی چلی آئی انہیں بازار جانا تھا تو میں نے کہا کہ میں تب تک آپ سب سے مل لوں گی۔“ متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے کہا۔

”اچھا کیا، یہ تلے میرے سر میں ڈال دے، تم سے بڑا درد کر رہا ہے مج سے۔“ خوشی سے بول اس کی طرف بڑھائی جسے تھمائی وہ مسکرائی۔

”جی ہاں۔“

”میں صدقے میں داری میری شیزا آئی ہے، کس کے ساتھ آئی ہو۔“ عیم مائی نے اسے پیار کرتے مڑ کر داغی دروازے کو دیکھتے پوچھا۔

”داری کے ساتھ شہزادی تھی تو یہاں بھی چلی آئی انہیں بازار جانا تھا تو میں نے کہا کہ میں تب تک آپ سب سے مل لوں گی۔“ متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے کہا۔

”اچھا کیا، یہ تلے میرے سر میں ڈال دے، تم سے بڑا درد کر رہا ہے مج سے۔“ خوشی سے بول اس کی طرف بڑھائی جسے تھمائی وہ مسکرائی۔

”جی ہاں۔“

”میں صدقے میں داری میری شیزا آئی ہے، کس کے ساتھ آئی ہو۔“ عیم مائی نے اسے پیار کرتے مڑ کر داغی دروازے کو دیکھتے پوچھا۔

”داری کے ساتھ شہزادی تھی تو یہاں بھی چلی آئی انہیں بازار جانا تھا تو میں نے کہا کہ میں تب تک آپ سب سے مل لوں گی۔“ متلاشی نظروں سے چاروں طرف دیکھتے کہا۔

”اچھا کیا، یہ تلے میرے سر میں ڈال دے، تم سے بڑا درد کر رہا ہے مج سے۔“ خوشی سے بول اس کی طرف بڑھائی جسے تھمائی وہ مسکرائی۔

دوسروں کی محبت مارنے والے کبھی سکون سے نہیں سوتے۔
 رسول کا چیک میرے دل میں اب بھی تھپکتا ہے
 لے وہی محبت ہے جو نکاح کے پولوں میں تھی۔
 ہر طرف خاموشی مگر مٹی قتی نظروں نے خوف سے
 ساکت بیٹھی شیزا کو دیکھا کتنے ہی چہروں نے مڑ
 کر حلقہ قدموں سے جاتے واجد کو روٹے دیکھا
 اور کتنی ہی ہوس پرست نظریں طلاق کا داغ لگتے
 ہی شیزا کے گرد گھومتی لگیں جبکہ ساکت سی زمین
 پہ بھکاری کی طرح وہ یہ سوچ رہی تھی۔
 محبت کی جگہ میں جیت کس کی ہوئی شیزا
 کی یا پھر واجد کی۔

☆☆☆

”اماں شیزا آزاد ہوگئی، اسے طلاق دے
 دی واجد نے۔“ افضل دوڑتا فہیم مائی کے گلے لگا
 دروازے میں کھڑی پری نے خوف سے اندر
 داخل ہوتے اللہ کے لفظ سنے۔
 ”کسی کا دل توڑا ہے تم نے یاد رکھنا رب کی
 لاشی بے آواز ہے۔“

”کوئی دل نہیں توڑا بلکہ اب دودل بڑھیں
 گے۔“ فہیم مائی بے پروائی سے کہتیں مسکرائیں،
 اللہ دے بنے کسی سے انہیں گھورا۔
 شیزا کی عدت ختم ہوتے ہی فہیم مائی نے
 سامان بیک کیا۔

افضل پری تھا، شیزا کی اور مریم کو ساتھ لے
 وہ سیدھی گاؤں چلی آئیں، شیزا اور واجد کا نکاح
 پڑھایا اور تختی لے کر اگلے دن واپس شہر آگئی۔
 زندگی نے یکدم رخ پھیرا، سب کچھ اچھا
 ہو گیا۔

اکرم اور اسلم اللہ رتہ کے بھائیوں نے ان
 سے اپنا ہر رشتہ توڑ لیا اور آنا جانا چھوڑ دیا لاکھ

پہلے کیا تو وہ شیزا شہر سے غافل
 اس کے کون سے بھول کر لیا۔
 وقت آہستہ آہستہ گزرنے لگا اسی طرح ان
 کی شادی کو نو سال بیت گئے مگر ان کو سالوں میں
 ان دونوں کی گود بھی نہ بھری، پری کی شادی ہوئی
 دور کے رشتے داروں میں حتا کی بھی شادی ہوئی
 جبکہ شیزا کی مگنی کردی گئی، شیزا اور افضل کی زندگی
 ہر طرح سے بر سکون تھی مگر اس میں بھی
 وقت مٹی چھپا شیزا کو بھٹاتا تھا۔
 بیماری بڑھتی تھی جوں جوں دوایا بھرتا تھا شیزا
 کی دماغی حالت کو بھی متاثر کیا۔
 جس وجہ سے اسے دور سے دیکھتے

بیٹھے بیٹھے رونے لگتی روتے روتے جانا بیرونی
 کرتی ماتم کرتی چیخ چلا کر کھلے کو اٹھا کر لگتی،
 دوپٹے کو باہر روڈ پہ نکل جاتی ہر گزرتے بوجھ
 ماری، لوگ شکایتیں لے کر یا باہر فہیم مائی کے
 پاس آتے اور وہ تنگ آ کر کسی دکان کے
 ستون کے بندھ دستیں

آج بھی یہی ہوا تھا۔
 مہم فہیم مائی نے اس کی زنجیر کو کھلا کر کھانا
 کھلا سکے مگر وہ کمزور یوزی لاغری فہیم مائی کو دکھا
 دے کر باہر بھاگ گئی، ہانپتی کاتی وہ افضل کے
 سر پہ جا پہنچی جوا چاکل بننے سے اٹھاے جانے پہ
 سرخ آنکھوں سے انہیں گھور کر چلا گیا۔
 ”تو میں کیا کروں، اللہ کرے مر جائے
 پاگل جان چھوٹے میری، زندگی عذاب کر کے
 رکھ دی ہے۔“

”اسے ڈھونڈ وافضل کہیں کسی چیز کے نیچے
 کر مر مرانہ جائے۔“ فہیم مائی کیلچے پہ ہاتھ رکھیں
 منمنائی آنکھوں سے بہتے آنسو جھریوں زدہ چہرہ

بوتے لگے۔
 تو پا کر اماں کے سر ہی جاگے کب مجھے
 اس کے پاس آئے۔
 اور وہی چادر اوڑھتی باہر چلیں آئیں۔
 حواس باختہ سی چاروں طرف نظریں
 دوڑا تھ وہ آگے بڑھنے لگیں، گلیوں سے گزرتے
 گھروں میں جھانکتے وہ روڈ پہ نکل آئیں بھی
 سامنے کے منظر نے ان کے ہوش اڑا دیے۔
 ”اللہ کے نام پہ دے دو بابا، اللہ کے واسطے
 بکھرا مال پھٹے کپڑے ننگے چیرہ وہ ہر
 گزرتے بندھنے کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کے
 بیک باگ رہی تھی۔

لوگ اس کے ہاتھ پہ سے رکھنے لگے وہ
 جی سے ہر گزرتے مرد کے سامنے ہاتھ
 پھیلاتے رونے لگی پھوٹ پھوٹ کر۔

”مجھے کیسے نہیں محبت چاہیے، مجھے بھیک
 دے دو محبت کی بھیک۔“ فہیم مائی ساکت
 ہوئی، شیزا کے قریب جاتے قدم بے جان
 ہوتے، شیزا کی ملک الموت نے بیروں سے
 اس کی کمر باندھ کر شیزا کو روڈ کی طرف لے
 گئی بات انہیں سامنے آس پاس سنائی دی۔

”وہ کہتا تھا شیزا محبت بھیک کی طرح میری
 قبول میں ڈال دو۔“ وہ ہنسی آج سات سال بعد
 کی اتنی تیزی سے ان کی سماعت سے ٹکرائی جس
 نے اس کی دل کی گئی تھی، تلخیر بھری۔

”بھلا محبت کوئی بھیک میں دیتا ہے۔“ وہی
 آواز انہوں نے شدت سے سر جھٹکا جیسے اس
 آواز سے پیچھا چھڑایا چاہا ہو۔

”وہ میری جونی بننے کے قابل بھی نہیں تھا
 مگر اسے اپنے سر کا تاج کیسے بناتی۔“ مفردانہ
 سانا انہوں نے تاسف سے کچھ فاصلے پہ بلکتی
 شیزا کو دیکھا جو سکے ہاتھوں میں اٹھاے چلا رہی

”مجھے کبھی نہیں ملے گی۔“
 جیسے کہ اس کی بات ہے سکون بھری
 دے سکے۔
 جب اس نے طلاق کے تین لفظ کہے تھے
 اس وقت اس کی شکل دیکھنے والی کسی یوں لگ رہا
 تھا جیسے کوئی اس کی روح نکل رہا ہو، بڑے فخر
 سے چائے پیتے وہ افضل کو بتاتی انہیں یاد آئیں۔
 ”مجھی پاس سے گزرتے کسی نے اپنے
 قدموں میں گری پاگل لڑکی کو خود سے دور کرنے
 کے لئے دھکا دیا اور وہ پیچھے گرتی چلی گئی اور
 دیکھتے ہی دیکھتے تیزی سے ٹرک نے اس کے
 وجود کو کئی ٹکڑوں میں بانٹ دیا، فہیم مائی کی نظروں
 نے سامنے اندھیرا سا چھا گیا، رش بڑھنے لگا لوگ
 جمع ہونے لگے مگر کوئی نہیں جانتا تھا کس سے یہ بڑا
 اس تلخیر اس غرور کی کئی بھی جو افضل کو پا کر اس کے
 دل میں آبا تھا وہ روز ہر شام ہر رات واجد کی
 محبت کا مذاق اڑاتی خود ب مذاق بنی جان ہی نہ
 سکی۔

محبت قدر نہیں کرتے تو نہ کرو مگر کبھی اس کا
 مذاق مت اڑاؤ، کیونکہ پھر وہی محبت آپ کو مذاق
 بنانے میں لمحہ بھر بھی دیر نہیں کرے شیزا کی طرح۔

☆☆☆

اس انداز پر مجھے اتنا پیار تھا کہ جس ایک دن میں دس بار میرے بیٹے کا نام پوچھیں اور میں دس بار یہی بتاؤں آپ بھول جاتی تھیں ناں اس کا نام میں بار بار یاد دلاؤں آپ کو۔

ڈاکٹر کی ہدایات کے باوجود جو آپ کا دل
جو چاہے کھانے کو ہی دوں بس یہ جان لوں کہ
آپ میری ماں نہیں ایک پیارا سا معصوم سا بچہ ہو
جسے مجھے ملنا ہے۔

آپ بہت پیاری ہو پایا جانی اور مجھے آپ سے بہت پیار ہے یہ جملہ آتے جاتے آپ کو مسکراتے ہوئے کہہ جاؤں، میں آپ کو دل کے کہنے پر خط لکھتی رہا کروں گی اور مجھے یقین ہے کہ جتنی شدت سے آپ نے مجھے چاہا ہے اتنی شدت سے ہی انہیں سنبھال کر رکھے گی، یہ سلسلہ فو اب آخری سانس تک جاری رہے گا کہ آپ مجھے ہمیشہ یاد آتی ہی رہے ہیں۔

بس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کی آگے
کی زندگی پر سکون کرے اور میرا کوئی بھی ایسا
نیک عمل جو اس ذات کو پسند آئے آپ کی بخشش
کا ذریعہ بن جائے میں آپ کے لئے صدقہ
خاریہ بن سکوں وہاں پر آپ خوشی اور فخر سے بتا
سکیں گے یہ نیکی پہ ثواب میری گوشوارانی (وہ مجھے
پیارے گوشوارانی پکارتی تھیں) نے مجھے بھیجی
ہے، آپ کو اور وہاں پر موجود سبھی کو سلام۔

و السلام
آپ کی بیٹی
گوشارانی

225 اپریل 2019

ہے میرا کیا دل چاہتا ہے آج کل آپ
ساتھ ہاتھ دھلانے پر بالکل بچوں کی طرح

میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ ماں بننے
کے بعد مجھے بچہ چلا کر آپ نے مجھے کس تکلیف
کے درد سے بچایا ہے آپ ہی کی طرح تمام عمر
درا کر رہا ہوں اور اپنی آغوش میں
مجھے رکھنا چاہتی ہوں آپ ہی کی طرح اسے
کیا کر لیں سنبھالے رکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کہیں
نہ جانے لے جوں کی چوٹ نہ لگائیں، شہ سے اس کا
روٹھانہ نہ جائے گا لیکن پایا جانی اگر میں اسے
اس سے اتار دوں گی نہیں تو وہ چلنا کیسے سیکھے گا اس
پائے کے ساتھ دوڑ کیسے مانے گا میں آپ ہی کی
راہ میں جی کو اڑانے کے لئے پردوں کی لیکن
تھپا کی مانند نہیں جس کی ٹانگ کی ڈوری سے
وہ دی جاتی ہے وہ اڑتو سکتی ہے لیکن آپ کی
کمر کی طرح

خط لکھنے سے پہلے میں اپنے قارئین پر ایک دو باتوں کی وضاحت کر دینا چاہتی ہوں تاکہ خط پڑھنے کے دوران وہ انہیں کھانا پھینک نہ دیں، میری والدہ گیارہ مارچ کو بہت خاموشی کے ساتھ اپنے خاں خوجا سے جا میں وہ بالکل صحت مند تھے، میں بڑھاپے نے مجھے یہ زور دیا تھا اور انہوں نے مجھے اپنے سب کام معقول کے مطابق کیے، وہ پھر کو وہ قبول کرتی تھیں میں لکھانے کے لئے انہیں جگانے آئی تو وہ سوئی سوئی ہی اس دنیا سے جا چکی تھیں۔

سب کے بعد اسی میں میں شروع سے ہی اپنی والدہ کو بابا جی ملائی تھی اور وہ اسی نام سے خطاب کرنا پسند کرتی تھیں، میں ان کی انوکھی اولاد امی، اس خط کو لکھنے کا مقصد اپنے دکھ کو لکھنے میں بیان کرنا انھیں مقصد میں بلکہ درد میں جو ان کے خول میں ان کے معنوی میں بند ہیں کہ ان کا **خدا** ہے جو ان کے لئے ہے بلبلانے وہ جبکہ رات میں انھیں بانی کے انہیں کھانا نہیں چاہتے ان کا دل وہ **خدا** کے لئے ہے اور وہ ہے جو جگ جگ جاتے ہیں اسے والدین کے کھنوں پر ہاتھ رکھ کر دو ان کو اپنی طرف سے نہیں بانی بس دل ہی دل میں گھر لے لے دل میں روٹے رہتے ہیں ماں باپ کے ناراض ہونے سے خائف ہیں خود سے ہی مختار ہے ہیں، اولاد اور ماں کا باپ کا شکر تھان جانے اور سزا لینے کا رشتہ بھی ہے تو اپنے میرا وہ خط اب بھی پڑھے جو میں نے اپنی والدہ کو ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد لکھا

از شیخی پوره۔

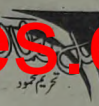
2019 7월 14

پہاری یا یا جان!

السلام عليكم!

امید ہے کہ آپ جہاں ہیں وہاں خیریت سے ہوں گی یہاں سب خیریت ہے، آپ روز پوچھتی تھیں ناں کہ باہر کیسا موسم ہے تو آج ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے اور دھوپ لگی ہوئی ہے دھوپ میں بیٹھے تو گرمی محسوس ہوتی ہے چھاؤں میں آئے تو ٹھنڈی ہوا کپکپاہٹ طاری کرتی ہے، بالکل آپ کے اور میرے رشتے جیسا موسم ہے آج کل پتہ ہے ناں پایا جان میں ہمیشہ آپ سے کہتی تھی کہ میرا اور آپ کا رشتہ الٹ ہو گیا ہے، مجھے آپ کی مالی اور آپ کو میری بیٹی ہونا چاہیے تھا ہمیشہ آپ رخصتیں اور میں نے منایا لیکن یہ کیا روکھ گئی ہیں کہ میں آپ کو منانا ہی نہیں پارہی آپ

224 اپریل 2019



القرآن

- "اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (اکلام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ تو کافر ہیں۔" (سورۃ المائدہ: ۴۴)
- "بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر اللہ اپنی روزی بند کرے۔" (سورۃ الملک: ۲۱)
- "اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔" (ال عمران: ۸۵)
- "لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔" (سورۃ البقرہ: ۱۷۷)

سعدیہ جبار، ملتان

احادیث

- ☆ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس کی عصر کی ایک نماز جانی رہی (اس کا اس قدر نقصان ہوا کہ) جیسے اس کے اہل واولاد اور سارا مال ختم ہو گیا۔"
- ☆ ہر فرض نماز کے بعد شخص آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرے، اس کے متعلق حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ "ایسے شخص کو جنت میں داخل ہونے سے صرف موت ہی روکے ہوئے ہے۔"
- ☆ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "پانچ نمازیں اللہ تعالیٰ نے فرض کی ہیں جس نے ان نمازوں کا وضو اچھی طرح کیا اور

ان کو بروقت پڑھا اور رکوع و سجود پوری طرح ادا کیے تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور اس کا عہد ہے کہ اللہ اس کو بخش دے اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے ذمے کوئی عہد (بخشش کا) نہیں، چاہے بخش دے، چاہے عذاب دے۔"

سنبھری عروسی

- مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ (المیرونی)
- کفر کے بعد سب سے بڑا گناہ دل کا گناہ ہے۔ (حضرت محمد دلف ثانی)
- محبت اور عداوت بھی پشیدہ نہیں رہ سکتی۔ (محمود غزنوی)
- ہزار دوستوں کی دوستی ایک شخص کی عزت کے بدلے نہ خریدو۔ (امام شافعی)
- فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

عزت کا درجہ

خلیفہ ہارون الرشید نے دیکھا کہ اس کا بیٹا اپنے استاد کو وضو کروا رہا ہے اور لوٹنے سے اپنے استاد محترم کے پاؤں پر پانی ڈال رہا ہے ہارون الرشید یہ دیکھ کر بہت برہم ہوئے اور اپنے بے خوب ڈانٹا۔ استاد نے کہا۔

"نماز کا وقت جا رہا تھا اس لئے میں نے شہزادے کو زحمت دی۔" خلیفہ نے کہا۔ "میں تو ناراض اس لئے ہو رہا ہوں کہ

☆ آنکھیں اندر کی بھیدی ہوتی ہیں بشرطیکہ کسی کو پڑھنے کا آتا ہو۔

☆ ذوق بھی موڈ اور پویش کے تابع ہوا کرتا ہے۔

☆ جن افراد کی آنکھوں میں ہنسنے وقت آنسو آتا ہے وہ ہوتے ہیں اور پر غلوں بھی۔

☆ ہر دل کی بات کو مانتا ہوا ہے اس کے حکمران بننے کے لئے ہیں۔

☆ قدرت اور جبر کا اس تیل کی طرح انسان کے وجود کو بکھر کر دیتے ہیں۔

☆ جن کی دلوں میں سرائیت کر جاتا ہے وہ ظاہری زندگی گزارنے کے قابل کہاں رہتے ہیں۔

☆ انسان اپنے طرف کے مطابق دوسروں کو پیش آتا ہے۔

☆ اور پھر رگ رگ میں پھیل جاتا ہے۔

☆ خرم رباب، خانجواں

☆ معلومات

☆ دنیا کا سب سے بڑا گناہ کہ اسے کمال ہے۔

☆ دنیا کا سب سے گھوم سہرا سحر مجھ قلم ہے۔

☆ چاند پر اب تک بارہ افراد جا چکے ہیں۔

☆ سب سے طویل دن سیارہ زہرہ پر ہوتا ہے۔

☆ بھلائی کے معمار گلرٹ اسکاٹ نے سب سے زیادہ عمارت تعمیر کی ہیں۔

☆ امجدی، شاہدہ لاہور

☆ رشید داروں سے سلوک

حضرت انس بن مالکؓ نے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرماتے تھے:

"جس شخص کو یہ پسند ہو کہ اس کا رزق کشادہ ہو اور اس کی عمر بھی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ رشتہ داروں سے حسن سلوک سے پیش آئے۔"

ثناء حیدر، سرگودھا

کبھی سوچا ہے تم نے

○ ہم باتیں اس وقت کرتے ہیں جب ہمارے خیالات میں سکون باقی نہیں رہتا اور جب ہم اپنے دل کی تنہائی میں بسر نہیں کر سکتے، تب ہم اپنے ہونٹوں پر بسر کرتے ہیں، آواز سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ تفریق کا وسیلہ بنتی ہے۔

○ بعض لوگوں کی زندگی میں اگر غم بڑھ جائے تو قہقہوں میں شدتیں آ جاتی ہیں، کبھی شعوری طور پر کبھی لاشعوری طور پر۔

○ من موجدی وہ لوگ ہیں جنہیں ٹھکرائے جانے یا نظر انداز کیے جانے کی پرواہ نہیں ہوتی اور جن کے پاؤں تلے زمین ہونے ہو وہ خود کو کسی طرح بہلاتے ہیں یہ آپ نہیں جان سکتے۔

درکن، میاں چنوں

محبت

☆ محبت دل میں ہوتی ہے دل چیر کے دکھایا نہیں جاتا۔

☆ محبت ایک گھنٹہ سو برس کی بے محبت زندگی سے بہتر ہے۔

☆ کسی کے پیار کا مذاق نہ سمجھنا شاید کوئی آپ کے پیار کو مذاق سمجھے۔

☆ اعتماد محبت کی پہلی سیڑھی ہے۔

☆ آسیہ وحید، لاہور

☆☆☆

شوشہ کی ہر گز رے لے
کراچی

ہماری یاد کے جتنو سنبھال کے رکھے
کہیں تو رات پڑے گی جناب رستے میں
فہیم امین
تیرے آنے کی خواہش عجیب تر رہی
آنکھوں میں اس کی روشنی بھر رہی
ہر لمحہ امید کا دیا میں نے جلایا
ترے جانے کی اک راہ بھی کھلی رکھی

خوشیاں آنسوؤں میں پوشیدہ ہوتی ہیں
جیسے قوس و قزح بارش کے بعد نکلتی ہے

چراغ کی لو دھبی کر لو
محبت کی شدت کم کر لو
کل تو ایسا رہے نہ رہے
ابھی سے عادت ختم کر لو
کراچی

ہمارے بے تابلی جاں کا چرچا نہیں کرتے
ہر وقت ایک ہی شخص کو ڈھونڈا نہیں کرتے
سو بار قیامت سے گراں وقت پڑا ہے
ایک ہم ہیں تیرے عشق سے توبہ نہیں کرتے

میری ذات پہ یہ احسان کسی روز میرا خدا کرے
وہ نہیں جو میرے نصیب میں مجھے حوصلہ عطا کرے
میں یہ جانتا ہوں اس شہر میں مجھ سا کوئی نہیں
مجھے اس بارے میں فکر کیا جسے چاہے جا کے ملے

☆☆☆

حصہ 229 اپریل 2019

پارے دیسوں میں کون تھک سوائے میرے مناسکے
میں سے یونہی ملتا ہے روزِ مانا لوٹ آنا
لاکھ دوری ہو مگر عہد بھائے رہنا
جب بھی بارش ہو میرا سوگ منائے رہنا
تم گئے ہو تو سرشام یہ عادت ٹھہری
بس نہر کنارے کھڑے ہاتھ ہلائے رہنا
میتا تو حید
وہ خواب تھا بکھر گیا خیال تھا ملا نہیں
لیکن دل کو کیا ہو یہ بجا کیوں پتہ نہیں
دن اک دن ایسا تمام شب اداسیاں
کی سے کیا بچھو گئے جیسے کچھ بچا نہیں
یہ بھی ممکن ہے کسی روز نہ پہچانوں اسے
وہ جو ہر بار جیسے بدل لیتا ہے

اس لئے کوئی زیادہ نہیں رکتا یہاں
لوگ کہتے ہیں میرے دل پہ تیرا سایہ ہے
فرح عامر
زندگی بھر جا
میرے دل پہ تیرا سایہ ہے

میں تو منزلیں بھی منزلیں ہیں
چلوں تو راستہ کوئی نہیں ہے

ہر حرف آیا ہو
بجائے بیکسی مٹی عشاق نے کہاں تہذیب
فازہ قاسم
بجائے بیکسی مٹی عشاق نے کہاں تہذیب
سکھ
تم مجھے کی حسرت نہ مرگ تمنا
تم زندگی کے تقاضے نرالے
یہ ممکن ہے اشرف کفن بھی نہ ڈالیں
وہ بچے جو ہم نے لہو دے کے پالے

حصہ 229 اپریل 2019

<https://www.urdutubes.com/>

میری دھرتی محبت کی وفا کی علامت تھی
یہ کس نے نفرتوں کے بیج بودیئے زمینوں میں

مت کر ذکر میری ادا کے بارے میں
میں جانتا ہوں بہت کچھ وفا کے بارے میں
سنا ہے وہ بھی محبت کا شوق رکھتے تھے
جنہیں خبر ہی نہیں وفا کے بارے میں
نازیہ کمال
بکھروں گا ایک بار تو نہ آسکوں گا ہاتھ
اے دوست احتیاط سے شوکر لگائے

تیرے وعدے پہ سناگر اچھی وہ میرے
اک اپنی زندگی کا نہیں اعتبار ہوتا

ہے اعتبار وقت پہ بھلا کے روبرو
کھو کر کبھی اسے تو بھی پا کے رو پڑے

خوشیاں ہمارے پاس کہاں مستقل رہیں
باہر بھی بنے بھی تو گھر آ کے رو پڑے
مریم رباب
کس طرح بھرتی ہیں شمعیں بسنے ہیں کیسے خواب
دوستوں کی بے رخی کا دم کھل کر دیکھا

کیسی کیسی حسرتوں سے یہ مگر آباد ہے
اک ذرا فرصت ملے تو دل میں آ کر دیکھا

پچھڑ کر مجھ سے حبیب میرے اداس ہوتا تو لوٹ آنا
اکیلے پن کی پہاڑ راتیں نہ کاٹ سکتا تو لوٹ آنا

سحر یہ جبار
ہم جلائے عشق تھے ہر گز نہ کہہ سکے
خاموش ہی رہے کہ تقاضا وفا کا تھا
ترک تعلق کا اسباب کیا بتائیں
بس ہو گئے جدا سوال اتنا کا تھا

راتیں بھر میں اب بھی نزع کے عالم میں کھتی ہیں
دل میں وحشت ہے تن میں جان ابھی باقی ہے
دیئے منڈیر پر رکھ آتے ہیں ہم ہر شام نجانے کیوں
شاہد اس کے لوٹ آنے کا کچھ امکان ابھی باقی ہے

اس سے کہنا کہ پلٹ آئے اب تو
جدائی درد بنتی جا رہی ہے
آنہ ممتاز
تمہارے بعد تو اک دن بھی زندہ نہ رہا
اور تم آ کے پوچھتے ہو اک سال کے بعد

اکی کو احساس دلایا ہے تو ملتا ہی نہیں
ابھی تھا تو روز ملا کرتا تھا
اب وہ مجھ سے میری ہر بات کے معنی پوچھتے
وہ جو میری سوچ کی تعبیر لکھا کرتا ہے

مدتیں ہو گئیں خطا کرتے
شرم آئی ہے دعا کرتے
فریال امین
نوہ یک سنگھ

چند بڑے لوگوں سے مل کر میں نے محسوس کیا
اپنی بابت نہ اہلوں کو کیا کیا دلچسپ گمان ہوتے ہیں

حصہ 228 اپریل 2019



ج: گرلز کالجوں کے دروازے سے رش ختم ہو
ج: گائے کا گھاس کھا رہی تھی
س: سجاد عباس اعوان
ج: مسز عبداللہ ایک مدت بعد اس محفل میں
حاضر ہوئی کیا سا چار ہیں کیسے رہے اتنا
عرصہ کیا بھی ہماری یاد آتی؟
ج: دوبارہ خوش آمدید، سا چار سننے ہیں تو وی
لگا لو۔
س: تمہاری سوال سوال کرنے کی عادت نہ گئی
پچھلی بار آئے گا مگر نے پوچھا دیا تمہیں اس
جواب دے کر سوال کیا کہ کرو؟
ج: یہ تم آئے گا مگر کی طرف سے کیوں پوچھ
رہے ہو کیسے؟
س: میری روٹی کی طرف سے ہی دکھوں کی فصل
کیوں لگی ہے؟
ج: دھری پر جس کا بیج پڑا وہی فصل اگے گی۔
س: اٹھانے والے بھی کیوں اکثر بھول جاتے ہیں؟
ج: اگر بھولیں نہ تو ان کا جناح حرام ہو جائے۔
عارف والا
ج: ایک ہاتھ سے بھی نہ سکی ہے ذرا ہاتھ زور
دے اپنے منہ پر تو رورہ
ج: لڑائی سڑکوں پر یہ کب تک ہے ”لکیاں دے
دکھو کہہ؟“
ج: جب کی موت جیسا ایک ہاتھ سے تالی
جبانے کی کوشش کرتا ہے۔
س: اے دل دے جانی ناراض ہو گئے ہوں
تو لگن تے فیر میں پوچھاں؟
ج: میں نے ناراض کیوں ہوتا ہے تالی تو تم نے
بجائی ہے۔

ج: اگر اصول آپ کو اچھا انسان بناتا ہے تو
اصول ہے وگرنہ فضول ہے۔
ڈاکٹر واجد
س: شکندی اور بیوقوفی میں کتنا فاصلہ ہے؟
ج: بہت کم۔
س: کبھی کی دن بڑے کبھی کی راتیں، آپ کا کیا
خیال ہے؟
ج: نیک خیال ہے۔
راجہ اسلم
س: مائیکل جیکسن کی روح یہ بتا کر تو لڑنے
بازاری طرف کیوں جا رہا تھا؟
ج: مائیکل جیکسن مر گیا؟ اچھا نہیں تو معلوم
ہی نہیں تھا۔
س: ہائے ٹوٹی ناراض تو مت ہو بات سنو چنانچہ
کیوں تم بڑے اپنے اپنے سے لگے ہو؟
ج: لگتا ہے کہ ٹوٹی کا خط مجھ نے غلطی سے
بھیج دیا ہے ویسے یہ ٹوٹی نہیں اپنا کیوں لکھا
ہے کہیں تم بھی تو.....؟
س: اپنی ایک تصویر لفافے میں رکھ کر بھیجا دو؟
ج: تصویر کا کیا کرتا ہے۔
س: سن دے بلوری اکھوا لیا..... بھلا کیا؟
ج: آگے پورا گانا سن لو۔
س: میرا شعور بہتا نہیں ہے لفظوں سے؟
ج: رحیم یار خان بہت دور ہے کیا کروں۔
سیر انور
س: صرف ایک بات پوچھنا تھی اگر محبت پر نہیں
لگ جائے تو؟

افشاں اشرف
س: عین غین بھیا دل کا دروازہ کس طرف ہوتا
ہے؟
ج: آنکھوں کی طرف۔
س: عین غین بھیا سر رکھتے بال ہوتے ہیں؟
اگر آپ کے ہیں تو کن کر جاتیں؟
ج: جتنے آسمان پر ستارے نظر آتے ہیں اگر آپ
کی آنکھیں ہیں تو گن لیں۔
س: عین غین بھیا سنا ہے آپ اپریل میں اپنی
سویں سالگرہ منا رہے ہیں؟ کیا واقعی؟
ج: یہ آپ کو خواب یاد آیا ہے۔
س: عین غین بھیا کیم اپریل کو ”ان“ سے کیا شرارت
کروں؟
ج: ”ان“ کے سامنے آ جانا وہ ڈر جائیں گے۔
آصف انصاری
س: ”مدت ہوئی ہے آپ کو پریشان کئے
ہوئے“ اکھا مصر لکھیں تو جانیں؟
ج: ان کے پھر تنگ کرنے آگئے ہیں ہم۔
س: انوفونی کل آپ کو اگلیوں پہ کون نچا رہا
تھا؟
ج: وہی جو دوسرے ہاتھ کی اگلیوں پر آپ کو نچا
رہا تھا۔
س: میرے بی اے کے پیپر ز سر پر ہیں کوئی
جلدی بے ایسا وظیفہ بتائیں پیپر ز بھی دے
دوں اور فل بھی نہ ہوں؟
ج: محنت کا وظیفہ کرو۔
س: اصول اور فضول میں کیا بنیادی فرق ہے؟

عارف والا
س: عین غین بھیا دل کا دروازہ کس طرف ہوتا
ہے؟
ج: آنکھوں کی طرف۔
س: عین غین بھیا سر رکھتے بال ہوتے ہیں؟
اگر آپ کے ہیں تو کن کر جاتیں؟
ج: جتنے آسمان پر ستارے نظر آتے ہیں اگر آپ
کی آنکھیں ہیں تو گن لیں۔
س: عین غین بھیا سنا ہے آپ اپریل میں اپنی
سویں سالگرہ منا رہے ہیں؟ کیا واقعی؟
ج: یہ آپ کو خواب یاد آیا ہے۔
س: عین غین بھیا کیم اپریل کو ”ان“ سے کیا شرارت
کروں؟
ج: ”ان“ کے سامنے آ جانا وہ ڈر جائیں گے۔
آصف انصاری
س: ”مدت ہوئی ہے آپ کو پریشان کئے
ہوئے“ اکھا مصر لکھیں تو جانیں؟
ج: ان کے پھر تنگ کرنے آگئے ہیں ہم۔
س: انوفونی کل آپ کو اگلیوں پہ کون نچا رہا
تھا؟
ج: وہی جو دوسرے ہاتھ کی اگلیوں پر آپ کو نچا
رہا تھا۔
س: میرے بی اے کے پیپر ز سر پر ہیں کوئی
جلدی بے ایسا وظیفہ بتائیں پیپر ز بھی دے
دوں اور فل بھی نہ ہوں؟
ج: محنت کا وظیفہ کرو۔
س: اصول اور فضول میں کیا بنیادی فرق ہے؟





پیغام محبت

پیری ہم درس میری بات ذرا غور سے سن
قل اس کے کہ یہ خلقت کی زباں تک پہنچے
میں کسی طور شادی کا نہیں ہوں قابل
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے
پھر

مرا سن ہے فساد میں ہوں پتھروں کا عادی
مرے دل پہ پتھروں کا بڑا سخت ہے دباؤ
بھراج اور نیلم یا قوت اور زبرد
انہی پتھروں کو لے کر اگر آ سکو تو آؤ
ڈر لگتا ہے

مستورات سے ڈر لگتا ہے
تین سو سات سے ڈر لگتا ہے
اس کے شہر کو جانے والی
ہر بات سے ڈر لگتا ہے
فرح طاہر، جہلم

اطلاع

تمہاری گردن پر ایک عجیب چیز ہے
جسے دیکھ کر خوف آتا ہے
کیا چیز ہے وہ؟
تمہارا چہرہ

سارا حیدر، مظفر گڑھ

نیاتماشا

نئی نویلی، شرمیلی دلہن نے سرائے کی مالکن
سے کہا۔

”مہربانی فرما کر اپنے ہاں ٹھہرنے والوں کو
یہ بتائیے کہ ہم یہاں ہی مون منانے آئے
ہوئے ہیں۔“

اس نے اپنے شوہر کو بھی بتایا کہ اس نے
سرائے کی مالکن سے کیا کہا ہے۔
دوسری صبح جب وہ ناشتہ کرنے ڈائننگ
ہال پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ سب لوگ انہیں
مڑکھور سے دیکھ رہے ہیں، دہن کے شوہر کو فخر
آیا اور اس نے فوراً مالکن سے جا کر کہا۔
”ہم نے آپ کو متح کیا تھا کہ کسی کو ہمارے
بارے میں نہ بتائیں؟“

”میں نے یہ قطعاً نہیں بتایا کہ آپ لوگ بھی
مون منانے آئے ہیں بلکہ میں نے تو لوگوں کو کہا
ہے کہ آپ دونوں غیر شادی شدہ ہیں۔“

فرح راؤ، کینٹ لاہور

محبت

☆ اگر ہم محبت میں شدت پیدا کرنا چاہتے ہیں
تو ہمیں نچڑ جانا چاہیے دوریاں محبت کو امر بنا
دیتی ہیں۔

☆ یاد رکھنا محبت کی ایک صورت ہے
☆ محبت اور شک ایک دل میں جنم نہیں ہو
سکتے۔

☆ ڈوبتا ہوا شخص بارش کے چھینٹوں کی پرواہ
نہیں کرتا۔

نادیہ شیخ، سیالکوٹ

باپ: ”بیٹا بتاؤ وہ کون سا جانور ہے جو سب
سے زیادہ اٹھ دیتا ہے۔“
بیٹا: ”ہمارے ماسٹر صاحب، وہ کاپیوں پر
ہر روز سینکڑوں اٹھ دیتے ہیں۔“

فرضی کہانی

”ای کیا ساری فرضی کہانیاں، ایک دفعہ کا
ذکر ہے، سے شروع ہوتی ہیں؟“ ننھے گڈو نے
ماں سے پوچھا۔
”جی ہاں،“ ماں نے جواب دیا۔
”کچھ کہانیاں اس طرح بھی شروع ہوتی
ہیں، معاف کرنا جان من آج دفتر میں کام بہت
فائدہ قائم، سکھر

ایک صاحب نے دفتر میں اپنے ساتھی کو
پوچھا۔
”میرے اور میری بیوی کے درمیان پانچ
سالہ دوستیاں بھرے گزرے مگر آج سے
ہمارے درمیان زور دار دشمنی کے شروع ہو گئے
ہیں۔“

”دوست نے پوچھا۔
”اس تبدیلی کی وجہ کیا؟“
ان صاحب نے جواب دیا۔
”وہ پانچ ماہ کے بعد آج ہی اپنے میکے سے
واپس آئی ہے۔“

وردہ نور، ساہیوال

منی استوری

ایک صاحب ایک خاتون کا پیچھا کر رہے
تھے خاتون تیز تیز چلتی ہوئی گھر پہنچی، مگر وہ کسی نہ

کسی گھر پہنچی، من کسی داخل ہو گئے خاتون کچھ
غصے اور کچھ ڈھکے بھٹکے۔
”میرے شوہر کا روباہاری دورے پر لاہور
گئے ہوئے ہیں، وہ اب جتنی دالے ہیں، وہ بہت
خطرناک آدمی ہیں، تمہیں دیکھتے ہی شوٹ کر دیں
گے۔“

اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی، عورت
جلدی سے بولی۔
”میرے شوہر آگئے۔“

”میں کہاں چھپوں؟“ انجینی نے گھبرا کر
پوچھا۔

”الماری میں۔“ خاتون نے گویا ترس کہا
کر کہا۔

انجینی الماری میں چھپ گیا، بیوی نے گرم
جوش سے شوہر کا استقبال کیا، چند لمحوں کے بعد
شوہر نے کوٹ لٹکانے کے لئے الماری کھولی تو
انجینی کو کھڑے پایا۔

”کیسے..... مردود کون ہوں؟“ شوہر غصے
سے بولا۔

پھر اس کے لہجے میں کچھ پریشانی جھلک
آئی۔

”گلتا ہے میں نے تمہیں پہلے بھی کہیں
دیکھا ہے۔“

”جی ہاں، لاہور میں میرے گھر میں دیکھا
تھا۔“ انجینی نے جواب دیا۔

”اس وقت آپ الماری میں تھے۔“

مینا تو حید، چنگ

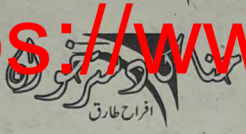
فرزاند حسن: کی ڈائری سے ایک غزل
 مجھ سے ہوئے لوگوں کو اک بات رلا دیتی ہے
 ہم کو تو ہر جانے والی رات رلا دیتی ہے
 ویسے تو ہم دل کے بڑے ہی کپے ہیں ہر عمر میں
 وہ تو بھی کبھی یونہی برسات رلا دیتی ہے
 جیسے چتر کر دیتی ہے بعض اوقات خوشی بھی
 جیسے بعض اوقات کوئی بارش رلا دیتی ہے
 جنہوں نے ہار کبھی نہیں دیکھی ہوتی جیون میں
 ایسوں کو تو چھوٹی سی اک بات رلا دیتی ہے
 غموں سے تو کچھ اور بھی بڑھ جاتا ہے ضبط ہمارا
 ہاں البتہ خوشیوں کی بہتات رلا دیتی ہے
 لکشاں انور: کی ڈائری سے ایک نظم
 ”ہم سز“
 وہ چہرے
 وہ چہرے سائیں
 کہ جن میں تیری جھپٹوں کی، نوازشوں کی عنایتوں
 کی
 عجب خوشبو سی ہوتی تھی
 نظر چاکے، وہ چپکے سے دیکھنا، وہ قہقہے وہ
 نزاکتیں
 گفتہ چہرے پہ کھلتی، مسکراہٹوں کی عبارتیں
 وہ تیرے لہجہ کا دھیمپا پن اور وہی تیری آواز کی
 نغمہ سی
 کبھی سرگوشیاں، کبھی چھوٹی چھوٹی شراتیں
 انہیں اپنی جھولی میں ڈال کر
 انہی خوشیوں کو سمیٹ کر
 میں جا رہا ہوں

میرے ہم سفر
 میرے مہرباں
 تیرا شکر یہ
 فرخ راؤ: کی ڈائری سے ایک خوبصورت نظم
 کتنا آسان لگتا ہے
 کبھی کبھی زندگی میں سب کچھ کہہ کر
 خود کو بے پروا کر لینا
 اپنی ہر بات کسی سے شیر کر لینا
 دل میں ہر خوشی کو بٹا لینا
 خوشبو کو پھولوں سے چرا لینا
 اکٹھلے کر کوئی شعر کہہ دینا
 اور موسم کی بدلتی رتوں سے باتیں کرنا
 رات کو کھٹکری ہوا میں بیٹھنا
 اور صرف تجھ کو یاد کرنا
 کتنا آسان لگتا ہے تمہیں سب کچھ کہہ دینا
 نبیہ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم
 ”بارشوں کا موسم“
 بارشوں کا موسم اداس نہیں ہوتا
 ہاں اگر دل میں اداسی کا ڈیرا ہو
 تو بارش کا ہر قطرہ دل کو
 اک کیک، اک درد، اک سوز دیتا ہے
 روح کو لٹکائی کا احساس دیتا ہے
 اور دل میں خوشیوں کا بیسرا ہو
 تو بارش کے ہر قطرے کی زمین پر
 گرنے سے جو صدا سنائی دیتی ہے
 اس صدا کے سنگ دل جھومنے کو کرتا ہے
 تو پھر یہ کیوں کہتا کہ

میرے بخت میں
 یونہی اک ہل میں گزر گئی
 وہ گزر گئی تو پتہ چلا
 وہی ایک کام کی چیز تھی
 میری زندگی کے رفت میں
 تمہیں نہ رہتی: کی ڈائری سے پر یون شاکر کی نظم
 میرا کہنا ہے تسلیم ہے
 میں باقی ہوں
 اس نے میری ذات کو بے حد لوازا ہے
 خاک نے بزرگ و بد تو کے سارے
 میں ہی دعا گو ہوں، ہر ماہر ہوں
 اس نے مجھے اتنا بہت کچھ دے دیا لیکن
 کچھ دے تو میں جاؤں !!!
 انیس بات: کی ڈائری سے دسی شاہ کی نظم
 ”لاست کال“
 کل پیش کی طرح اس نے نکالیا یہ فون پر
 کتنا آسان لگتا ہے تمہیں سب کچھ کہہ دینا
 نبیہ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم
 ”بارشوں کا موسم“
 بارشوں کا موسم اداس نہیں ہوتا
 ہاں اگر دل میں اداسی کا ڈیرا ہو
 تو بارش کا ہر قطرہ دل کو
 اک کیک، اک درد، اک سوز دیتا ہے
 روح کو لٹکائی کا احساس دیتا ہے
 اور دل میں خوشیوں کا بیسرا ہو
 تو بارش کے ہر قطرے کی زمین پر
 گرنے سے جو صدا سنائی دیتی ہے
 اس صدا کے سنگ دل جھومنے کو کرتا ہے
 تو پھر یہ کیوں کہتا کہ



میں ہوا اپنی اتاروں کا باغ نہیں سکتا
 تم نہیں تھے تو نے کسی کی نہیں سکتا
 اس کو یہ لہجہ کے میں نے نہ سیکور رکھ دیا
 اور پھر اپنی اتار کے پاؤں پہ سر رکھ دیا۔
 سارا حیدر: کی ڈائری سے امجد سلام امجد کی نظم
 میں اس کا نام لیتا ہوں
 تو ہونٹوں پر تبسم کی
 دھنک لہرائی لگتی ہے
 میں اس کو یاد کرتا ہوں
 تو اک مانوس سی خوشبو
 مجھے مہکانے لگتی ہے
 وہ میرے دل میں رہتا ہے گل امید کی صورت
 زمانے کی شب تاریک میں خورشید کی صورت
 شہر یار بانو: کی ڈائری سے ایک غزل
 عرصہ ہوا کہ لکھا نہیں تم نے اب تم کیسے ہو
 سامنے ملے ہیں تم کو کیسے کام جہاں پر کرتے ہو
 اس سمت وہ موسم آیا ہے سادوں کا جو پہلے آتا ہے
 شہر کی بارش کیسی ہے جس شہر میں اب تم رہتے ہو
 کوئی دوست وہاں بنا ہے جسے دل کا حال کہو
 اس کو میری آنکھیں بخشو جس کو تم بھی دیکھتے ہو
 کوئی وہاں پر ایسا ہے جو ساری دعا میں تم کو دے
 مدت سے معلوم نہیں کچھ لکھو مجھ کو اچھے ہو
 جس رشتے سے ہم پاگل تھے وہ نسبت ابھی باقی ہے
 مجھ کو پگنی کہنے والے تم تو ابھی تک پاگل ہو
 اپنا حال سناؤں کیا کچھ سننا ہے تو یہ سن لو
 رستہ میں یوں دیکھتی ہوں جیسے کہ ابھی تم آتے ہو
 رمضہ ظفر: کی ڈائری سے ایک غزل
 محبت
 اک
 محبت
 کوئی
 خواب
 کھولتے
 کتاب
 ہے
 جیسے
 جاؤ
 جیسے



علیہ طارق: کی ڈائری سے یہ نظر
آسمان پر جتنے ستارے ہیں
درختوں پر جتنے پتے ہیں
سمندر میں جتنے سبب ہیں
بارشوں کے جتنے قطرے ہیں
اتنے ہی میرے آنسو
تمہارے نام کی اتنی ہی دعا میں
ہر دن اور ہر شب میری ہتھیلیوں پہ بچھاتے ہیں
اور آسمانوں تک
تمہاری تقدیر کی ایک نئی کہکشاں جگاتے ہیں
عنا یا: کی ڈائری سے ایک نظم
کیسے جیا جائے تم بن؟
صدیوں سے لمبی ہیں راتیں
صدیوں سے لمبے ہوئے دن
آجاؤ لوٹ کر تم
یہ دل کہہ رہا ہے
پھر شام تہائی جاگی
پھر یاد م آ رہے ہو
پھر جان لگنے لگی ہے
پھر مجھ کو زپار ہے ہو
اس دل میں یادوں کے میلے ہیں
تم بن بہت ہم اکیلے ہیں
آجاؤ لوٹ کر تم
یہ دل کہہ رہا ہے
تم بن جیا جائے پھر سے
کیسے جیا جائے تم بن؟

نبیائے انصاف کی ڈائری سے ایک نظم
تم جس کی بات کو سمجھو گے تو یاد آؤں گا
ان لمبی بات کو سمجھو گے تو یاد آؤں گا
ہم نے خوشیوں کی طرح دکھ بھی اٹھنے دیکھے
صفا زہت کو پلٹو گے تو یاد آؤں گا
اسی انداز میں ہوتے تھے مخاطب مجھ سے
خط کسی اور کو لکھو گے تو یاد آؤں گا
میری خوشبو جھپیں کھولے گی گلابوں کی طرح
تم اگر خود سے نہ بولو گے تو یاد آؤں گا
مرد راتوں کے مجھے ہونے سے ڈرتے ہیں
جب کسی پھول کو چھو گے تو یاد آؤں گا
آج تو محفل یاروں پہ ہو مقرر بہت
جب کبھی لوٹ کے پھر دو گے تو یاد آؤں گا
اب تو یہ اشک میں ہونٹوں سے چلا لیتا ہوں
ہاتھ سے خود انہیں پونچھو گے تو یاد آؤں گا
شال پہنائے گا اب کون دسمبر میں نہیں
بارشوں میں بھی بھگو گے تو یاد آؤں گا
اس میں شال ہے میرے بخت کی سی سی
تم سیاہ رنگ جو پہنو گے تو یاد آؤں گا
عمر اعثمان: کی ڈائری سے ایک قطعہ
چار سو دشتوں کا زمرہ ہے
لگے موسم نے آن گھیرا ہے
آپ ملتے رہیں تو بہتر ہے
چار دن کا یہاں بسیرا ہے

باربی کیو چکن

اشیاء
مرفی کے لئے چار سو (آدھے آدھے)
ایک لیٹون کا ہرا دھنیا
(تازہ لٹا ہوا Marinade لے کے)
لیٹون جوس
تہائی کپ
ایک جوا (کس شدہ ادراک)
ایک یاد دود
تازہ لال یاہری مرچ
(بارک کیٹی ہوئی)
لک دیا ہر مرچ
حسب ضرورت
ایک یاد دود

کلوئی کے ہونٹوں کے ساتھ مرفی کے
بڑوں کو ٹ کر ہوا کر لیں، مہرینیت کے تمام
ایک جالے میں ملا کر گوشت میں ڈالیں اور
دوب کر فرفر میں رکھ دیں۔ (رات بھر یا چند
نئے) خاص قسم کا باربی کیو چین اگر ہے تو درست
رہے عام چین میں ملا کر سا چٹائی کا کر گوشت کو
پیش سے نکال کر مٹس یا کوکلوں پر جالی رکھ
کر باربی کیو کر لیں یا پھر Grill کر لیں، دونوں
بانپ سے پکا کر سرخ اور نرم کر لیں، ہرا دھنیا
بزرگ کر لیوں کی قاشوں کے ساتھ پیش کریں،
تاکہ جو کی روٹی تاکہ نشاستے کی ضرورت پوری
ہو سکے۔

ہاٹ چکن جنجر و سپر رائس

اشیاء
چکن (بون لیس)
سویا ساس
لال مرچ
ادراک
(جنجر، لہائی میں کاٹ لیں)
ٹماٹو پیسٹ
ٹماٹو کچپ
تیل
کلوئی
نمک
بھنی
ترکیب

خیل گرم کر لیں، اس میں چکن اور ادراک
ڈال کر ہلکا سرفرائی کر لیں، دو منٹ بعد اس میں
ٹماٹو پیسٹ اور کلوئی ڈالیں، تین چار منٹ
پکائیں، پھر نمک، کالی مرچ، لال مرچ، سویا
ساس اور ٹماٹو کچپ ڈال دیں اور تھوڑی دیر
بھونیں پھر ایک کپ مرغی کی بھنی یعنی چکن
اشاک ڈال کر پکائیں، جب تیل اوپر آ جائے تو
اتار لیں اور سپر رائس کے ساتھ گرم گرم سرو
کریں۔

سپر رائس

اشیاء

”اعتزاز“
قارئین سے معذرت خواں ہیں کہ خرابی صحت کی وجہ سے اس ماہ ”درشن
بلال“ مسلسل ناول کی قسط نہیں لکھ پائیں۔
انشاء اللہ اگلے ماہ ناول ”تم میرے پاس رہو“ کی قسط شائع ہوگی۔

جینی میں گھول کر پھر ایک کب گرم جینی میں ملا
لیں (پانی میں لگا کر دھو کر دال کے مرکب میں
ملا دیں، پھر ایک کب گرم جینی کے سانچے میں
ڈال کر فریج میں رکھ دیں (پھر گھٹنے) ایک بڑی
ڈش میں سانچے کو پلٹ لیں اور اطراف میں سلا
کے پتے سجا دیں اور ٹماٹر کے پھول بنا کر اوپر رکھ
دیں۔

اسپرنگ فرائیڈ چکن

اشاء
ایک کلو مرغی لے کر اس پر مندرجہ ذیل مسالے لگا
کر رکھ لیں۔

نمک
بینگ پاؤڈر
اجینو موٹو
سفید مرچ
سویا ساس
سرکہ
ترکیب

چند گھنٹوں بعد ایک ٹڈے میں دو کھانے
کے چمچے میدہ پھینٹ کر چنگلی نمک ڈال کر مرغی پہ
پیٹ لگا کر کھلے تیل میں تل کر سرخ کر لیں۔

☆☆☆

آدھا چائے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
دو کھانے کے چمچے
دو کھانے کے چمچے
چوتھائی کپ
ترکیب

ایک سوس پین میں تیل گرم کریں، کشمیری
لال مرچ اور چائے کے چمچے جو کر ٹلوے کاٹ کر تیل
میں ڈالیں اور مرغی کو ساتھ ڈال کر ہلکا سا بھون
لیں، تقریباً دو منٹ تک کھانے کے بعد تمام اجزا
خارج کر لیں اور سب سے آخر میں کارن فلور پانی
میں گھول کر ملا دیں، اسے بھونے چالوں کے
ساتھ پیش کریں۔

URDU TUBE
A TASTE OF SPENTAL
www.urdutubes.com

ایک پاؤ
ایک کھانے کا چمچ
ڈیڑھ کپ (گرم)
چوتھائی چائے کا چمچ
ایک کھانے کا چمچ
چوتھائی کپ
ایک کپ
ایک چائے کا چمچ
حسب ذائقہ

البا ہوا چکن، قیمہ، کشمش، پارسلے، مایونیز،
لڈ پاؤڈر، نمک و سیاہ مرچ ملا میں، جیلان کو
اس میں گھول لیں، (پہلے آدھا کپ ٹھنڈی

دیں پھر چکن کے پیسے ڈال کر دو سے تین منٹ
چمچے لیں اس کے بعد سر، اوپر سے،
نمک اور کالی مرچ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح فرمائی
کر لیں، ٹرے میں نکال کر دو سے تین منٹ فریزر
میں رکھ دیں۔
کوٹنگ کے لئے

ایک کھانے کا چمچ
دو کھانے کے چمچے
1/3 کپ
1/3 کپ
ترکیب

ایک پیالے میں میدہ، کارن فلور، انڈا
دودھ، دہی، نمک اور بینگ پاؤڈر اچھی طرح
مکس کر لیں، فریزر سے چکن نکالیں، کوٹنگ
میں تیل گرم کریں، چکن کے پیسے آمیزہ سے اچھی
طرح کوٹ کر لیں اور باری باری لڑائی میں
ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک تیل میں، فریج
فرائیزر اور کچپ کے ساتھ گرم کر پیش کریں۔

آدھا کلو
دودھ
دودھ کشمیری
حسب ذائقہ

ایک چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
آدھا چائے کا چمچ
آدھا کپ
ایک چائے کا چمچ
حسب ضرورت
ایک چائے کا چمچ
دودھ

اشاء
میدہ
کارن فلور
انڈا
دودھ
دہی
نمک
بینگ پاؤڈر
تیل (تیلے کے لئے)
ترکیب

چاوبلوں کو نمک اور سرکہ ڈال کر ابال لیں،
ایک پین میں تیل ڈالیں گرم ہو تو لہسن پیسٹ
ڈالیں، ہلکا بھون کر سویا ساس، چلی سوس، کچپ،
نمک، جینی ملا کر تھوڑا بھوئیں، ساتھ ہی بنزیاں
ملا کر اسٹرفرائی کریں پھر چاول ڈال کر اچھی طرح
مکس کریں اور ہاٹ چکن بنجر کے ساتھ سرو
کریں، دعوت کے لئے بہترین ڈش ہے۔
کنکینی فرائیڈ چکن

اشاء
چکن (بریسٹ پیسز)
چار عدد
آدھا چائے کا چمچ
دو کھانے کے چمچے
ایک کھانے کا چمچ
حسب ضرورت
ایک کھانے کا چمچ

زیرہ
لہسن، اورک پیسٹ
کالی مرچ پاؤڈر
نمک
تیل
ترکیب

میں پورے وقت پر بیٹھ پاتا ہے یا نہیں، نائل اس
رہی پسندیدگی اور توجہ کو اس نے اس کے
"میرا دل" اور "میرا دل" کے نام سے
آی صاحب سر اور بھارتی میڈیا سوسائٹی
م کے جذبات بھڑکانے کا کام بھارتی میڈیا کے
ہے جس پر وہ جھوٹوں کا عالمی ریکارڈ قائم کرتے
میں اترتے ہیں، "وہ وقت اور پیارے بی بی کی
ی باتیں" بے حد پسند آئیں، اس کے بعد
ت کے اس پار گئیں "میں پڑھ سکتے تھے نیل بر
مرنا چاہیے تھا، بہت بڑا جھوٹا سردار بنو نے
اسے اس چیز کی سزا ملی اپنے ہی ہاتھوں میں کو
ر جہاندار کا قصور حالانکہ اس نے اپنا ظرف
کہہ کر تھا رہا سردار بنو اسے تو اپنی غلطی کا
اور احساس کے بعد چھپتا دیا مگر کان تھا،
روایہ کی سزا ابھی تھی اور نیل بر کے بارے
میں کہوں گی، اپنی پیاری لڑکی سحرار بنو
کے بانی بچوں پر بھی چھ جذباتی سین لکھ لیا
تھا کیونکہ میں خود بڑی جذباتی ہوں
میں بھی ہوگی۔

”دل تڑیدہ“ اس بار ام مریم اپنے انداز سے
بہت کرمفر و کدو رہی ہیں، قدر کو ماں باپ کی ویران
زندگی سے سکھ لیتا چاہیے اور ماں کے ساتھ اس
قدر خوش خانہ دیتا دیکھئے کائنات کیا کم تھا جو قدر زخموں
پر نمک چمک رہی تھی۔

”تم میرے پاس رہو“ غلطی پر مابین ہی لگی جو رشتہ اعتبار پر قائم کیا جاتا ہو بے اعتباری اسے اپنے پاؤں پر کھڑا رہنے بھی کیسے دے سکتی ہے۔

عروہ دوسری بار چوٹ کھانے جا رہی ہے اور تیسری بار اعتبار کرنا مشکل ہو جاتا ہے "شہر دل کا راستہ" انہی کی حالت پر بے حد افسوس اور دکھ ہو رہا ہے ذرا

موجود کا بھی مدد و ست کر دے تو اس کا کوئی بے
خدا ہے جس کی اصل میں ہے
جس سے جب ہا اہلداروں حول کر سکرانے پر مجبور
کیے دیتا ہے، خوش رہیے آباد رہے آمین۔
افراء الیاس آپ کی بھتیوں کے سامنے
میرے الفاظ بے بس ہیں، کیا خوبصورت اعزاز ہے
آپ کی چاہتوں کا اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کو صحت مند
اور خوش و خرم رکھے آمین، آپ کی رائے مصنفین
تک پہنچانی جاری ہے آپ کی طرح ہم بھی نسل پر
کے مرنے پر حالت سوگ میں ہیں، بیکہ ناقول
نایاب کے ناول میں یہ دروازہ اب سے لاگو
اس کے مرنے پر ایک ناول کو میری سائن بھی رک
گئی مگر ان یہ نایاب کی دروازہ بنو کے لئے تجویز
کردہ سزا، بے بسی کی بے بسی ہے
خمسین بھی اس مرتبہ آپ کے سب سے بڑے دوست
اچھا خاصا بندہ ویت کر رہی ہیں (خوش)
”عمی رقم“ کے متعلق آپ سب کی انجمنوں
کو بڑی سیال اس ماہ بڑی خوبصورتی سے سلجھایا
ہے، اگلے ماہ بھی آپ کی رائے کے نظر میں آئے
شکر ہے۔
تبسم بیکر حسین: ڈنگے سے لکھتی ہیں۔

اس دفعہ کا شمارہ نوکول، ٹائٹل نے دل بہت
لیا سرخ ڈریس میں عازرہ خان بائبل گلاب کا
پھول لگ رہی تھیں، اب بس ایسے ہی پیارے
ٹائٹل دیا کریں، اس کے بعد ”یکم بائبل
ہماریاں“ میں پڑھا کر اگلے ماہ سدرہ اسکی کا ناول
شروع ہو رہا ہے اللہ کرے اچھا ہو۔
”حمد ولعت“ سبحان اللہ۔

”پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں“ ہمیشہ کی طرح میٹھی میٹھی رہیں، ”دل گزیدہ“ ام مریمؑ کا ناول اچھا ہے ”پریت کے اس پار کہیں“ نایاب آپنی کو اختتام بہت بہت مبارک ہو، ٹاولٹ ”می رقص“ تو میں

السلام علیکم!
آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے
ساتھ حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی
دعاؤں کے ساتھ، اللہ تعالیٰ آپ سب اور ہمارے
اس ممالک و وطن کو اپنی حفظ و امان کے ساتھ رکھے
تسلیت۔

مارچ کے رحمت ہوتے ہی گری اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیتی ہے جوں جوں دن گزرتے جاکیں گے اس کی شہرت میں بھی اضافہ ہوتا چلے گا۔

یہ باہر کے کام کو بھی آتے جاتے رہتے ہیں، شوگر اور ساری ہمارے اندر سے پھوٹی ہے اور صرف ایک ہی جذبہ دل کو کچی لطافت عطا کرتا ہے وہ جذبہ جس کو اس کائنات کی بنیاد رکھی گئی ہے، محبت، ہمدردی اور دوسروں کے کام آنے اور

دوسروں کے دھمکے یا فتنے کا جذبہ، وقت اچھا ہو یا
برایں کا کام نہ رہے اور یہ ہر حال میں گزری
جاتا ہے، بڑی، چھٹی، پریشانی اور خوشگوار یا ان سب کا
اسم ہی زندگی ہے، بلبل بدلتی اس زندگی میں
انسان کو ہر طرح کے سر و کمر سے تیرا ڈھونڈنا پڑتا
ہے، زندگی دو حقیقت ایک امتحان ہے اور ناموافق
حالات کا بہت سے مقابلہ کر کے ہی کامیابی حاصل
کی جاسکتی ہے، اچھے حالات، اچھے موسم ہمارے
مختصر ہوتے ہیں، شرط صرف اتنی ہوتی ہے کہ ہم
منت نہ ہائیں اور کوشش جاری رکھیں۔

یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بیکراں ہے
لیکن اس کے مستحق صرف وہی لوگ ٹھہرتے ہیں جو

اس کی رحمت سے کسی بھی حال میں مایوس نہیں ہوتے۔

اپنا بہت سا خیال رکھیے، اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے کہ جب دعا کے لئے ساتھ اٹھائیں، اپنے لئے اپنے پیاروں اور چاہنے والوں کے ساتھ ساتھ اس پاک وطن کے لئے خصوصی دعا کریں، ہم آج جو بھی ہیں اسی پاک دھرتی کی وجہ سے۔ آئیے آپ کے خطوط کی غفلت میں چلنے سے پہلے درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو آمین۔

یہ پہلا خط ہمیں اقراء الیاس کا مرید کے
موصول ہوا ہے، کچھ خطوط ایسے ہوتے ہیں جو دل
کرتا ہے لفظ بہ لفظ شامل کیا جائے اس مرتبہ اقراء
الیاس کا تبصرہ بھی کچھ ایسا ہی ہے آئیے پڑھتے ہیں
وہ لکھتی ہیں۔

اس بار بھی تبصرہ رہی جاتا اگر ”پرہیز کے
اس پار کیس“ کا اینڈ نہ کیا جاتا مارچ کے شروع میں
دو عدد شادیوں کی مصروفیت اور پھر مہمانوں کی آمد،
اور رہی میری طبیعت وہ پہلے سے بڑھ کر خراب،
زکام سے برا حشر اور اس پر سر اور کمر کا درد
برداشت سے باہر میڈیسن تبدیل کروائی درمیان
میں بالکل ٹھیک تھی مگر پھر کولڈ ورنک کا کمال اور میرا
برا حال اور آرام میں مشکل سے ہی کرتی ہوں
ہمت کھونے سے بہتر ہے بندہ ہمت کر ہی لے،
کچھ میڈیسن کھائی تو آفاقہ ہوا ہے، اب حنا کی بات
کریں تو حنا اخیر سے ملنے اور طبیعت خرابی کے
باعث سلسلہ وار ناؤ رہی پڑھ سکی، اب چہ نہیں تبصرہ

اب ہر دن خوبصورت

مکمل تحفظ
مکمل تازگی



Butterfly
BREATHABLES

GIRL
TALK

facebook.com/GirlTalk.by.Butterfly

حسین آخر کے ناول کی آخری قسط کا شدت سے انتظار ہے، مگر یہ ناول "آخری قسط کا شدت" میں آئی تو گریٹ تھا، اس ناول میں پلپ ہے ایبوسل ناچ اور براہ ذہن رہے ذرا سی بات اور وہ اک شام بورنگ سے تھے، جبکہ چھپتے سے کیا اور شے تھے اٹھ کے اٹھ کے تھے۔

حاصل مطالعہ، مارخ سیال، صائمہ ابراہیم، ماریہ عثمان اور وقار عبدالرحمان نے زبردست لکھا، بیاض سب کے اشعار پسند آئے، رنگ حاشا شمرہ شیرازی، مدیحہ کرن، حمزہ حماد نے زبردست لکھا، قیامت کے یہ نامے زوہارہ سعید خوش آمدید، روجہ کی اور منہ ریشا کے تبصرے کافی جاندار تھے، اقراء الیاس اب آتی رہنا، فوزیہ آبی اللہ کرے کہ آپ کی زبان مبارک ہو چھوٹی کہانیاں قابل اشاعت ہو جائیں آئیں۔

تبسم بشیر حسین کیسی ہو ڈیر، مارچ کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ آپ کے افسانے مل گئے ہیں اگر ممکن ہوا تو آپ کسی دن بارہ سے تین بجے کے درمیان آفس کے نمبر پر رابطہ کیجئے گا شکریہ۔

ماہ بشیر حسین: ذمہ سے لکھتی ہیں۔
ناٹل بہت زبردست تھا، ایسے ہی ناٹل دیا کریں، دل گزیدہ تمام تر دلچسپیوں کے ساتھ جاری ہے، پرہت کے پار بالآخر اختتام پزیر ہی ہو گیا مبارک ہو، درجن بلال کا ناول بے حد شاندار ہے ویری گڈ، می رقص کب ختم ہوگا؟ بورنگ کیا ہے ناول دل کا فیصد زبردست رہا، جبکہ دو اقساط کا جیت یامات بھی پسند آیا زبردست قرۃ العین آبی۔

افسانے سارے ہی سبق آموز تھے، سارے پسند آئے، آپ ایک سوال ہے پلیز لازمی جواب

☆☆☆